اصلاحی، انقلابی، پرتاثیر بیانات کا حسین مجموعہ

بزمِ منوّر

جلد: سوم

خطبات

واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین ابن عبداللہ صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب جامع مسجد بالہم، لندن، یوکے

زیرسرپرستی

مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم

امام وخطیب چوڑگر مسجد وشیخ الحدیث مدرسہ اسلامیہ وقف صوفی باغ، سورت، گجرات، انڈیا

جدید ترتیب وتہذیب

(مفتی) محمد امین اُدھنا غفرلہٗ

ناشر

حضرت حافظ عبدالغفور بن عبدالمجید شیخ صاحب دامت برکاتہم

مہتمم شیخ جامعہ احمد اللہ ومرکزی دارالعلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نام کتاب	:	بزم منور (جلد: سوم)
خطبات	:	واعظ شیریں بیاں حضرت مولانا منور حسین صاحب سورتی دامت برکاتہم
زیر سرپرستی	:	مفتی محمد طاہر صاحب سورتی دامت برکاتہم
جدید ترتیب وتہذیب	:	(مفتی) محمد امین اُدھنا غفرلہٗ
ناشر	:	حضرت حافظ عبد الغفور بن عبد المجید شیخ صاحب دامت برکاتہم
تیسرا ایڈیشن	:	محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق اکتوبر ۲۰۱۷ء
صفحات	:	۴۰۲

ملنے کے پتے

(۱) مرکزی دار العلوم پال، ضلع سورت، گجرات، انڈیا 0091-0261-2840120

(۲) مولانا محمد انور مصری صاحب (اسلامک بک ڈپو) 091 - 9825793711

نزد جامع مسجد، چوک پازار، سورت، گجرات، انڈیا

(۳) **دار الحمد** ریسرچ انسٹیٹیوٹ، سوداگر واڑہ، سورت، گجرات، انڈیا 091 - 9173103824

(۴) (مفتی) محمد امین اُدھنا، امن سوسائٹی، ادھنا، سورت 091 - 9909279863

المُحتَویاتؒ

فہرستِ مضامین

عناوین | صفحہ نمبر

۸ شب براءت کی فضیلت

۱۰ **تقویٰ کی حقیقت اور اس کے ثمرات (قسط دوم)**

۱۱ **تقویٰ کی حقیقت اور اس کے ثمرات (قسط سوم)**

تمت

کچھ صاحبِ کتاب کے بارے میں

از: مولانا محمد یونس سورتی

(خلیفہ عارف باللہ حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ، کراچی)

تصدیق از: فقیہ امت

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب لاجپوریؒ، راندیر، سورت

(صاحبِ فتاویٰ رحیمیہ)

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسوله الکریم. اما بعد!

۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء کی بات ہے، حضرت مولانا منور حسین سورتی صاحب مد فیوضہم مجھ سے از راہ تعلق قدیم ان کی تقاریر کی اشاعت کے ابتدائی زمانہ میں بطور مقدمہ کچھ لکھنے کی فرمائش کرتے رہے، مگر اوّلاً تو اپنے اندر عدم اہلیت کی بنا پر ہمت نہ کی، دوسرے یہ کہ بعض اکابر نے کتاب پر تقریظ لکھنے کا حق ادا کر دیا، اس لئے بندہ ان کی گذارش کو ٹالتا رہا، پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں صاحبِ کتاب کا تعارف لکھ دوں تا کہ ان تقاریر کا مطالعہ کرنے والوں کو کتاب پر مزید اعتماد اور کتاب سے دلچسپی پیدا ہو۔

مولانا کا وطن:

حضرت مولانا منور حسین سورتی (ابن عبداللہ شیخ[1] صاحبؒ) ہندوستان کے

(۱) آپ پابند شرع تھے، صاف ستھری زندگی تھی، اخلاق وکردار کے بلند (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

صوبۂ گجرات کے شہر سورت میں ۱رشعبان ۱۳۷۶ھ مطابق ۳رمارچ ۱۹۵۷ء بروز اتوار پیدا ہوئے، آباء واجداد یہیں کے ہیں، سورت شہر میں محلّہ سگرام پورہ کے رہنے والے ہیں۔

حفظ قرآن کریم:

ابھی آپ نے ناظرہ قرآن کریم بھی ختم نہ کیا تھا کہ سورت شہر کے محلّہ رامپورہ کے دار العلوم میں اس کے بانی اور مہتمم الحاج عبد القادر موسیٰ میر صاحبؒ[۱] نے درجۂ حفظ میں داخل کردیا، آپ نے بڑے شوق اور دل کی لگن کے ساتھ حفظ مکمل کیا۔

سہارنپور؛ رمضان المبارک میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کی خانقاہ میں:

حفظ کے ساتھ ساتھ اساتذۂ کرام کی خدمت بھی بڑے ذوق وشوق سے کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں حفظ کے استاذ حضرت مولانا محمد انور مصری صاحب سورتی[۲] مدظلہ آپ کو غالباً ۱۹۷۰ھ یا ۱۹۷۱ھ میں سہارنپور ماہ مبارک میں حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں لے

(گذشتہ سے پیوستہ)

اور علم دوست مخلص انسان تھے، سینکڑوں اشعار نوک زباں تھے، محفل ومجلس خصوصاً شعراء کی مجلس میں موقع کے مطابق اشعار کہتے تھے، آپ کی وفات کے بعد محلّہ کے ایک مقتدر شاعر الحاج عبد القادر چشتی نظامی (تخلص: واصل سورتی) نے آپ کی زندگی پر ایک طویل نظم کہی ہے۔ بعمر پچھتر ۷۵رسال ۱۵ر اگست ۲۰۰۴ء میں وفات پائی۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ نے ۲۱رذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۲۴رجنوری ۲۰۰۳ء کو وفات پائی۔

(۲) مولانا انور مصری صاحب مدظلہ: آپ نے جامعہ اشرفیہ، راندیر میں کئی سال تعلیم حاصل کر کے مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور میں ۱۰رشوال ۱۳۸۸ھ مطابق ۳۰ردسمبر ۱۹۶۸ء میں (بقیہ برصفحۂ آئندہ)

گئے، جہاں سینکڑوں اکابر وعوام اعتکاف کرتے تھے، مولانا انور صاحب کی برکت سے آپ کو بھی کم عمری کے باوجود قیام کی اجازت مل گئی۔

دیگر اکابر کی خدمت:

پھر مولانا کو حضرت شیخؒ کے یہاں آمد ورفت میں دیگر اکابر کی خدمت نصیب ہوئی، خصوصاً حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ[۱] (شیخ الحدیث مظاہر علوم، سہارنپور) اور حضرت مولانا ہاشم بخاری[۲] صاحبؒ، اور حضرت مولانا عبدالمنان[۳] بن مولانا محمد شاکر

(گذشتہ سے پیوستہ)
دورۂ حدیث میں داخل ہوئے، یہ سال حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے بخاری شریف پڑھانے کا آخری سال تھا، بخاری شریف حضرت شیخؒ سے اور دیگر کتب حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوریؒ اور ناظم مدرسہ حضرت مولانا اسعد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا عاقل صاحبؒ وغیرہ سے پڑھیں، فراغت کے دو تین سال بعد دارالعلوم رامپورہ، سورت میں درجۂ حفظ پڑھایا، پھر اندازاً تین سال بعد جامع مسجد سورت کے دروازہ پر مختصر کتب خانہ قائم کیا، اور اب محلہ سید واڑہ میں عیسیٰ جی کی مسجد جو آپ کے گھر کے سامنے ہے، مسجد کے قدیم اور مصلیوں کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر اسے شہید کروا کر وسیع وعریض خوش نما اور دیدہ زیب مسجد اور مسجد سے متعلق عمارت تعمیر کروائی، آج کی تاریخ میں بھی کچھ کام باقی ہے۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ ۱۶؍شوال ۱۴۳۸ھ مطابق ۱۱؍جولائی ۲۰۱۷ء میں انتقال فرما گئے۔ نور اللہ مرقدہٗ و برد اللہ مضجعہٗ.

(۲) مولانا ہاشم بخاری صاحب: آپ کا اصل وطن بخارا ہے، ۱۳؍رجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۲؍مارچ ۱۹۲۱ء میں پیدا ہوئے، ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں ہندوستان ہجرت کی، دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لے کر اندازاً ۱۳۶۹ھ مطابق ۱۹۵۰ء میں درس نظامی سے سند فراغ حاصل کی، بعدہٗ پالنپور حضرت مولانا محمد نذیر صاحبؒ کے مدرسہ میں پھر دارالعلوم وڈالی اور رویدرا گاؤں میں کچھ کچھ مدت تدریسی خدمت انجام دے کر جامعہ حسینیہ راندیر میں ایک مدت درجۂ علیا کی کتابیں (بقیہ برصفحۂ آئندہ)

دہلویؒ، اور سورت گجرات کی مشہور شخصیت حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ [۱] (المعروف: حکیم اجمیری صاحب) کی خوب خدمت کی۔ اسی طرح حضرت مولانا عبد الحفیظ مکّی صاحبؒ [۲]، حضرت مولانا معین الدین مرادآبادی صاحبؒ [۳] (شیخ الحدیث مدرسہ امدادیہ، مرادآباد) حضرت مولانا کفایۃ اللہ صاحب مدانوی پالنپوریؒ [۴]، اسی طرح حضرت مولانا منور حسین بہاریؒ [۵] جو خانقاہ کے انتظامی امور پر متعین تھے، ان کی بھی خدمت نصیب

(گذشتہ سے پیوستہ)

پڑھائیں، پھر دار العلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دے کر غالباً ۱۹۸۵ء میں مستقل مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اندازاً ۱۹۸۷ء مطابق ۱۴۰۵ھ میں انتقال فرما گئے، اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

(۳) مولانا عبد المنان دہلویؒ: آپ حضرت مولانا عبد السبحان میواتی (بانی مدرسہ سبحانیہ، قصاب پورہ، دہلی) کے بیٹے تھے، جید عالم صاحبِ درد بزرگ تھے، عربی، فارسی، اردو کے بڑے ماہر شاعر تھے، اور ہزار ہا ہزار تینوں زبانوں کے اشعار نوک زباں تھے، حضرت شاہ عبد القادر رائے پوریؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کی موجودگی میں اشعار سناتے، آخر میں سہارنپور حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے منسلک ہوئے، اور ان کی خدمت میں آتے جاتے رہے۔

حاشیہ اس صفحہ کا:

(۱) آپ نے انگلینڈ کے دورانِ سفر، شہر برمنگھم میں ۱۵/ربیع الآخر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸/جولائی ۲۰۰۰ء بروز منگل وفات پائی۔

(۲) مولانا مکۃ المکرّمہ کے باشندے تھے، ساؤتھ افریقہ کے دورہ پر تھے، وہاں ۱۸/جنوری بدھ کے دن ۲۰۱۷ء کو انتقال فرما گئے۔ دوسرے دن جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

(۳) آپ ۸/شوال ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۴/اکتوبر ۲۰۰۸ء کو سورت شہر میں انتقال فرما گئے۔ اور دار العلوم مرکز اسلامی، انکلیشور، ضلع بھروچ کے احاطہ میں (جہاں وہ اپنی عمر کے آخری سالوں میں شیخ الحدیث رہے) مدفون ہوئے۔

(۴) مولانا کفایۃ اللہ صاحبؒ: حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے خلیفہ تھے، دار العلوم ماہی، پالنپور کے بانی و مہتمم تھے، ۱۳/ذی قعدہ ۱۴۲۳ھ مطابق ۱۷/جنوری ۲۰۰۳ء شب جمعہ کو (بقیہ بر صفحۂ آئندہ)

ہوئی، بلکہ ہمنام ہونے کی وجہ سے مولانا سورتی کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے، خانقاہ معتکفین سے پر ہونے کے باوجود آخری صف میں ان کے لئے جگہ کردیتے، اور اپنے دو صاحبزادے محمد سلمان اور محمد سالم کے قرآن پاک سننے کا آپ کے حوالہ کیا، اور ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم بھی عنایت فرمائی، مولانا کفایۃ اللہ پالنپوری صاحبؒ نے بھی ایک مرتبہ سورت واپسی کی ٹکٹ کی رقم عنایت فرمائی۔

جامعہ حسینیہ راندیر میں داخلہ:

آپ کا حفظ مکمل ہو چکا تھا کہ اسی سال راندیر ضلع سورت سے مہتمم جامعہ حسینیہ حضرت مولانا محمد سعید راندیریؒ (متوفی ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۹۷۶ء) اور حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ سہارنپور حضرت شیخؒ کی خانقاہ میں پہونچے تھے۔

حضرت مولانا حکیم محمد سعد اجمیریؒ نے حضرت مولانا محمد سعیدؒ سے آپ کے جامعہ حسینیہ میں عربی تعلیم کے لئے داخلہ کی سفارش کی، اور فرمایا کہ یہ ایک غریب گھرانہ کا لڑکا ہے، چھٹیوں میں میرے پاس رہتا ہے اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھتا ہے، گھر والے کسی کام میں لگانا چاہتے ہیں لیکن ہم اسے عالم بنانا چاہتے ہیں، ساتھ ساتھ سفارشی رقعہ بھی لکھ دیا۔

(گذشتہ سے پیوستہ)

سورت کے دورانِ سفر مہاویر ہسپتال میں انتقال فرمایا۔

(۴) مولانا منور حسین صاحب بہاریؒ: سہارنپور میں حضرت شیخ مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے یہاں رمضان المبارک میں خانقاہ میں معتکفین کے انتظامی امور پر متعین تھے۔ مظاہر علوم سہارنپور سے ۱۳۵۰ھ میں فارغ ہوئے، پانچ سال مظاہر علوم میں بعدہٗ دار العلوم لطیفی کٹھار میں تا دم آخر مدرس رہے۔ پھر کسی وقت مظاہر علوم میں عارضی طور پر استاذ الحدیث رہے۔ ۲۳ یا ۲۴؍ جنوری بروز پیر ۱۹۷۴ء مطابق ۲۹؍ ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ کو انتقال فرما گئے۔

الحمدللہ اس طرح ۱۹۷۱ء میں جامعہ حسینیہ، راندیر ضلع سورت میں داخلہ ہوگیا، ماشاء اللہ آپ نے علوم نبویہ میں جد و جہد کے علاوہ اپنے حسن اخلاق و نیک چلن اور اساتذۂ کرام کی خدمت سے جامعہ میں مقبولیت حاصل کی۔

مہتمم جامعہ حضرت مولانا محمد سعید راندیری صاحبؒ کی خصوصی توجہ وتربیت و شفقت نے تو آپ کے اندر ظاہراً و باطناً ایک نکھار پیدا کر دیا، دیگر اساتذہ بھی مشفق و مہربان رہے، اور استاذ الحدیث حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ (۱) نے تو آپ کے علوم دینیہ سے فارغ ہونے سے قبل ہی آپ کو اپنا داماد بنالیا۔

آپ نے بخاری شریف فخر گجرات حضرت علامہ ومولانا شیخ احمد اللہ راندیریؒ (متوفیٰ ۲۷/صفر ۱۴۰۴ھ مطابق ۲/دسمبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ) سے پڑھی، اور دیگر کتب حدیث دوسرے محدثین سے پڑھیں۔

(۱) حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ: آپ کا اصل وطن بہار ہے، مدرسہ امینیہ، دہلی میں علم حاصل فرمایا، مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی کفایۃ اللہ دہلویؒ کے تلمیذ رشید تھے، حضرت کی موجودگی میں آپ نے وہیں پر تدریسی خدمت انجام دی، اسی زمانہ میں الحاج عبدالقادر میر صاحبؒ (بانی دارالعلوم، رامپورہ، سورت) اپنے دارالعلوم میں لے آئے، یہاں پر تقریباً چھ سال درس دیا، پھر جامعہ حسینیہ راندیر میں ۱۹۶۴ء سے ۱۹۸۰ء تک مختلف فنون اور حدیث وتفسیر کے استاذ رہے۔

اسی دوران دارالعلوم بری (انگلینڈ) کے بانی حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب مدظلہ نے اپنے دارالعلوم میں درس بخاری کے لئے تقرر فرمایا، آپ نے ۱۹۸۰ء سے ۱۹۹۶ء تک بخاری شریف کا درس دیا، آخری سال یعنی ۱۹۹۶ء میں رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے تشریف لے گئے تھے، اس دوران مدینہ منورہ میں ۲۸ ویں شب کو بوقت صبح چار بجے اپنی قیام گاہ پر واصل بحق ہوگئے، جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعه.

تقریر و بیان:

تقریر و بیان میں محنت اور دل چسپی کے نتیجہ میں جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ راندیری صاحبؒ اپنی زندگی کے آخری سالوں میں دل کے مرض کی وجہ سے اپنے تقریری پروگرام میں جہاں اوروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور اپنی تقریر سے پہلے ان سے کچھ دیر بیان کا حکم فرماتے، کبھی کبھی آپ سے بھی بیان کرواتے، اور کبھی اپنی جگہ پر بھی بیان کے لئے بھیجتے، یہ ایک طالب علم کے لئے بڑے شرف کی بات ہے کہ اساتذہ ان سے اس طرح راضی اور خوش ہوں۔ **ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء.**

جامعہ سے فراغت:

اس طرح جامعہ میں شب و روز گزار کر ۱۴/ شعبان ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۶/ جون ۱۹۸۱ء میں اعلیٰ درجہ سے فراغت حاصل کی، شیخ الجامعہ حضرت مولانا احمد اللہ صاحب راندیریؒ نے خوش ہو کر اس ہونہار فارغ التحصیل کے لئے ایک نظم بھی تحریر فرمائی۔

دیوا بستی ضلع بھروچ میں دینی خدمات:

جامعہ سے فارغ ہوئے تو شیخ الجامعہ حضرت مولانا احمد اللہ صاحبؒ اور مفتیٔ جامعہ واستاذ الحدیث حضرت مولانا مفتی اسماعیل واڈی والا صاحبؒ[1] نے بمقام دیوا ضلع بھروچ کی جامع مسجد میں ۱۹۸۱ء میں تقرر کروادیا۔

یہ بھی آپ کا کمال تھا کہ اساتذہ کے حکم پر اپنا محبوب شہر 'سورت' چھوڑ کر دیہات میں تقریباً چار سال ۱۹۸۵ء تک دیوا کی جامع مسجد میں خطیب و امام رہے۔ عائد کردہ ذمہ

---

(۱) آپ نے یکم شعبان ۱۴۲۸ھ مطابق ۱۵/ اگست ۲۰۰۷ء میں وفات پائی۔

داری کے علاوہ اصلاح خلق کے خاطر تقریر و بیان، درسِ قرآن وحدیث اور مجلس اصلاح و فقہ کو اپنا لازمی اور اہم فریضہ بنایا، اور دیوا میں دیوانہ وار بن کر سارے امور انجام دیتے رہے، ساتھ ساتھ مختلف مقامات پر تقریری پروگرام بھی ہوتے رہے۔

جامع مسجد بالہم، لندن سے دعوت:

دیوا قیام کے دوران ۱۹۸۵ء میں جامع مسجد بالہم، لندن کے حضرات نے رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تفسیر کے لئے آپ کو دعوت دی، چنانچہ آپ تشریف لائے اور روزانہ تفسیر فرمانے لگے۔

جامع مسجد بالہم، لندن میں تقرر اور خدمات:

مسجد بالہم کے مصلی حضرات نے محسوس کیا کہ لائق وفائق نوجوان ہیں، اور ان سے ہماری تشنگی دور ہوگی تو ان حضرات کا اصرار ہوا، اور حضرت مولانا اسلام الحق صاحبؒ کی تائید رہی، چنانچہ آپ کا تقرر ہو گیا، اور جمعہ کی نماز سے قبل اور اہم اہم مواقع میں بیانات اور روزانہ نماز کے بعد درسِ تفسیر وحدیث اور اصلاح وفقہ وغیرہ کا سلسلہ شروع فرمایا۔

یہ تمام امور دیوا بستی کی جامع مسجد میں بھی انجام دیتے تھے، لیکن وہاں ایک ہی طرح کا ماحول تھا، اور یہاں مختلف ممالک اور مختلف قبائل وخاندان اور مختلف المزاج و مسالک اور مختلف نظریات وافکار کے ماحول میں ہر طرح کی باتیں اور حالات سہہ کر مجسم صبر کا پیکر بن کر خندہ پیشانی وملنساری اور حکمت عملی سے کام کرتے رہے، یہاں تک کہ ماحول گل وگلزار بن گیا، اور علاقہ کے بڑے چھوٹے آپ سے مانوس ہو گئے، اور آپ کی

قدر کرنے لگے۔ **الحمد للہ علیٰ ذلک**

علاوہ ازیں برطانیہ میں جب قادیانوں کی ریشہ دوانی شروع ہوئی، تو اس وقت ختم نبوت کے سلسلہ میں برطانیہ میں ہر سال کونفرنس شروع ہوئی، ہند و پاک وغیرہ سے علماء ومشائخ کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا، تو ابتدائی سالوں میں ان حضرات کا قیام لندن شہر میں آپ کے توسط سے مسجد بالہم میں رہتا تھا، اور ویسے بھی سال بھر میں وقتاً فوقتاً بعض بعض علماء ومشائخ کی آمد رہتی تھی، آپ ان کی بھر پور خدمت کرتے اور ان سے مستفید ہوتے، اس کے علاوہ لوگوں کے مسائل اور دینی وملّی امور بھی انجام دیتے رہے۔

آپ کی تقاریر کی اشاعت:

جب انسان کسی میدان میں کام شروع کرتا ہے، بالخصوص جب کہ اس پر ایک عرصہ بیت چکا ہو تو اللہ پاک کی طرف سے کوئی نہ کوئی نتیجہ ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

چوں کہ میری آمد ورفت 'بالہم' (لندن) کی جامع مسجد میں زیادہ رہی ہے، اس لئے یہ بات میرے علم میں ہے کہ کئی سالوں سے وہاں کے بہت سے حضرات مولانا سے ان کی تقاریر کی اشاعت پر زور دیتے رہتے تھے، مگر اکابر علماء وعرفاء وسلف وخلف کے مواعظ کثیرہ کی موجودگی میں اپنے بیانات کی اشاعت کا خیال ان پر شاق گزرتا تھا، لیکن وہاں کے حضرات کے اصرار کے ساتھ بڑوں کی تائید وحوصلہ افزائی نے اشاعت کے اسباب بھی پیدا فرمادئے، اور ان تقاریر کے مجموعے کا نام بھی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ایوب سورتی صاحب نے ''بزم منور'' تجویز فرمادیا۔

اب آپ کے بیانات زمان ومکان اور ممبر ومحراب تک ہی محدود نہ رہے، بلکہ چہاردانگ عالم میں پھیل چکے ہیں، اوران شاءاللہ متعدی اور دائمی رہیں گے۔

احقرالناس: محمد یونس سورتی غفرلہٗ

تصدیق بر مضمون تعارف

از: مفتیٔ گجرات حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ

(صاحب فتاویٰ رحیمیہ)

کتاب کی اشاعت کے بعد مولانا منور حسین سورتی سفرِ گجرات کے موقع پر ’راندیر‘ ضلع سورت، حضرت مفتی عبد الرحیم لاجپوری صاحب کی خدمت میں اپنے بیانات کا مجموعہ بنام ’بزم منور‘ لے کر پہنچے، حضرت مفتی صاحب نے بعمر ستانوے ۹۷؍ انتہائی ضعف ونقاہت کے باوجود ’بزم منور‘ کے چند حصوں کے بیانات کی فہرست صاحب مواعظ سے سنی، اور کچھ مضامین سنے، پھر پوچھا کہ مولانا یونس (سورتی) نے آپ کی کتاب دیکھ لی؟ جواب دیا گیا کہ: جی ہاں! دیکھ لی، فرمایا کہ چوں کہ یہ اسی کام میں لگے ہوئے ہیں اس لئے ان کا دیکھنا کافی ہے، پھر تعارف کا پورا مضمون سنا، سن کر اپنے لرزتے ہوئے دستِ مبارک سے تحریر فرمایا کہ: ’’ماشاءاللہ تعارف کا مضمون بڑا جامع اور مفید ہے‘‘ پھر دستخط فرمائی۔

☆☆☆☆☆

تبرکات وتأثرات

از: حضرت اقدس استاذ الحدیث مولانا تقی الدین ندوی صاحب مدظلہ
استاذ الحدیث العین یونیورسٹی دولۃ الامارات العربیۃ المتحدہ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ رسولہ الکریم، اما بعد:

مجھے برادر گرامی مولانا منور حسین سورتی خطیب جامع مسجد بالہم (لندن) کے خطبات بنام بزم منور جلد اول و دوم مطبوعہ وجلد سوم کے مسودات کو دیکھنے کا موقع ملا۔ سرسری نظر سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ مولانا نے ان خطبات کی تیاری میں کافی محنت کی ہے اور زمانے کے حالات و ماحول کا لحاظ کر کے ان خطبوں کو آسان وسادہ زبان میں بیان کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ ان خطبات سے ہر طبقے کے لوگ فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ نافع بنائے۔ **و ما ذلک علی اللہ بعزیز.**

مخلص تقی الدین ندوی مظاہری
استاذ الحدیث العین یونیورسٹی، دولۃ الامارات العربیہ المتحدہ
۲۰۰۰/۸/۴ الموافق جمادی الثانی ۱۴۲۱ھ
نزول برطانیہ

افتتاح سخن

از: مفکر اسلام حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ العالی
سابق رئیس الجامعہ فلاح دارین، ترکیسر گجرات (انڈیا)

اللہ تبارک وتعالیٰ کا اپنے بندوں پر یہ بہت بڑا احسان ہے اس نے انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبروں اور رسولوں کو مبعوث فرمایا، اور سب سے آخر میں سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی رشد و ہدایت کا یہ سلسلہ منقطع نہیں فرمایا، بلکہ تعلیم وتذکیر اور اصلاح وتزکیہ کی اس پاکیزہ ذمہ داری کو پوری کرنے کے لئے ہر دور میں مصلحین امت اور مجددین ملت کو پیدا فرمایا، جنہوں نے تعلیم وتبلیغ کے ذریعہ ہزاروں بندگان خدا کو نفس پرستی وکج روی سے نکال کر خدا پرستی اور راستی کی طرف موڑ دیا۔ تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ حضرات صحابہؓ کے دور سے آج تک کوئی دور، کوئی صدی مصلحین اور تذکیر وتبلیغ کرنے والوں سے خالی نہیں رہی۔ ان عظیم المرتبت مصلحین میں بعض بہت ہی ممتاز درجہ کے حامل رہے ہیں، مثلاً حضرت حسن بصریؒ، حضرت شیخ عبد القادر جیلانیؒ، امام ابن جوزیؒ، امام محمد بن محمد الغزالیؒ کے مواعظ نے لاکھوں انسانوں کو صراط مستقیم پر گامزن کر دیا، آج بھی ان نفوس قدسیہ کے مواعظ کے مطالعہ سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ

یھدی من یشاء الیٰ صراط مستقیم. اسی طرح ہمارے اس آخر دور میں جن برگزیدہ ہستیوں نے اپنے پر اثر مواعظ وارشادات کے ذریعہ اصلاح امت کا کام کیا ہے اور دعوت و اصلاح کے میدان میں گہرے نقوش چھوڑے ہیں، ان میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا الیاس کاندھلویؒ، مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ اور مولانا احتشام الحق تھانوی، نیز ان کے تلامذہ اور مسترشدین نے ناقابل فراموش کارنامے انجام دئے ہیں۔ **فجزاھم اللّٰہ عنا و عن جمیع المسلمین خیر الجزاء.**

ان علماء امت نے عام مجالس وعظ ونصیحت کے علاوہ خطبات جمعہ کو بھی اصلاح کا ذریعہ بنایا ہے۔ چنانچہ علماء حق ہر جمعہ کو خطبہ سے قبل اپنے جامع اور مفید بیانات اور تقریروں کے ذریعہ ہر موقع کی مناسبت سے اردو زبان میں قرآن پاک اور احادیث شریفہ کی تشریح وترجمانی فرما کر دعوت کا کام کرتے رہتے ہیں۔ ان ہفتہ واری خطبات سے بہت سے انسانوں کی زندگی میں تبدیلی ہوتی ہے اور بہت سے غلط افکار وعقائد کی اصلاح ہوجاتی ہے۔

علماء ربانین کے اسی سلسلہ میں ہمارے عزیز مولانا منور حسین سورتی صاحب زادہم اللہ علماً وعملاً ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے علم وعمل کی دولت سے نوازا ہے۔ بزرگوں اور اہل اللہ کے صحبت، نیز اکابرین امت کی کتابوں کے مطالعہ کے سبب ان میں فکری اعتدال اور سوز دروں بھی پایا جاتا ہے۔ کئی سالوں سے آپ لندن کی جامع مسجد بالہم میں

امامت وخطابت کی اہم ذمہ داری نبھارہے ہیں۔ان کے خطبات آسان اور عام فہم زبان میں بہت ہی مفید مسائل پر مشتمل ہوتے ہیں۔جس کو اب بعض قدردان کتابی شکل میں طبع کررہے ہیں۔ بندہ نے ان کو مختلف مقامات سے دیکھا۔پہلی اور دوسری جلد کو مطبوعہ شکل اور تیسری کا مسودہ دیکھنے کا موقع ملا۔الحمد للہ قرآن پاک اور احادیث شریفہ، نیز اکابرین کی کتابوں کے حوالہ سے مفید باتیں جمع کردی گئی ہیں جو ان شاء اللہ بندگان خدا کی اصلاح کے لئے مؤثر ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کی اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرماوے اور ان خطبات کے ذریعہ تاریک قلوب کو منور فرماوے۔جن بزرگوں اور اہل علم نے ان خطبات کی تصحیح وطباعت کے لئے سعی مشکور فرمائی ہے وہ سب حضرات بھی ہم سب کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں۔اللہ تعالیٰ ان سب محسنوں کو بہترین بدلہ عطافرماوے۔آمین

هذا ما عندى و الصواب عند الله العليم الخبير.

احقر عبداللہ کاپودروی غفرلہٗ

نزیل حال (بولٹن) یوکے

۱۵/جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ

عرضِ مرتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

حَامِداً وَّ مُصَلِّيًا وَّ مُسَلِّمًا...... اَمَّا بَعْدُ!

اپنے مالک کا میں نام لے کر بزم کی ابتدا کر رہا ہوں
یا خدا آبرو رکھ مری تو تیری حمد و ثنا کر رہا ہوں

''بزم منور'' خطبات کی قدیم مستند کتابوں میں سے ایک ہے، دارالعلوم کے طلباء اپنی ہفتہ واری انجمن کی تقریر کی باری میں جن کتابوں کو مأ خذ بنا کر اپنی تقریر تیار کرتے ہیں ان میں سے ایک بزم منور بھی ہے، بلکہ اس میں موجود موقعہ مناسب کی تقاریر کی ہم آہنگی نے بہت سے خطباء کو جمعہ کی تقریر کی تیاری میں طویل ورق گردانی سے بے نیاز کر دیا ہے۔

اس کتاب کی چہار دانگ عالم میں مقبولیت کی وجہ جہاں منتخب موضوع کی موقعہ شناسی، بیان کی لطافت وسلاست، دل نشیں تعبیر و تفہیم، عبارت کی روانی، اردو ادب کی چاشنی، الفاظ کی سادگی، مضمون کی جامعیت، حکایات سے دل بستگی، آیات و حدیث سے استشہاد، اشعار سے حلاوت و جاذبیت ہے وہیں صاحب خطبات حضرت مولانا دامت بر کاتہم کے اخلاص وللہیت وسوز جگر سے کہے گئے کلمات کا اثر بھی ہے۔ سچ ہے______:

جو بات دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

جس کا اعتراف کتاب سے ذرا سی بھی وابستگی رکھنے والا شخص کر سکتا ہے، نیز کتاب

پر مختلف علمائے پاک و ہند کے تاثرات بھی اس کی ترجمانی کرتے ہیں، یہاں صرف دارالعلوم دیوبند کے استاذ حدیث حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ کی ’’مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید‘‘ سے چند کلمات نقل کئے جاتے ہیں، کہ آنحضرت کے وقیع کلمات نے کامل ترجمانی کر کے مزید خامہ فرسائی سے بچالیا ہے، لکھتے ہیں:

’’ان مواعظ میں واعظوں جیسی بے احتیاطی نہیں ہے، واقعات کے بیان میں عقائد سے صرف نظر نہیں کیا گیا۔ دوسری خصوصیت ان بیانات کی یہ ہے کہ یہ موضوع کا احاطہ کرتے ہیں۔ جو عنوان چھیڑا جاتا ہے، اسے حرف آخر کر دیا جاتا ہے، ان خطبات میں تصنیف کا انداز بھی پایا جاتا ہے، سچ ہے کہ مشک خود مہکتا ہے، کسی کی قصیدہ خوانی کا محتاج نہیں ہوتا۔‘‘

(بزم منور: ۹/۳۰،۳۱)

اس شہرۂ آفاق کتاب ’’بزم منور‘‘ کا یہ نیا ایڈیشن شائع ہو رہا ہے، جس میں صاحب خطبات حضرت مولانا دامت برکاتہم کی طرف سے نئی ترتیب و تہذیب کی ذمہ داری بندہ کو سپرد کی گئی، بندہ نے مقدور بھر اس کو انجام دینے کی پوری کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ مجھ کو اس میں باریاب بناوے، اور میری اس خدمت کو قبول فرماوے، اور آخرت میں مجھ کو اس کا بہتر سے بہتر بدلہ عنایت فرماوے۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ. وَتُبْ عَلَيْنَا يَا مَوْلٰنَا اِنَّکَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ. وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَيْرِ خَلْقِهٖ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ. بِرَحْمَتِکَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. (آمین)

والسلام مع الاکرام

طالب دعا

العبد محمد امین غفرلہٗ

۲۷ر محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۸/۱۰ اکتوبر ۲۰۱۷ء

[۱]

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(قسط اول)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلو سیرت نگاروں نے لکھے ہیں اور چودہ سو سال ہو چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنے والے لکھتے چلے گئے اور بیان کرنے والے بیان کرتے چلے گئے لیکن آج تک کسی نے دعویٰ نہیں کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ کا ہم نے حق ادا کر دیا۔ بقول شیخ سعدیؒ کے ______:

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اول وصف تو ماندہ ایم

[دفتر کے دفتر ختم ہو گئے اور عمریں ختم ہو گئیں لیکن ہم ابھی آپ کے ابتدائی درجے کے وصف کو بیان کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔]

﴿ ۱ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(قسط اول)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔہٗ فَاٰزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا o (الفتح: ۲۹)

ترجمہ:[محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جولوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (صحابہ کی جماعت) وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں (اور) آپس میں مہربان ہیں،

اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان (کی عبدیت) کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ (جو) ان کے اوصاف (مذکور ہوئے) توریت میں ہیں، اور انجیل میں ان کا (یہ) وصف (مذکور) ہے کہ جیسے کھیتی نے اپنی سوئی نکالی پھر اس نے اس کو قوی کیا پھر وہ اور موٹی ہوئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی کہ (اپنے نشونما سے) کسانوں کو بھلی معلوم ہونے لگی؛ تاکہ ان (کی اس حالت) سے کافروں کو جلاوے، اللہ تعالیٰ نے ان صاحبوں سے جو کہ ایمان لائے ہیں اور نیک کام کر رہے ہیں مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ کر رکھا ہے۔]

(بیان القرآن)

رمضان المبارک کی بہار:

بزرگان محترم! رمضان المبارک کی بہار ہے اور اس کی سب سے بڑی بہار اور رونق قرآن کریم سے ہے، قرآن پاک کی وجہ سے رمضان کی بہار ہے۔ جس قرآن کریم کی وجہ سے رمضان المبارک کے اندر بہار آئی ہے وہ قرآن کریم جس ہستی اور جس شخصیت پر نازل ہوا وہ ہے ہمارے اور آپ کے آقا سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر رمضان المبارک میں اس شخصیت کا تذکرہ نہ کریں جن کی وجہ سے ہمیں قرآن کریم ملا ہے، ایمان ملا ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری محرومی ہوگی۔ اس لئے آج کی مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرت طیبہ سے متعلق کچھ باتیں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو

صحیح معنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، اتباع، سنت نصیب فرمائے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی اور آپ کی لائی ہوئی شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا حق ادا نہیں ہو سکتا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مختلف پہلو اہل سیر نے لکھے ہیں اور چودہ سو سال ہو چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھنے والے لکھتے چلے گئے اور بیان کرنے والے بیان کرتے چلے گئے لیکن آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ کا ہم نے حق ادا کر دیا۔ بقول شیخ سعدیؒ کے___:

دفتر تمام گشت و بہ پایاں رسید عمر
ما ہم چناں در اولِ وصفِ تو ماندہ ایم

[دفتر کے دفتر ختم ہو گئے اور عمریں ختم ہو گئیں لیکن ہم ابھی آپ کے ابتدائی درجے کے وصف کو بیان کرنے میں لگے ہوئے ہیں] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ کو اہل سیر نے مختلف حصوں میں لکھا۔ بعض نے ولادت سے لے کر نزول وحی تک سیرت کے ایک حصہ کو لکھا اور نزول وحی سے لے کر ہجرت اور ہجرت سے وفات تک کو الگ حصوں میں لکھا، بعضوں نے پوری کتاب صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک پر لکھی تو بعضوں نے اپنی کتاب کا موضوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و کمالات کو بنایا، بعضوں نے غزوات النبی کو اپنا مبحث بنایا، کسی نے نثر میں سیرت لکھی تو کسی نے نظم میں لکھی، کسی نے منقوط سیرت لکھی تو کسی نے غیر منقوط سیرت لکھی، لیکن کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور حیات طیبہ کا حق ادا کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور نام:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مشہور نام تھے، ایک محمد اور دوسرا احمد، یہاں سے میں بات کی ابتداء کرتا ہوں اور اس کے ضمن میں کچھ باتیں اور بیان کروں گا کہ توریت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا صفات بیان کی گئی ہیں؟ انجیل میں کیا صفات تھیں؟ زبور میں کیا صفات تھیں اور اگلے صحائف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا تذکرہ اور ذکر ملتا ہے؟ وقت بہت مختصر ہے اور موضوع وقت کی طوالت کو چاہتا ہے، باتیں پوری تو نہیں ہوں گی لیکن آپ اسے یاد رکھنا۔

احمد، محمد، محمود صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا میں تشریف لانے سے پہلے آسمانوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد تھا جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاِذْ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَىَّ مِنَ التَّوْرٰةِ وَمُبَشِّرًام بِرَسُوْلٍ يَّاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِى اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (الصّف:۶)

[اور جب کہ عیسیٰ مریم کے بیٹے نے کہا اے بنی اسرائیل! میں تمہاری طرف اللہ کا بھیجا ہوا آیا ہوں مجھ سے پہلے جو توریت (وغیرہ) ہے اس کی تصدیق کر رہا ہوں اور جو میرے بعد ایک رسول آنے والا ہے جس کا نام احمد ہے خوش خبری دیتا ہوں]

تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا میں بشارت دیتا ہوں کہ میرے بعد ایک نبی

آنے والے ہیں ان کا نام نامی اسم گرامی احمد ہوگا۔تو آسمانوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کا نام احمد تھا۔جب زمین پر تشریف لائے تو آپ کا نام محمد رکھا گیا اور قیامت میں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا فرمائیں گے۔تو یہ تین جملے یاد رکھنے کے ہیں: محمد، احمد اور محمود۔

احمد کے معنی:

احمد کے معنی ہیں ”اللہ تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والا۔“

احمد الحامد لربه

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاءؑ، فرشتے اور اللہ تعالیٰ کے کتنے نیک بندے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تعریف کرتے ہیں اور قیامت تک کرتے رہیں گے، حضور صلی اللہ علیہ و سلم معراج پر تشریف لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان میں کوئی جگہ خالی نہیں جہاں فرشتے سجدے میں نہ ہوں، کوئی رکوع میں نہ ہوں، کوئی اللہ کی حمد وتقدیس بیان نہ کرتے ہوں۔تو فرشتے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تقدیس بیان کرتے ہیں، انبیاءؑ نے کی، علماء امت اور بزرگان امت نے کی اور قیامت تک کرتے رہیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تقدیس قیامت تک ختم نہیں ہوگی۔قرآن مجید میں سورۂ لقمان میں فرمایا:

وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْم بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ

(سورۂ لقمان:۲۷)

[اور جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جاویں اور یہ جو سمندر ہے وہ روشنائی بن جاوے (بلکہ) اس کے علاوہ سات سمندر اور ہو جاویں تو (بھی)

اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔] (بیان القرآن)

جتنے درخت زمین بھر میں ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور روئے زمین پر جتنے سمندر ہیں ان کو سیاہی بنادیں اس کے علاوہ سمندر اس میں اور شامل ہوجائیں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں یعنی وہ کلمات جن سے اللہ تعالیٰ کے کمالات تعریف وتقدیس وتحمید بیان کی جاوے تب بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ختم نہیں ہوسکتی، لیکن اللہ کی حمد وثنا کرنے والوں میں سب سے زیادہ حمد وثنا اور تقدیس بیان کرنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اب نوجوان یہ سوال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تو بہت مختصر تھی، تریسٹھ سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے حالانکہ دوسرے انبیاءؑ کی عمریں تو بہت طویل تھیں، حضرت نوحؑ کی تبلیغ کی عمر اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ساڑھے نوسو سال ذکر کی ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا (العنکبوت:۱۴)

اور اس سے پہلے چالیس سال نبوت کے، طوفان نوح کے بعد بھی زندہ رہے، بعض روایات میں ساٹھ سال، بعض روایات میں چالیس سال، بعض روایات میں اس سے زیادہ ڈھائی سو سال تک زندہ رہے۔ تو حضرت نوح علیہ السلام کی عمر تو ہزار سال سے بھی زیادہ ہوگئی۔ اسی طرح دوسرے انبیاءؑ کی طویل عمریں اور اسی طرح فرشتوں کی عمر تو قیامت تک ہے، فرشتے قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تقدیس بیان کرتے رہیں گے حالانکہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی تقدیس بیان کرنے والے نبی

کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، بعض نوجوان یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تو دوسرے انبیاء اور فرشتوں کے مقابلہ میں بہت تھوڑی سی ہے تو اللہ کی سب سے زیادہ حمد کرنے والے کیسے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض مرتبہ بات چھوٹی سی ہوتی ہے لیکن اس میں ذخیروں کے ذخیرے جمع ہوجاتے ہیں۔ کوئی بات ایسی ہوتی ہے کہ دریا کو کوزے میں بھر دینے کے مصداق ہوتی ہے، بات چھوٹی سی ہوتی ہے لیکن دفتر کے دفتر کھولے جائیں تو وہ بھی بھر جائیں۔

ایک مثال:

سمجھانے کے لئے اس کی مثال یہ ہے کہ آپ لوگوں نے لندن میں کوہ نور ہیرا دیکھا ہے؟ جسامت کے لحاظ سے کتنا چھوٹا سا ہے لیکن قیمت کے لحاظ سے دنیا میں سب سے قیمتی ہیرا ہے حالانکہ وہ ہے کیا؟ ایک پتھر ہے، اس کے مقابلہ میں دنیا کے اور کتنے بڑے بڑے پتھر ہیں لیکن ان کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حمد کا انداز:

بس یہ سمجھ لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض چھوٹے چھوٹے جملوں کے اندر اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا ایسی بیان فرمائی ہے کہ دفتر کے دفتر بھر جائیں۔

جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے اللہ کی حمد وثنا کی اور اللہ کی حمد وثنا ایسی کی کہ چھوٹے سے جملے کے اندر کی:

یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَ عَظِیْمِ سُلْطَانِکَ

[اللہ تعالیٰ میں تیری حمد کرتا ہوں جیسا کہ تیری شان ہے، تیرا جاہ وجلال ہے اور

جیسی تیری ذات ہے اس کے اعتبار سے میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں۔]

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس شخص نے یہ حمد کی تو فرشتے گھبرائے کہ اس کا ثواب کتنا لکھیں؟ اس چھوٹے سے جملے پر کتنی نیکیاں لکھیں؟ تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اس شخص نے حمد وثنا میں ایسے کلمات بولے ہیں کہ اس کے ثواب میں دفتر کے دفتر بھر جائیں، سمجھ نہیں آتی کہ اس کا ثواب کیا لکھیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اسے چھوڑ دو، میں اپنی ملاقات پر اسے ثواب دوں گا۔ تو جب ایک شخص ایسی حمد وثنا کرتا ہے کہ فرشتے اس کے ثواب لکھنے میں تھک جائیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی حمد اور ثنا کیسے کی ہوگی؟ فرشتے تو کیا کائنات میں کسی نے ایسی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور تقدیس وتوصیف بیان نہیں کی۔

(تفسیر ابن کثیر)

حمد کے مختصر ترین چند جامع کلمات:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صبح کی نماز کے بعد باہر کسی کام سے تشریف لے گئے، ام المؤمنین حضرت جویریہؓ تسبیح پڑھ رہی تھیں، اللہ کی حمد وثنا کر رہی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کے وقت واپس تشریف لائے دیکھا کہ جویریہؓ وہیں بیٹھی ہیں اور تسبیح پڑھ رہی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جویریہؓ! کیا جس حالت پر تمہیں چھوڑ کر میں گیا تھا تم اسی حالت میں بیٹھی ہو؟ یعنی کہ جب صبح کی نماز کے بعد میں جا رہا تھا تو تم تسبیح پڑھ رہی تھیں، اب ظہر کی نماز کے وقت واپس آیا تو تم تسبیح میں مشغول ہو تو کیا تم درمیان میں کسی کام کاج میں لگی ہوئی تھی اور ابھی تسبیح پڑھنے بیٹھی ہو؟ یا اس وقت سے اب تک مسلسل تسبیح پڑھ رہی ہو؟

ام المؤمنین حضرت جویریہؓ کی برکت:

حضرت جویریہؓ ام المؤمنین ہیں، بنی المصطلق خاندان سے تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جویریہؓ بڑی برکت والی عورت تھیں اس لئے کہ جس دن ان کو آزاد کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تو یہ چونکہ غلام اور باندی رہ کر آئی تھیں اور ان کے خاندان کے بہت سے لوگ غلام بنائے گئے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کیا تو صحابہ کرامؓ کے پاس اس خاندان کے جتنے غلام تھے، سب نے اپنے اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ بعض روایات میں ساٹھ، بعض میں ستر اور بعض روایات میں ہے کہ سات سو افراد اس دن آزاد ہوئے، اور بعض روایات میں ہے کہ بنی المصطلق کے ۱۰۰ر خاندان اس دن آزادی کی نعمت سے بہرہ مند ہوئے۔

تو حضرت جویریہؓ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول! بیشک جیسے آپ نے جاتے وقت مجھے تسبیح پڑھنے کی حالت میں دیکھا تھا اس وقت سے اب تک تسبیح میں ہی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو صبح سے چاشت تک حمد و ثنا میں مشغول رہی اور میں نے صبح سے چاشت تک صرف چار جملے کہے ہیں، اگر تم وہ پڑھ لیتیں تو تمہیں صبح سے شام تک کا ثواب مل جاتا۔ وہ جملے کیا ہیں؟

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضَا نَفْسِهٖ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ.
(مشکوۃ:۱/۲۰۰)

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف چار جملے پورے دن کی عبادت سے زیادہ ثواب رکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا شکر:

جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا کہ میری حمد وثنا کرو، میرا شکرادا کرو۔

اِعۡمَلُوۡا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا (السبا: ۱۳)

[کہ داؤد میری نعمتوں کا شکرادا کرو۔]

اور بقول قاری محمد طیب صاحبؒ وہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو انبیاء سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ حقائق الٰہیہ کی جو سمجھ اور فہم انبیاءؑ کو دی جاتی ہے وہ کسی کو نہیں دی جاتی ہے بلکہ جتنی باتیں بھی ہوتی ہیں ان کی جوتیوں کے صدقہ ہی میں ہم کو ملتی ہیں۔ داؤد علیہ السلام کو حکم دیا کہ میرا شکرادا کرو تو داؤدؑ نے کہا کہ اے بارے تعالیٰ! میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں، میری سمجھ میں یہ نہیں آتا ہے۔ میری ذات سے یہ ناممکن ہے کہ اگر میں تیرے اور شکر کو ادا کرنے کے لئے بیٹھوں گا تو اس کی توفیق بھی تو تو ہی دیتا ہے اور توفیق کامل جانا بھی تیری ایک نعمت ہے، پھر اس کا شکر وحمد ادا کروں تو اس کی توفیق بھی تو ہی دیگا۔ لہذا میں عاجز ہوں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤد تم نے حقیقت میں اب شکرادا کر دیا ہے۔ تو شکر کو ادا کرنے کے لئے ہتھیار ڈال دینا، اپنا عجز بیان کر دینا یہ بھی شکر کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور یہ طریقہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ نعمتیں لامحدود ہیں، اللہ تعالیٰ کی ذات بھی لامحدود ہے تو لامحدود کا شکر بندہ جو محدود ہے وہ کس طرح ادا کر سکتا ہے؟ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ شکر اور الفاظ حمد ایسے بیان کرتے تھے کہ جو بہت مختصر اور جامع ہوتے تھے۔

حدیث میں فرمایا:

اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا دَائِمًا مَّعَ دَوَامِکَ

اے اللہ تیرے لئے حمد ہے اور دائمی حمد ہے جب تک تو دائم ہے اور تیری دوام کی کوئی حد نہیں تو تیری حمد کی بھی کوئی حد نہیں اور پھر فرماتے تھے:

وَ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا خَالِداً مَّعَ خُلُوْدِکَ

اور تیرے لئے حمد ہے جب تک تو رہنے والا ہے اور تو ہمیشہ رہنے والا ہے تو تیری حمد بھی ہمیشہ میرے ساتھ ساتھ رہے گی اور پھر فرمایا:

وَ لَکَ الْحَمْدُ حَمْدًا لَّا مُنْتَھیٰ لَہٗ دُوْنَ مَشِیَّتِکَ

اور تیرے لئے حمد ہے ایسی حمد جو تیری مشیت کے ساتھ ساتھ چلے اور تیری مشیت اور تیری چاہت کی بھی کوئی انتہا نہیں تو میری حمد کی بھی کوئی انتہا نہیں۔تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ حمد وثنا کے الفاظ ایسے ادا کئے کہ اس حمد کو دائمی بنا دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اعجاز'جوامع الکلم':

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اعجاز ''جوامع الکلم'' بھی ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر ایسے چھوٹے چھوٹے جامع کلمے جاری فرمائے کہ جس کی تشریح کی جائے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں۔قیمتی نصیحت کی بات گُر کی بات جس کو سمجھانے کے لئے ایک طویل کلام درکار ہو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چند حرفوں میں سمجھا دیتے تھے۔ایسے چھوٹے چھوٹے کلموں کو جوامع الکلم کہتے ہیں۔ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے دوسرے انبیاء پر چھ چیزوں میں فضیلت دی گئی۔جس میں سے ایک ہے:

اعطیت جوامع الکلم.

(مرقاۃ: ۱۰/ ۴۲۷)

مجھے (خاص اعجاز کے طور پر) جامع کلمات عطا فرمائے گئے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے چھوٹے جملوں میں ایسی اللہ کی حمد وثنا کی کہ اگر اس کی تشریح کی جائے تو دفتر کے دفتر بھر جائیں اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کہے ہوئے جملے محدثین سنایا کرتے ہیں تو بھی دفتر کے دفتر بھر لیتے ہیں۔

ایک جامع کلمہ ''اسلمت علی ما اسلفت من الخیر'':

حکیم ابن حزام رضی اللہ عنہ مسلمان ہوتے ہیں۔ یہ بہت رئیس اور مالدار اور بڑے نرم دل صحابی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اسلام لانے سے پہلے کفر کے زمانہ میں بھی خیر خیرات اور صدقات بہت زیادہ کیا کرتے تھے۔ حکیم ابن حزام کافروں سے بھی الگ نہیں ہو سکتے تھے اور دل سے مجبور تھے، اونٹ پر اناج وغیرہ لاد کر اونٹ کو ڈنڈے سے مار کر شعب ابو طالب کی طرف بھگا دیتے تھے، تاکہ جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شعب ابی طالب میں قید تھے وہ اسے لے لیں۔ حالانکہ ایمان نہیں لائے تھے لیکن نرم دل تھے۔ جب ایمان لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اللہ کے رسول! میں نے زمانہ کفر میں بہت صدقات اور خیرات کئے ہیں، بہت سے کار خیر کئے ہیں، کیا اس کا بھی مجھے کوئی اجر اور ثواب ملے گا؟ یہ بات یاد رکھنے کی ہے حالت کفر میں کئے ہوئے کار خیر کا آخرت میں کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے، دنیا میں اللہ تعالیٰ اس کا ثواب دے دیتا ہے، عزت بڑھا دیتا ہے، مال و دولت دے دیتا ہے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی عجیب بات فرمائی، فرمایا:

اسلمت علی ما اسلفت من الخیر . (مشکوۃ)

[تمہیں جو اسلام کی توفیق ملی ہے یہ تمہارے کفر کے زمانہ میں کئے ہوئے کار خیر کی برکت سے ملی ہے]

اور انہی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں اسلام کی دولت سے مالا مال کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جملہ جوامع الکلم سے ہے۔ ایک چھوٹا سا جملہ ہے اور اسکے معنیٰ بہت وسیع ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ''محمد'':

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ''محمد'' قرآن میں چار جگہ استعمال ہوا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی ''احمد'' قرآن پاک میں صرف ایک جگہ سورۂ صف میں ذکر کیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں ۲۲۷ر مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے خطاب کیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بھی نام لے کر خطاب نہیں کیا، جہاں جہاں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نام آئے بھی ہیں وہ کسی خاص واقعہ کی وجہ سے آئے ہیں۔

قرآن پاک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے مخاطب کیا گیا:

قرآن پاک میں ہر جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے مخاطب کیا گیا، کہیں بھی نام لے کر نہیں پکارا گیا جیسا کہ ﴿یٰـاَیُّھَا الرُّسُلُ﴾ ﴿یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ﴾ ﴿یٰاَیُّھَا الْـمُزَّمِّلُ﴾ ﴿یٰاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ﴾ کبھی ﴿طٰـہٰ مَا اَنْزَلْنَا عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰی﴾ کہیں ﴿یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ﴾ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے قرآن پاک میں ''یا محمد'' کے نام سے نہیں پکارا گیا۔

دیگر انبیاءؑ سے خطاب:

حالانکہ اور جتنے بھی انبیاءؑ کا ذکر قرآن میں کیا گیا ہے ان کو نام لے کر پکارا گیا۔ مثال کے طور پر سب سے پہلے ابوالبشر حضرت آدمؑ کا جب ذکر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو نام لے کر پکارا۔

ارشاد خداوندی ہے: ﴿يٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ﴾ (البقرہ:۳۳) [اے آدم ان چیزوں کے نام گناؤ۔]

﴿يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا﴾ (البقرہ:۳۵) [اے آدم اپنی دلہن کو لے کر جاؤ اور جنت میں مزے کرو، کھاؤ پیو لیکن] ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ [اس درخت کے قریب مت جانا] مفسرین نے فرمایا وہ درخت گندم کا تھا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر آیا تو قرآن میں نام لے کر پکارا گیا ﴿قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ﴾ (الھود:۴۶)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا قرآن میں تو اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو نام لے کر پکارا: ﴿يٰۤاِبْرٰهِيْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا﴾ (الصّٰفّٰت:۱۰۴،۱۰۵) [اے ابراہیم تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھلایا۔]

حضرت داؤد علیہ السلام کو قرآن میں نام لے کر پکارا گیا: ﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِى الْاَرْضِ﴾ (سورۂ صٓ:۲۶)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیا تو اللہ نے حضرت موسیٰؑ کو نام لے کر پکارا:

﴿وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى﴾ (طٰہٰ:۱۷)

حضرت زکریاؑ کا ذکر آیا تو فرمایا:﴿يٰزَكَرِيَّا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ﴾ (المریم:۷)

یحییٰ علیہ السلام کا ذکر کیا تو یحییٰ علیہ السلام کو خطاب دے کر ذکر کیا: ﴿يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ﴾ (المریم:۱۲)

الغرض ہر نبی کو اللہ تعالیٰ نے نام لے کر خطاب کیا، لیکن ہمارے آقا سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا جب بھی تذکرہ فرمایا تو نام لے کر کبھی بھی نہیں پکارا گیا بلکہ ہر جگہ القاب سے ذکر کیا گیا۔

''محمدؐ''، صلی اللہ علیہ وسلم کے معنیٰ:

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا نام ''محمدؐ'' ہے اور محمد کے معنی یہ ہیں کہ جس کی اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات کے اندر، مخلوق کے اندر سب سے زیادہ تعریف کی گئی ہو۔ پوری کائنات میں اللہ تعالیٰ کے بعد اللہ کی مخلوق میں جن کی سب سے زیادہ تعریف کی گئی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت ہے، اس لئے آپ کا نام محمد ہے، اور محمد نام بہت میٹھا ہے۔ کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے ـــــ:

ہے نام میں کتنی شیرینی
لے لو تو لب مل جائے

نام 'محمدؐ' ہے کیسا میٹھا ہونٹو کو بھی لذت ہوتی ہے
جب دل سے کہتے ہیں صل علیٰ اللہ کی رحمت ہوتی ہے

جب ہم لفظ 'محمدؐ' ادا کرتے ہیں تو 'محمدؐ' کے شروع میں لفظ 'م' کو ادا کرتے ہوئے

دونوں ہونٹ خود بخود مل جاتے ہیں، آپ جب 'محمد' صلی اللہ علیہ وسلم کہیں گے تو خود آپ کے ہونٹ بوسہ دیں گے۔

زباں پہ بارِ الٰہا میری کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی لینے سے ہونٹ ملتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے سے دل ملتے ہیں۔

کائنات میں سب سے زیادہ جس شخصیت کی تعریف کا ڈنکا بجا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام جنت سے دنیا میں آئے اور جب دنیا میں آئے تو سیلون (جس کا موجودہ نام سری لنکا ہے) کے علاقہ مالدیب میں اترے، اور حضرت حوّا علیہ السلام جدہ میں اتریں، دونوں الگ الگ جگہ اترے۔ اس لئے بعض روایات میں آتا ہے: جیسے حضرت مولانا بدر عالمؒ نے ترجمان السنہ میں ایک حدیث ابن عساکر، الکنز اور الخصائص الکبریٰ کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لما نزل اٰدم بالھند و استوحش فنزل جبرئیل فنادی باذان اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر مرتین اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ مرتین اشھد ان محمدا رسول اللّٰہ مرتین قال اٰدم لجبریل من محمد قال اٰخر ولدک من الانبیاء.

[آدم علیہ السلام جب ہندوستان میں نازل ہوئے اور تنہائی کی وجہ سے گھبرائے تو جبرئیلؑ تشریف لائے اور آپ نے آکر اذان کہی۔ اللہ اکبر اللہ اکبر دومرتبہ، اشہدان لا الہ الا اللہ دومرتبہ، اشہدان محمدا رسول اللہ دومرتبہ، جب آدم علیہ السلام

نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی سنا تو فرمایا اے جبرئیلؑ یہ محمد کون ہیں؟
جبرئیلؑ نے فرمایا کہ محمد انبیاءؑ میں آپ کے سب سے آخری بیٹے ہیں۔]

تو محترم بھائیو! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت آدمؑ کے اس سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد اس سرزمین پر اللہ کے بعد سب سے پہلے ہمارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی لیا گیا، اللہ کے بعد آپ کی تعریف کا ڈنکا بجا، مخلوقات میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہوئی۔

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے سہو ہوا، تو آپ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے پروردگار! میں آپ کے حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ مجھے معاف کر دیجئے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے جانا؟ میں نے ابھی تک تو انہیں پیدا بھی نہیں کیا؟ تو آدم علیہ السلام نے عرض کیا: میں نے اس طرح جانا کہ جب آپ نے مجھے پیدا کیا اور میرے جسم میں روح پھونکی اور مجھے زندہ کیا تو جیسے ہی میں نے اپنا سر اٹھایا تو عرش کے پیروں پر یوں لکھا ہوا دیکھا:

"لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ"

یہ دیکھتے ہی میں سمجھ گیا کہ آپ نے اپنے مقدس نام کے ساتھ جس کا نام لکھا ہے وہ ضرور آپ کو پوری دنیا سے زیادہ محبوب ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے آدم! آپ نے سچ کہا، یقیناً یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے۔

اور اب جب کہ آپ نے ان کے وسیلہ سے میرے حضور معافی مانگی ہے تو جاؤ

میں نے آپ کو معاف کر دیا، اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں آپ کو پیدا نہ کرتا، اور وہ آپ کی ذریت میں سب سے آخری نبی ہونگے۔

(طبرانی)

اس روایت سے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت معلوم ہوتی ہے وہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا کا قبول ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہم تمام کے گناہوں کو معاف فرماوے اور ہم تمام کی مشکلات کو دور فرماوے اور ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلمکی شفاعت نصیب فرماوے۔ (آمین)

ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حضرت آدمؑ نے فرمایا کہ میں نے عرش پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا دیکھا، پھر میں تمام آسمانوں پر گھوما، تو میں نے آسمانوں پر بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لکھا ہوا دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے مجھے جنت میں رکھا تو میں نے جنت میں کوئی محل ایسا نہیں دیکھا جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک نام لکھا ہوا نہ ہو۔ جنت کی حوروں کے سینے پر اور جنت کے ہر شجر کے پتوں پر اور شجرۂ طوبیٰ پر اور سدرۃ المنتہیٰ کے ہر پتہ پر اور جنت کے دربانوں کے کندھوں پر نیز فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان بھی میں نے محمد صلی اللہ علیہ و سلم کا نام مبارک لکھا ہوا دیکھا۔

(خصائص سیوطی)

ایک دوسری روایت میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صحابہ

نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

قالوا یا رسول اللّٰہ متی وجبت لک النبوۃ قال و اٰدم بین الروح و الجسد.
(مرقاۃ:۱۰/۴۳۹)

آپ کو نبوت کب ملی؟ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے نبوت اس وقت مل گئی تھی جب کہ حضرت آدمؑ ابھی جسم اور روح کے درمیان تھے۔

ایک روایت میں یہ بھی ہے حضرت جابرؓ بیان فرماتے ہیں:

قال بین کتفی اٰدم مکتوب محمد رسول اللّٰہ و خاتم النبیین.

[حضرت آدمؑ کی پشت پر لکھا ہوا تھا: محمد اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں۔]

سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ:

محترم دوستو اور عزیز بھائیو! میری اس گفتگو سے آپ جان گئے ہوں گے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں، آپ کی بعثت کو بعثت عامہ کہتے ہیں، جتنی قومیں اس وقت دنیا میں آباد ہیں اور جتنے مذاہب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا میں موجود تھے یا اب موجود ہیں چاہے وہ کسی نبی کے ماننے والے ہوں کسی شریعت کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہوں اور چاہے وہ کسی بھی دین پر ہوں ان سب پر فرض ہے کہ وہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں اور ہر وہ عقیدہ تسلیم کریں اور مانیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا۔ اب قیامت تک کے لئے ہر قوم، ہر جماعت اور ہر فرد اور ہر علاقہ کے انسان آپ کی امت دعوت میں شامل ہیں۔ قرآن کریم میں سورۂ اعراف میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (الاعراف: ۱۵۸)

آپ فرما دیجئے کہ بیشک میں اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوں تم سب کی طرف تم سب عربوں اور عجمیوں اور کالے اور گورے سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں اور سورۂ سبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا وَّلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ٥
(السبا: ۲۸)

[ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔]

اور خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

والذی نفس محمد بیدہ لا یسمع بی احد من ھذہ الامة یھودی ولا نصرانی ثم یموت ولم یؤمن بالذی ارسلت بہ الا کان من اصحاب النار. **(مسلم شریف)**

[قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے! میرے نبی ہونے کی خبر جس کسی انسان کو بھی پہنچے گی اور وہ اس دین پر ایمان لائے بغیر مر جائے گا جو دین لے کر میں بھیجا گیا ہوں تو وہ ضرور دوزخ والوں میں سے ہوگا چاہے یہودی ہو یا نصرانی۔]

اس حدیث میں خاص طور پر یہودی اور نصرانی کو اس لئے بیان کیا گیا کہ وہ اپنے پاس دین سماوی ہونے کے دعوے دار ہیں، لہذا جب سے آپ مبعوث ہوئے یہودی، نصرانی، فرقہ صائبین اور ہر اہل مذہب کے لئے نجات کا معیار صرف اور صرف حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان

لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بتایا اس سب کو دل سے مانے اور تسلیم کرے، تا کہ وہ قیامت کے دن خوف زدہ اور غمگین نہ ہوں۔

خاتم الانبیاء کا مقام:

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایک آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام شان رسالت کو بڑے اچھے انداز میں بیان فرمایا ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَا اٰتَيْتُكُم مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَاءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ قَالُوْا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَo
(ال عمران:۸۱)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء سے یہ پختہ عہد لیا کہ جب تم میں سے کسی نبی کے بعد دوسرا نبی آئے جو پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہو تو پہلے نبی کے لئے ضروری ہے کہ پچھلے نبی کی سچائی اور نبوت پر خود بھی ایمان لائے اور اس کی ہر ممکن نصرت کرے اور دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرے۔

قرآن کریم کے اس قاعدۂ کلیہ سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس طرح کا عہد انبیاء سابقین سے لیا ہے۔ جس کی تائید کئی احادیث مبارکہ سے بھی ہوتی ہے، علامہ سبکیؒ اپنے رسالہ **"التعظیم و المنه فی لتؤمنن به و لتنصرنه"** میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رسول سے مراد

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کوئی نبی بھی ایسا نہیں گزرا جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات والا ستودہ صفات کے بارے میں تائید ونصرت اور آپ پر ایمان لانے کا عہد نہ لیا ہو اور کوئی بھی ایسا نبی نہیں گزرا جس نے اپنی امت کو آپ پر ایمان لانے اور تائید ونصرت کی وصیت نہ کی ہو۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت انبیاء سابقین کے زمانہ میں ہوتی تو ان سب کے نبی آپ ہی ہوتے اور وہ تمام انبیاء کرام آپ کی امت میں شمار ہوتے اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی حیثیت محض نبی الامت ہی کی نہیں ہے بلکہ آپ کی حیثیت نبی الانبیاء کی بھی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد نبوی ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے تو وہ بھی قرآن کریم اور تمہارے نبی کے احکام پر عمل کریں گے۔

(تفسیر ابن کثیر)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت نبوت عامہ اور شاملہ ہے اور آپ کی شریعت میں سابقہ تمام شریعتیں مدغم ہیں اس بیان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ﴿بعثت الی الناس کافة﴾ کا صحیح مفہوم بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ اس حدیث کا مطلب یہ سمجھنا کہ آپ کی نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے قیامت تک کے لئے ہے، یہ صحیح نہیں۔ بلکہ آپ کی نبوت کا زمانہ اتنا وسیع ہے کہ آدمؑ کی نبوت سے شروع ہوتا ہے۔ جیسا کہ ایک مشہور حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

کنت نبیا و اٰدم بین الروح والجسد.

(مرقاۃ:۱۰/۴۳۹)

اور محشر میں شفاعت کبریٰ کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام اولاد آدم کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء

کی امامت کرانا حضور خاتم النبیین کی سیادت عامہ اور امامت عظمی کے آثار میں سے ہے۔ (معارف القرآن) اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے رسول حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امام الانبیاء سید المرسلین سید الثقلین امام القبلتین ہیں۔

کوئی دیتا تھا بشارت کوئی کرتا تھا دعا
سب نبی آپ کا کرتے ہوئے اقرار آئے
باغ عالم میں عجب تازہ بہار آئی ہے
چہچہے کرتے ہوئے طائر گلزار آئے
لائے تشریف جہاں میں وہ رسولوں کے رسول
بن کے جبرئیل امیں جن کے رضا کار ہوئے

اس لئے دوستو ہم زیادہ سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کی کاپی کریں اور آپ کی نقل کرنے میں ہم اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جائیں گے ان شاء اللہ کل دوسری نشست میں زندگی رہی تو آگے بیان جاری رہے گا۔

آج کا بیان اسی شعر پر ختم کر دیتا ہوں____:

مجھے کیا علم خدا جانے کہ کیا تم ہو
بس اتنا جانتا ہوں محترم بعد از خدا تم ہو

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۲ ﴾

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(قسط دوم)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف کے ۴۰ سال مکہ مکرمہ میں سب کے سامنے اس طرح گزرے کہ کسی سے نہ ایک حرف پڑھا نہ سیکھا۔ٹھیک چالیس سال کی عمر ہونے پر یکا یک آپ کی زبان مبارک پر وہ کلام جاری ہوا جس کے ایک چھوٹے سے چھوٹے ٹکڑے کی مثال لانے سے ساری دنیا عاجز ہے اور اس دور میں آج کی طرح وسائل نہیں تھے۔ایسی حالت میں آپ کا امی ہونا اور علوم و معارف کے چشمے جاری ہونا آپ کے رسول فضل من اللہ ہونے کی بین دلیل ہے۔اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر ایک بڑی دلیل و شہادت ہے۔

﴿ ۲ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(قسط دوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَہٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَھُمْ فِی التَّوْرٰۃِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُھُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰھُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ

(الاعراف:۱۵۷)

ترجمہ: [(اور میری رحمت کے مستحق) وہ لوگ ہیں جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نبی امی کی پیروی کریں گے، جس کو وہ اپنے ہاں توریت وانجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو ان کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے، اور ان کو بری باتوں سے روکتا ہے۔]

(تفسیر حقانی)

صدق الله مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد للّٰه رب العالمین۔

بزرگو اور دوستو! گذشتہ کل میں نے بیان کیا تھا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کس طرح فرمایا ہے؟ نیز بیان میں یہ بھی بتایا گیا تھا کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں میں نام احمد تھا اور پھر جب دنیا میں تشریف لائے تو آپ کا نام محمد رکھا گیا اور قیامت میں اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقام محمود عطا فرمائیں گے۔

خطبہ میں میں نے آپ حضرات کے سامنے جو آیت کریمہ تلاوت فرمائی اس میں اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف بیان فرمائی ہے؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی بھی تعریف ذکر کی ہے۔ اسی طرح تمام انبیاء کرامؑ کے زمانہ اور ان کے دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور ذکر و توصیف کا بیان بھی مذکور ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کا مقام:

حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کس طرح کی گئی اس کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، صرف اور صرف تمام ایمان والوں کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بہت اونچا مقام عطا فرمایا تھا اور روایات کے موافق حضرت ابراہیمؑ کی نسل سے ہزاروں انبیاءؑ اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائے۔ جتنے نبی بنی اسرائیل میں آئے وہ سارے حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوئے اور اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت

اسماعیل علیہ السلام کے دور کا کیا تذکرہ کروں، بس یہ کافی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کو مکمل بنا دیا، آپ سب کو معلوم ہے کہ اسی مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ماں ہاجرہ اور ننھے بیٹے اسماعیل کو چھوڑا تھا، پانی ختم ہو گیا، توشہ ختم ہو گیا، کچھ بچا نہیں اور اسماعیل پیاس کی وجہ سے تڑپ رہے تھے اور ماں ہاجرہ صفا اور مروہ کا چکر لگا رہی تھیں کہ کہیں سے پانی مل جائے اور اسماعیل کو پلا دوں۔ ماں ہاجرہ کہہ رہی تھیں کہ میرا بچہ تڑپ تڑپ کر جان دے دے گا، مر جائے گا اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ہاجرہ گھبراؤ مت اس کے پیروں سے زمزم جاری کر دوں گا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پانی پیئے گی۔

چھری کیسے ذبح کر سکتی ہے؟

پھر جب حضرت اسماعیلؑ بڑے ہو گئے تو ذبح کا مسئلہ آیا، یہ قصہ بھی آپ سب جانتے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام بھی تیار ہو گئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تیار ہو گئے، قرآن پاک میں دونوں کا تذکرہ فرمایا گیا ہے کہ باپ بیٹا دونوں تیار ہو گئے۔ ابراہیم علیہ السلام چاہتے تھے کہ بیٹے کو ذبح کر دیں اور اسماعیل علیہ السلام چاہتے تھے کہ ذبح ہو جاؤں لیکن اللہ تعالیٰ یہ چاہتے تھے کہ ان کی پشت سے محمد رَّسول اللہ پیدا کروں گا تو چھری ان کو کیسے ذبح کر سکتی ہے اور پھر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انی دعوة ابراهيم و بشارة عيسىٰ و رؤيا امی

کہ میں اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کو بنانے کے بعد دعا مانگی۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ. رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ.

(البقرہ:۱۲۸،۱۲۹)

اے میرے رب میری اولاد میں سے ایک نبی کو پیدا فرما جوان کو تیری آیات پڑھ کر سنائے، حکمت کی باتیں سکھائے، قلوب کا تزکیہ کرے، اللہ کی آیات کا مفہوم ان کو سمجھائے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا قبول فرمالی، اس کا ظہور تقریباً چار ہزار سال بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ہوا۔

چار ہزار سال بعد دعا کا ظہور:

ایک دعا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبۃ اللہ کو بنا کر مانگی جس کا چار ہزار سال بعد ظہور ہوا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شب معراج میں ہوئی۔ اور ایک دعا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبۃ اللہ کا غلاف پکڑ کر مانگی کہ اے اللہ جیسا ابراہیمؑ نے مجھے مانگا، میں تجھ سے مانگتا ہوں یا تو عمرو بن ہشام کی جوانی اور اس کی طاقت کو اسلام کے لئے دے دے یا عمر ابن الخطاب کی غیرت اور جوانی اپنے اسلام کے لئے دے دے۔ رات کو دعا کی اور دوسرے دن دعا کا ظہور ہوا۔ حضرت عمر فاروق ؓ مشرف بہ اسلام ہو گئے، دوسرے دن ملاقات ہوگئی۔

حضرت عمرؓ مرادِ رسول ہیں:

حضرت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے کسی نے پوچھا کہ ابوبکرؓ اور عمر فاروق ؓ میں

فرق کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ مت کہو بلکہ یوں کہو کہ عمرؓ میں اور تمام صحابہ ؓ میں فرق کیا ہے؟ اس کے بعد فرمایا کہ تمام صحابہؓ مرید رسول ہیں جب کہ عمرؓ مراد رسول ہیں۔ عمر ؓ کو تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے خود مانگا ہے اور مانگی ہوئی چیز محبوب ہوتی ہے۔

امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت ابراہیمؑ کی دعا:

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں بھی آپ کا تذکرہ موجود تھا۔ ایک عربی کی کتاب ’حکایت قلیوبی‘ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے فضائل اور مناقب کو دیکھا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے پروردگار میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، اللہ نے فرمایا کہ ابراہیم! تو کیسے دعوت کرسکتا ہے، وہ تو تمہارے کئی ہزار سال بعد آئیں گے۔

آواز لگانا آپ کا کام ہے، پہونچانا میرا کام ہے:

جیسا کہ کعبۃ اللہ کے مکمل ہونے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ اے ابراہیم مکہ کے جبل ابوقبیس پر کھڑے ہوکر اعلان کردو کہ اے لوگو میں نے اللہ کا گھر بنا دیا ہے، آجاؤ پیدل بھی اور سواری میں بھی حج کرنے کے لئے، وہاں ابراہیم علیہ السلام نے یہ سوال کیا تھا کہ اے اللہ اتنی دور تک میری آواز کیسے پہنچے گی؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اے ابراہیم آواز لگانا تمہارا کام ہے پہونچانا میرا کام ہے۔ تو یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ اے اللہ دعوت کی دعا کرنا اور خواہش کرنا میرا کام ہے، پورا کرنا تو تیرے ہاتھ میں ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی برکت سے نمک:

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول کرتے ہوئے حضرت جبرئیلؑ سے کہا: کہ جا کر جنت سے ایک مٹھی کافور بھر کر جبل ابوقبیس پر رکھ دو اور پھر کہا کہ ہوا چلاؤ، دنیا کے اندر اس کافور کو پھیلا دو، سمندروں کے اندر یہ کافور پہونچا تو نمک بن گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نمک ابراہیمؑ کی طرف سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے دعوت ہے۔ آپ بہترین سے بہترین چکن بناویں، بہترین غذائیں تیار کرلیں لیکن جب تک نمک نہیں ڈالیں گے اس میں کوئی مزا نہیں آئے گا حالانکہ قیمت میں بہت سستا لیکن یہ کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا ہے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں بھی ہے۔

(حکایت قلیوبی)

نبی امی کی بشارت:

خطبہ میں میں نے جو آیت تلاوت کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْل

(الاعراف: ۱۵۷)

وہ رسول جن کا لقب امی ہے، جن کا ذکر پاتے ہو تم توریت اور انجیل میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر توریت میں بھی ہے اور انجیل میں بھی ہے اور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہی نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کا تذکرہ بھی توریت اور انجیل کے اندر تھا۔ قرآن اس کی گواہی دیتا ہے:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ

تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ

ترجمہ:[محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جولوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (صحابہ کی جماعت) وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں (اور) آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب! تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کررہے ہیں کبھی سجدہ کررہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان (کی عبدیت) کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ (جو) ان کے اوصاف (مذکور ہوئے) توریت میں ہیں اور انجیل میں۔]

﴿وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ سے مراد حضرات صحابہ کرامؓ ہیں۔ آج کی اس مختصر مجلس میں دو تین احادیث توریت کے حوالے سے آپ کو سنا دیتا ہوں۔ بعض روایات تو وہ ہیں جن کو امام بخاریؒ نے بھی نقل کیا ہے اور بعض روایات وہ ہیں جن کو امام بیہقیؒ نے دلائل النبوۃ کے اندر نقل کیا ہے۔ ان احادیث کے بیان کرنے سے قبل آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب 'امی' کے بارے میں چند باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

امی کے معنیٰ:

امی کسے کہتے ہیں؟ امی اصل ام سے نکلا ہے۔ ام کے معنی جو کسی چیز کی اصل ہوتی ہے اس سے کوئی دوسری چیز نکلتی ہے، اسے ام کہتے ہیں۔ جب کوئی بچہ ماں کے پیٹ

سے پیدا ہوتا ہے تو اس وقت ناخواندہ ہوتا ہے جیسے قرآن میں فرمایا:

وَاللّٰہُ اَخۡرَجَکُم مِّنۡ بُطُوۡنِ اُمَّھٰتِکُمۡ لاَ تَعۡلَمُوۡنَ شَیۡئًا (النحل: ۷۸)

[اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی جانتے نہ تھے۔]

(بیان القرآن)

اس اعتبار سے نوزائیدہ بچے کو بھی امی کہہ سکتے ہیں۔

۱...... چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کسی شخص سے لکھنا پڑھنا سیکھا نہیں تھا اس لئے آپ کا لقب امی تھا۔

۲......دوسری وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امی کہنے کی علماء نے یہ بھی لکھی ہے کہ پوری عرب قوم کا لقب بھی امی تھا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو امیین کہا گیا ہے:

ھُوَ الَّذِیۡ بَعَثَ فِی الۡاُمِّیّٖنَ رَسُوۡلاً مِّنۡھُمۡ (الجمعه: ۲)

[وہ وہی ذات ہے جس نے امیوں میں انہیں میں سے (عظیم الشان) رسول مبعوث فرمایا۔]

۳......تیسری وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امی لقب اس لحاظ سے بھی درست ہے کہ آپ ام القریٰ کے رہنے والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں داخل ہے کہ آپ مکہ اور قرب وجوار کے لوگوں کو اسلام کی تعلیم دیں، جیسے فرمایا گیا:

لِتُنۡذِرَ اُمَّ الۡقُرٰی وَمَنۡ حَوۡلَھَا (الانعام: ۹۲)

[تاکہ آپ مکہ والوں کو اور اس کے آس پاس والوں کو ڈرائیں۔]

ام القریٰ مکہ کو کہتے ہیں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور اس کے اردگرد والوں کو

ڈرائیے، اور یہ مبارک لقب ’امی‘ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلی تمام کتابوں میں اور صحائف میں موجود تھا۔ چنانچہ شعیبؑ کے صحیفے میں تھا:

انی ابعث امیاً فی الامیین.

[اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ میں امیوں میں ایک امی رسول بھیجوں گا۔] اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ صحف شعیبؑ میں تھا اور دوسرا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب امی تھا۔ اسی طرح کی پیشین گوئیاں تورات، انجیل و دیگر کتب میں بھی موجود تھیں حتیٰ کہ آج کی محرف شدہ بائبل، تورات اور انجیل میں بھی نبی امی کے متعلق پیشین گوئیاں موجود تھیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِیْلِ

(الاعراف:۱۵۷)

فرمایا: وہ نبی امی جس کو اہل کتاب تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ آپ کا لقب سابقہ کتب سماویہ میں بھی موجود تھا، جسے بد بخت یہود اور نصاریٰ نے تبدیل کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تورات اور انجیل میں پیشین گوئی پچھلی صدی تک موجود تھی کہ وہ فاران کی چوٹیوں سے دس ہزار قدسیوں کی جماعت کے ساتھ جلوہ گر ہوگا، اس کے دائیں ہاتھ میں آتشی شریعت ہوگی، وہ دنیا کی اقوام سے محبت کرنے والا ہوگا، دنیا کی یہ اقوام اس کے قدموں میں اکٹھی کی جائیں گی۔ جب یہود و نصاریٰ کو پتہ چلا کہ نبی آخر الزماں دس ہزار صحابہ کی جماعت کے ساتھ فتح مکہ کے دن مکہ معظّمہ جلوہ افروز ہوئے تو ظالم سمجھ گئے کہ اس سے تو آپ کی نبوت

ورسالت کی تصدیق ہوتی ہے مگر وہ انکار کر چکے تھے۔لہذا انہوں نے دس ہزار کے الفاظ کو تبدیل کر کے اس کی جگہ لاکھوں قدسیوں کے الفاظ لکھ دئے۔غرض میں آپ کو'امی' کا مطلب سمجھا رہا تھا، بات ذرا لمبی ہوگئی مگر کام کی بات تھی۔اب حاصل مطلب جو کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ امی کے تین معنی ہوئے۔ان پڑھ کے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو، اور ان پڑھ ہونا ہمارے تمہارے لئے صفت مدح نہیں بلکہ ایک عیب سمجھا جاتا ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف کے خزانہ کی وجہ سے آپ کے لئے بڑی صفت کمال بن گئی ہے۔اصل میں نبی کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھتا نہیں، نبی کو اللہ تعالیٰ بلا واسطہ علم سکھاتا ہے، نبی کو اللہ تعالیٰ دنیا میں کسی کا شاگرد نہیں بناتا ہے جیسے قرآن کریم میں فرمایا:

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ وَ کَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا.

(النساء:۱۱۳)

[اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم سکھلایا جس کو آپ جانتے نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔]

کہیں فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ. عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ.

[رحمان نے آپ کو قرآن سکھلایا۔] بلکہ حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ محدث کبیر کی تحقیق تو یہ ہے کہ ہر نبی امی ہوتا ہے، چنانچہ ہمارے دور کے ایک بہترین مفسرِ قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب مدظلہ العالی نے اپنی تفسیر میں ایک حدیث نقل کی ہے: کہ قیامت کے دن سارے نبیوں کو نور کے منبروں پر بٹھایا جائے گا اور ایک منبر سب سے بلند وسب سے زیادہ نورانی ہوگا۔پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے

کہ تمام نبیوں میں امی نبی کون ہیں؟ اس پر تمام انبیاءؑ کہیں گے ہم امی نبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وہ امی نبی جو عربی اور جو احمد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر میں اپنے آپ کو پیش کر دوں گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا عیب نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی مدح ہے:

اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب اگلی کتابوں اور صحائف میں امی تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ بھی ملتا ہے۔ حقیقت میں امی کا لقب یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت بڑا اعجاز اور بڑے کمالات کی صفت بن گیا۔ ہمارے حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے اپنی تفسیر میں بڑی عجیب بات تحریر فرمائی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے امی کا لقب وصفت عیب نہیں بلکہ اعلیٰ درجہ کی مدح ہے کیونکہ کسی صاحب کا علمی، عملی، اخلاقی کمالات سے متصف وظاہر ہونا اس کی تعلیم کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن امی سے ایسے بیش بہا علوم و بے نظیر حقائق و معارف، اسرار و نکات اور اعلیٰ درجہ کے اخلاق کا صادر ہونا ایک ایسا کھلم کھلا معجزہ ہے جس کی نظیر ومثال پیش کرنے سے دنیا عاجز ہے خصوصاً جب کہ آپ کی عمر شریف کے ۴۰ رسال مکہ مکرمہ میں سب کے سامنے اس طرح گزرے کہ کسی سے نہ ایک حرف پڑھا نہ سیکھا، ٹھیک چالیس سال کی عمر ہونے پر یکا یک آپ کی زبان مبارک پر وہ کلام جاری ہوا جس کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی مثال لانے سے ساری دنیا عاجز ہے اور اس دور میں آج کی طرح وسائل نہیں تھے، نہ پریس تھا نہ ٹیلیفون اور فیکس تھے، کہ چلو کہیں کتابیں آ گئی، علوم حاصل ہو گئے۔ ایسا کوئی رابطہ نہیں تھا، ایسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا امی ہونا اور ایسے علوم و معارف کے

چشمے جاری ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول فضل من اللہ ہونے کی بین دلیل ہے اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے پر ایک بہت بڑی دلیل اور شہادت ہے۔اس لئے امی ہونا اگر چہ ہمارے لئے صفت مدح نہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت بڑی صفت مدح وکمال ہے جیسے متکبر کا لفظ عام انسان کے لئے صفت مدح نہیں بلکہ عیب ہے مگر اللہ تعالیٰ شانہ کے لئے خصوصیت سے صفت مدح ہے۔ان ساری باتوں کو شیخ سعدیؒ نے ایک ہی مصرعہ میں بیان کردیا،خوب بیان کیا،فرماتے ہیں:

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

کسی نے بہت خوب کہا ہے:

ہے لقب امی و لیکن جس طرف بھی دیکھئے
ان سے روشن عقل و دل، دین و سیاست، علم و فن
آئینہ بن کر ملے تھے جب حراء میں جبرئیل
آشکارا ہو گیا تھا سرِّ علمِ مِنْ لَّدُن

اب آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری حدیث سنئے۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر:

ایک حدیث تو یہ ہے کہ ایک یہودی بچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، دودھ وغیرہ لایا کرتا تھا، اس کا باپ دودھ فروش تھا۔ایک مرتبہ وہ بچہ بیمار ہو گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی دن تک آیا نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ وہ یہودی کا بچہ جو تھا، دودھ وغیرہ لایا کرتا تھا، کئی دن سے نظر نہیں آرہا، کیا بات ہے؟ تو بتایا

گیا کہ وہ تو بیمار ہے، بستر پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود اس بچے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ جب اس بچے کے پاس پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اس کا باپ تورات لے کر بیٹھا ہوا ہے چونکہ ان کی تو مذہبی کتاب تورات تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بچے کے باپ سے کہا کہ تمہاری تورات کے اندر میرا ذکر بھی ہے، میری تعریف بھی ہے، میری صفات بھی ہیں؟ تو اس بچے کے باپ نے جھوٹ بولا اور کہا کہ تورات کے اندر تمہارا کوئی تذکرہ اور ذکر نہیں ہے۔ اس چھوٹے بچے نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ و سلم سے کہا کہ میرا باپ جھوٹ بول رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور ذکر توریت کے اندر موجود ہے اور اس کے بعد اس بچے نے تورات کھول کر وہ مقامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے اور کہا کہ یہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور تذکرہ اور پھر بولا کہ توریت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو کچھ فرمایا گیا ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ تمام صفات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر موجود ہیں جو توریت میں لکھی گئی ہیں، اس کے بعد اس بچے کا انتقال ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بچے کا مسلمان ہونے کی حالت میں انتقال ہوا ہے، لہذا اس کا کفن دفن مسلمانوں کے طریقے پر کریں گے۔

(معارف القرآن)

دوسری حدیث:

اسی طرح حضرت علیؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک یہودی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قرض لیا، قرض ادا کرنے کی جو تاریخ اور میعاد مقرر کی گئی تھی اس سے پہلے وہ آیا کہ لاؤ میرا قرض دے دو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اتنی جلدی

آ گئے ہو، ابھی تمہارے کئے ہوئے وعدے کی تاریخ میں دیر ہے۔ اس نے کہا کہ میں وعدہ وغیرہ کچھ نہیں جانتا مجھے ابھی روپے چاہئے ورنہ میں اپنے قرض کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قید بھی کر سکتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ کر لے گیا اور اپنی جگہ پر بٹھا دیا۔ اس شخص نے آپ کو ظہر کی نماز سے لے کر دوسرے دن صبح کی نماز تک بٹھائے رکھا۔ صحابہ کرامؓ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کس قدر عاشق اور خادم تھے، وہ اس کو کیسے برداشت کر سکتے تھے؟ جب صحابہ ؓ کو معلوم ہوا تو ان کو بہت غصہ آیا، اس یہودی کو ڈرانے دھمکانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو صحابہؓ سے فرمایا کہ یہ تم کیا کر رہے ہو؟ اس کو کیوں ڈراتے ہو؟ اس کا قرض میں نے ادا کرنا ہے، اس کے ساتھ نرمی کا رویہ رکھو اور تم انتظام کرو قرض ادا کرنے کا۔ مجھے اپنے رب نے اپنے کسی معاہد سے برا سلوک کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ جب اس یہودی نے یہ سنا تو اس وقت اس نے کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّااللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

میں ایمان لاتا ہوں اللہ پر اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول اور نبی ہیں اور پھر کہا کہ میں نے صرف امتحان لینے کے لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے ایسا کیا تھا، ہماری توریت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات لکھی ہوئی تھیں اور پھر کہا کہ میں نے توریت میں پڑھا ہے کہ محمد بن عبداللہ کی ولادت مکہ میں ہوگی اور ہجرت مدینہ طیبہ کی طرف کریں گے اور ملک ان کا شام ہوگا، نہ سختیاں کرنے والے ہوں گے، نہ بازاروں میں شور وشغف کرنے والے ہوں گے، نہ بد خلق ہوں گے اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں بلکہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیں گے، معاف

کر دینے والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات نہیں دیں گے جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو ایمان کی روشنی اور نور عطا نہ فرما دیں۔ اور بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ولادت مکہ ہوگی اور جائے ہجرت مدینہ طیبہ ہوگی۔

تو وہ یہودی ایمان لے آیا اور مشرف باسلام ہو گیا، اور وہ بہت مال و دولت والا تھا، اس نے کہا کہ میں اپنے مال میں سے آدھا مال صدقہ کر دیتا ہوں، اس نے اپنے مال کا بہت بڑا حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔

تیسری حدیث:

اس روایت کو علامہ سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں نقل کیا ہے، کہ عرب کی ایک جماعت دریا میں تجارت کی غرض سے سفر کر رہی تھی، دوران سفر طوفان آیا اور کشتی ٹوٹ گئی، صرف ایک تختے کے ذریعہ سے ایک جزیرہ پر پہنچ گئے۔ جب اس جزیرہ پر پہنچے، اس شہر میں پہنچے تو وہاں کے لوگوں نے کہا کہ یہ اجنبی لوگ آئے ہیں، پریشان حال مسافروں کی خدمت کی اور ان کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے اور بادشاہ نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا کہ ہم عرب سے آئے ہیں۔ بادشاہ نے پوچھا تمہارے اندر کسی شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ہاں! ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ کہا اس کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ بادشاہ نے کہا اچھا ٹھہرو، اس نے ایک صندوق نکالی، اس صندوق میں سے ایک ریشمی رومال نکالا اور اس کے اوپر ایک تصویر بنی ہوئی تھی اور پوچھا کہ بتلاؤ یہ تمہارے نبی کی تصویر تو نہیں ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ

نہیں! یہ ہمارے نبی کی تصویر نہیں ہے۔ایک دوسرا رومال نکالا، اس پر بھی ایک تصویر بنی ہوئی تھی، پوچھا کہ یہ تمہارے نبی کی تصویر ہے؟ جواب دیا کہ نہیں؟ بادشاہ نے اس رومال کو بھی رکھ دیا۔ایک اور رومال نکالا اور پوچھا کہ یہ کس کی تصویر ہے، یہ تمہارے نبی کی تصویر ہے؟ جواب دیا کہ نہیں، یہ ہمارے نبی کی تصویر نہیں ہے۔بادشاہ نے کہا کہ میں جانتا تھا کہ تمہارے نبی کی تصویر نہیں ہے بلکہ آدم علیہ السلام اور نوح علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام کی تصویریں ہیں، بادشاہ نے ایک اور رومال نکالا اور کہا بتاؤ یہ کس کی تصویر ہے؟ جواب دیا کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصویر ہے۔اس کے بعد بادشاہ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ اور حضرت عمرؓ کی تصویریں دکھائیں کہ دیکھو ان کی وفات کے بعد یہ خلیفہ ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد یہ خلیفہ ہوں گے۔ کہتے ہیں کہ ان کے پاس خزانۂ دانیال علیہ السلام سے یہ تبرکات چلے آرہے تھے۔

(خصائص کبریٰ بحوالہ ملفوظات مفتی محمود حسن گنگوہیؒ)

لہٰذا توریت میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے۔اب دیکھئے توریت میں کیسی واضح اور بیّن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات ذکر کی گئی ہیں۔

تبّع شاہ یمن کا چار سو علماء کے ساتھ مدینہ سے گذرنا:

حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ پاکستان میں بہت بڑے عالم دین گذرے ہیں، انہوں نے بڑی حدیثوں کی کتاب لکھی ہیں۔آپ نے سیرت کی ایک کتاب لکھی ہے جو صفحات کے لحاظ سے بھی بہت ضخیم ہے، آپ نے اس کتاب میں بہت معتبر احادیث نقل کی ہیں اور ہر حدیث مع حوالہ لکھی ہے۔اس کا نام ہے 'سیرت مصطفیٰ' اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔اس کتاب میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و

سلم کی پیدائش سے چارسو، پانچ سوسال پہلے، یمن میں تبّع نامی ایک بادشاہ گذرا ہے، ایک مرتبہ اس کا گذر مدینہ سے ہو، اور اس کے ساتھ بہت بڑا قافلہ تھا، جس میں توریت کے جاننے والے چارسو علماء بھی تھے، انہوں نے دیکھا کہ کھجور کے درخت ہیں، کھجورستان ہے، انہوں نے اپنی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں پڑھی تھیں کہ جائے ولادت مکہ ہوگی اور جائے ہجرت مدینہ طیبہ ہوگی، ساری نشانیاں دیکھ کر چارسو علماء نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہی وہ جگہ ہے کہ یہاں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف لائیں گے۔ لہذا ہم یہی چاہتے ہیں کہ یہیں ڈیرے ڈال دیں، یمن جانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ وہ ہجرت کر کے یہاں آئیں گے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ و سلم پر ایمان لائیں گے۔

چارسو علماء کی تصدیق:

چارسو علماء اس پر متفق ہو گئے۔ ان کا ایک صدر تھا، صدر نے بادشاہ کے سامنے اس مشورے کو پیش کر دیا کہ آپ واپس جانا چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیں، ہماری تو یہی جگہ ہے، ہم یہاں بسیرا ڈالنا چاہتے ہیں۔ بادشاہ پریشان ہوا اور بولا کہ کیا بات ہے؟ مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے؟ مجھ سے کوئی ناراضگی ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہم آپ سے ناراض نہیں ہیں بلکہ بات یہ ہے توریت میں نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نشانیاں بتائی گئی ہیں اور ان کی جو جائے ہجرت بتائی گئی ہے وہ یہی جگہ ہے، لہذا وہ ہجرت کر کے یہاں تشریف لائیں گے اور ہم ان پر ایمان لانا چاہتے ہیں، اور ان کے ساتھی بننا چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ اچھا یہی بات ہے تو تم شوق سے رہو اور ہر ایک کے لئے اس نے

ایک ایک مکان بنادیا، ہر ایک کو مال و دولت دیا اور سب کے نکاح کرائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مکان:

اور ایک مکان خاص حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تیار کرایا کہ جب نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے یہاں تشریف لائیں تو اس مکان میں قیام فرمائیں۔

تبّع کا خط:

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام اور آپ کی زیارت و دیدار کا اشتیاق ظاہر کیا، خط کا مضمون یہ تھا ـــــــ:

شھدت علی احمد انہ رسول من اللّٰہ باری النسم

[میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد مجتبیٰ احمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے برحق رسول ہیں]

فلو مد عمری الی عمرہ لکنت وزیراً لہ وابن عم

[اگر میری عمر ان کی عمر تک پہنچی تو میں ضرور ان کا معین و مددگار بنوں گا]

و جاھدت بالسیف اعدائہ و فرجت عن صدرہ کل غم

[اور تلوار لے کر آپ کے دشمنوں سے جہاد کروں گا اور آپ کے دل سے ہر غم دور کروں گا]

تبّع نے اس خط پر ایک مہر لگائی اور ایک عالم کے حوالے کیا کہ اگر تم ان نبی آخر الزماں کا زمانہ پاؤ تو یہ میرا عریضہ پیش کر دینا ورنہ اپنی اولاد کو یہ خط سپرد کر کے یہ وصیت کر دینا جو میں تم کو کر رہا ہوں۔

(سیرت مصطفیٰ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے انصار مدینہ کی بے تابی:

آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو آپ کی روانگی کی خبر مدینہ منورہ پہنچ چکی تھی، مدینہ والوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا پرتپاک استقبال کیا۔ مدینہ کا ہر فرد بشر شوق دیدار میں مقام حرہ پر آ کر کھڑا ہو جاتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا انتظار کرتے۔ جب مایوس ہوتے تو گھر لوٹ جاتے، روزانہ یہی معمول تھا، ایک روز انتظار کر کے واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے ٹیلہ پر سے آپ کو رونق افروز ہوتے دیکھا تو وہ بے اختیار پکار اٹھا جن کا تم کو انتظار ہے وہ تشریف لے آئے۔

یا بنی قیلۃ ھذا اجدکم

[اے بنی قیلہ تمہاری خوش نصیبی تمہیں مبارک ہو، تمہاری خوش نصیبی کا سامان آ گیا۔]

اس خبر کا کانوں میں پڑنا تھا کہ مدینہ منورہ والے انصار والہانہ اور بے تابانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے اور نعرہ تکبیر سے پوری آبادی گونج اٹھی۔

اہل مدینہ خوشی سے جھوم اٹھے:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو چھوٹے بڑے خوشی سے جھوم اٹھے اور فرط مسرت میں ترانے پڑھ رہے تھے، ترانے کے بول تھے ____ :

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع
ایھا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

ا......چودھویں رات کا چاند ہم پر ظاہر ہوا (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے) ان گھاٹیوں سے جہاں تک اہل مدینہ مسافروں کو رخصت کرنے جایا کرتے تھے۔

۲......ہم پر شکر کرنا واجب ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والا بلاتا رہے۔

۳......اے نبی جو ہم میں آپ تشریف لائے ہیں آپ ایسا حکم لے کر آئے ہیں کہ اس کی اطاعت ضروری ہے۔

اہل مدینہ نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر اپنے جذبات کو اس ترانے میں اتار دیا، کیا بہترین جذبات تھے!! کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پوری دنیا تھی اور لوگوں نے بھی دعوت دی لیکن یہ ہماری خوش قسمتی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے یہاں تشریف لے آئے۔اب ہم صرف زبانی دعویٰ نہیں کریں گے بلکہ اب ہم پر واجب ہو گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک اشارے پر اپنا سب کچھ قربان کر دیں، اللہ کے نبی کی آمد پر اول ہی اہل مدینہ نے اللہ کے نبی کی ہر بات کو ماننے کا وعدہ کر لیا۔

اور ہر شخص کی تمنا اور آرزو یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مہمان بنیں اور میرے غریب خانہ پر قیام فرمائیں۔ ہر طرف سے یہی والہانہ اور عاشقانہ استدعا تھی کہ یا رسول اللہ! یہ غریب خانہ حاضر ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعا دیتے۔

ناقہ من جانب اللہ مامور ہے:

اور فرماتے یہ ناقہ من جانب اللہ مامور ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیٹھ جائے گی وہیں قیام کروں گا۔لگام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ڈھیلا چھوڑ دیا تھا، کسی

جانب لگام کو دست مبارک سے حرکت نہیں دیتے تھے۔

صحیح بخاری میں حضرت براء بن عازبؓ سے منقول ہے کہ میں نے اہل مدینہ کو کسی چیز سے اتنا خوش ہوتے نہیں دیکھا جتنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خوش ہوتے دیکھا۔ سنن ابوداؤد میں حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو حبشیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی مسرت میں نیزہ بازی کے کرتب دکھائے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ کا ذرہ ذرہ روشن تھا۔ جس روز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس روز ہر چیز تاریک تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر شریف میں رکھ کر مٹی سے ہاتھ جھاڑنے بھی نہیں پائے تھے کہ ہم نے اپنے دلوں میں تغیر پایا۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مقدر جاگ اٹھا:

غرض اونٹنی اسی شان سے چل رہی تھی اور انصار صحابہ آپ کے اردگرد چل رہے تھے، بالآخر اونٹنی ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر جا کر رک گئی اور وہاں بیٹھ گئی۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ دوڑے دوڑے آئے اور بے حد خوش ہوئے اور فرمایا کہ آج میرا مقدر جاگ اٹھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے مہمان بنے ہیں۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ اسی عالم کی اولاد میں سے ہیں جن کو تبّع شاہ یمن نے خط دیا تھا، اور یہ مکان بھی وہی مکان تھا جس کو تبّع شاہ یمن نے اسی نیت اور مقصد سے تعمیر کرایا تھا کہ جب نبی آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے تشریف

لائیں تو اس مکان میں اتریں، اور بقیہ انصار ان چار سو علماء کی اولاد سے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہی مکان میں اترے:

شیخ زین الدین مراغی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں نہیں اترے بلکہ اپنے مکان میں اترے تو بے جا نہ ہوگا؛ اس لئے کہ یہ مکان تو اصل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے تیار کرایا گیا تھا۔ ابو ایوبؓ کا قیام تو اس مکان میں محض آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ابو ایوبؓ نے وہ عریضہ اور خط جس میں وہ اشعار لکھے ہوئے تھے، تبّع کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔

خلاصۂ کلام:

معلوم ہوا کہ توریت کے اندر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجود ہے۔ تورات کے اندر اور بھی بہت سی باتیں ہیں۔ ان شاء اللہ آئندہ مجلس میں انجیل کا تذکرہ بھی آئے گا۔ آج کی مجلس یہیں پر ختم کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم تمام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی پکی محبت کرنے والا بناوے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک سنت کو زندگی میں جاری وساری کرنے والا بناوے، قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے حوض کوثر کا جام پینا نصیب فرماوے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۳ ﴾

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(قسط سوم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة'' [جو جگہ میرے حجرہ اور میرے منبر کے درمیان ہے وہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔] تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہاں سوئے ہوئے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مٹی کہاں سے ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مٹی کہاں سے ہے جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی ہے۔

﴿ ۳ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(قسط سوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ ھُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْھُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ.

(البقرہ:۱۴۶)

ترجمہ: [جن لوگوں کو ہم نے کتاب (توراۃ وانجیل) دی ہے وہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (ان کی صورت سے) پہچانتے ہیں، اور بعضے ان میں سے امر واقعی کو باوجودیکہ خوب جانتے ہیں (مگر) اخفاء کرتے ہیں۔] (بیان القرآن)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

بزرگان محترم! ہماری مسلسل گفتگو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ سیرت وکردار پر چل رہی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے۔اس سے قبل کی مجالس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء گرامی، مختلف انبیاء کرامؑ کے ادوار میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرۂ مبارکہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت پر چند احادیث مبارکہ، اور تورات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک بیان کیا گیا تھا۔آج کی مجلس میں ان شاء اللہ انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکرۂ مبارکہ پر روشنی ڈالوں گا، اور آج کی مجلس میں اس موضوع کو ختم کر کے ان شاء اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن اوصاف پر بات شروع کریں گے جو قرآن پاک میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

اہل کتاب کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننا:

قرآن پاک میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے دعویٰ کیا کہ اہل کتاب جو ہیں یہود و نصاریٰ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پہچانتے ہیں ﴿كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاءَ هُمْ﴾ جیسے کہ اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ بلکہ یہاں میں یہ کہوں گا کہ اپنی اولاد کے بارے میں انہیں شک ہوسکتا تھا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول بنائے جانے میں انہیں بالکل بھی شک نہیں تھا۔اللہ تعالیٰ نے یہاں جو تشبیہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے نبی ہونے کو ایسا جانتے ہیں جیسے اپنے بچوں کو جانتے ہیں، اس پر مفسرین کرام نے بہت عمدہ نکتہ بیان کیا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جیسے بچے اپنے ماں باپ کو پہچانتے ہیں، اس میں نکتہ یہ ہے کہ ماں باپ کی پہچان اپنے بچوں کے لئے سب سے زیادہ تفصیلی ویقینی ہوتی ہے، بچوں کے بدن کا ہر

حصہ ماں باپ کے سامنے آتا رہتا ہے، وہ بچپن سے لے کر جوانی تک ان کے ہاتھوں اور گودوں میں پرورش پاتے ہیں، اس لئے وہ جتنا اپنی اولاد کو پہچان سکتے ہیں اتنا اولاد اپنے ماں باپ کو نہیں پہچان سکتی ہیں۔

آگے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ○ (البقرہ: ۱۴۶)

[ایک جماعت ان میں ایسی ہے جو حق کو چھپا دیتی ہے۔]

اب یہ بات کہ وہ اہل کتاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کیوں نہیں لائے؟ تو قرآن کریم نے فرمایا کہ ضد کی وجہ سے، ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نہیں لائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے اہل کتاب دعا کرتے تھے کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور جب وہ تشریف لائیں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے، جب وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور انہوں نے پہچان بھی لیا مگر ایمان نہیں لائے۔

ایمان نہ لانے کی وجہ 'حب جاہ'، 'حب مال':

تو دو چیزوں کی وجہ سے ایمان نہیں لائے، یا تو 'حب جاہ' کی وجہ سے یا 'حب مال' کی وجہ سے ان کو اپنی کرسی اور چودھراہٹ گرتی نظر آرہی تھی، اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تسلیم کر لیتے ہیں تو ہماری کرسی چلی جائے گی، ہمارا مقام چلا جائے گا، اور بعض اہل کتاب میں سے بڑے بڑے عالم تھے، وہ اس وجہ سے ایمان نہیں لائے کہ ان کے بڑے مرید آیا کرتے تھے، ان کے پاس بڑی مال و دولت آیا کرتی تھی، انہیں اپنے مال و

دولت کے بند ہو جانے کا خطرہ لاحق ہوا کہ اگر نبی تسلیم کر لیتے ہیں تو ہمارے مال و دولت کے دروازے بند ہو جائیں گے۔ تو محض دنیا کی لالچ اور حرص کی وجہ سے، یا محض کرسی کی وجہ سے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا اور انکار کر دیا۔ اس واقعہ کو بیان کرنے سے میرا مقصد یہ ہے کہ توریت، انجیل، زبور اور اگلے صحائف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کس طرح بیان فرمائی گئی ہے، وہ بتانا مقصد ہے۔

توریت اور انجیل میں امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ:

اور یہی نہیں بلکہ قرآن پاک نے اس سے آگے کی بات کہی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تو تھا ہی، ساتھ ہی ساتھ امت کا تذکرہ بھی توریت اور انجیل میں تھا۔ قرآن پاک نے صاف کہا:

مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِى التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِى الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْــَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: [محمد اللہ کے رسول ہیں، اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں (صحابہ کی جماعت) وہ کافروں کے مقابلہ میں تیز ہیں (اور) آپس میں مہربان ہیں اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہیں، ان (کی عبدیت) کے آثار بوجہ

تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں، یہ (جو) ان کے اوصاف (مذکور ہوئے) توریت میں ہیں، اور انجیل میں ان کا (یہ) وصف (مذکور) ہے، کہ جیسے کھیتی اس نے اپنی سوئی نکالی، پھر اس نے اس کو قوی کیا، پھر وہ اور موٹی ہوئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوئی۔

یہ تعریف کی گئی صحابہ کی، یہ ذکر کہاں ہے؟

ذٰلِکَ مَثَلُھُمْ فِی التَّوْرٰةِ وَمَثَلُھُمْ فِی الْاِنْجِیْلِ

(الفتح:۲۹)

[یہ مثال بیان کی گئی ہے تورات میں اور انجیل میں۔]

مولانا عبدالحق حقانیؒ اپنی مشہور تفسیر 'تفسیر حقانی' میں فرماتے ہیں:

اصل توریت وانجیل اب دنیا میں باقی نہیں رہی جس طرح اور انبیاء علیہم السلام کی کتابیں باقی نہیں رہیں جن کا مروج توریت وغیرہا میں حوالہ ہے، مگر اب توریت موجودہ وانجیل مروج ہی سے شہادت پیش کرتے ہیں:

تورات سفر استثناء تینتیسویں باب کے شروع میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی نسبت یہ لکھا ہوا ہے:

''خداوند سیناء سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا، فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشی شریعت ان کے لئے تھی۔'' (پھر اسی باب میں آگے چل کر لکھا ہے)

''ہاں وہ اس قوم سے بڑی محبت رکھتا ہے، (والذین معہ سے) اس کے سارے مقدس تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے نزدیک بیٹھے ہیں، اور

تیری باتوں کو مانیں گے۔“

اور بجز صحابہ کے اور کسی نبی کے پیروؤں نے اپنے نبی کی ایسی اطاعت وفرماں برداری نہیں کی، لہذا معلوم ہوا قدسیوں سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔ ﴿مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ﴾ کا جملہ صادق آیا۔

اب ﴿مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ﴾ کا بیان سنئے، انجیل متی کے تیرہویں باب میں کھیتی کی مثال دو جگہ بیان کی گئی ہے، آٹھویں جملہ میں ہے:

”اور کچھ (تخم) اچھی زمین میں گرا اور پھل لایا، کچھ سو گنا کچھ ساٹھ گنا کچھ تیس گنا۔“

یہ صحابہؓ کی مثال ہے۔ پھر ۳۱ و ۳۲ ویں جملے میں ہے:

”وہ اچھی زمین عرب ہے جہاں تخم ہدایت بویا گیا۔“

صدیق اکبرؓ کے عہد میں پھل لگا، سو گنا عمرؓ کے عہد میں فتوحات کثیرہ کی وجہ سے، ساٹھ گنا عثمانؓ کے عہد میں، تیس گنا علیؓ کے عہد میں، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرما دیا تھا کہ خلافت میرے بعد تیس برس تک رہے گی، آیت کے بھی یہی معنی ہیں کہ پیڑ اگا عرب کی زمین میں۔ ﴿فَاٰزَرَهٗ﴾ پھر وہ قوی ہوتا گیا صدیقؓ کے عہد میں پھر عمرؓ کے عہد میں بالکل قوی ہوا۔ ﴿فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ﴾

(تفسیر حقانی: ۴/ ۳۳۷، ۳۳۸)

تو نبی تو نبی امت کا تذکرہ بھی تورات اور انجیل میں بیان کیا گیا تھا۔

رفیق غار حضرت ابو بکرؓ کا مقام:

حضرت ابو بکر صدیقؓ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق غار تھے، اور روضہ

مبارک میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھی ہیں، اور دنیا میں کتنا ساتھ دیا یہ بات سب ہی جانتے ہیں، اور سب سے پہلے ایمان لانے والے حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج نصیب ہوئی تو آپ نے سب کو جمع کر کے یہ واقعہ سنایا، سب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا، اس مجلس میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ نہیں تھے، ابوجہل دوڑا دوڑا حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس گیا اور ان سے جا کر کہا کیا خیال ہے اپنے دوست محمد کے بارے میں جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ وہ ایک رات میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ اور وہاں سے ساتوں آسمان اور جنت دوزخ کی سیر کر کے آ گئے اور اپنے رب سے ملاقات کی؟ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ اگر میرے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو میں اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہوں، آپ نے بالکل سچ فرمایا ہے۔ اللہ کے رسول نے یہ بات سنی تو حضرت ابوبکر ؓ کو ''صدیق'' کا لقب عطا فرمایا، جس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچا کہہ دیں اس کے مرتبہ کا تو پھر کیا پوچھنا۔

حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کا قرآن نے تذکرہ فرمایا:

اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی صحابیت کا قرآن پاک نے بھی ذکر کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ارشاد فرمایا:

اِذْ هُمَا فِی الْغَارِ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰)

جس وقت کہ وہ دونوں غار میں تھے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم غم نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں حق تعالیٰ نے ﴿لِصَاحِبِهٖ﴾ کے لفظ سے حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کو بیان کیا۔ شیعوں اور

سنیوں کا اتفاق ہے کہ آیت میں لفظ ﴿لِصَاحِبِهٖ﴾ سے حضرت ابوبکرؓ مراد ہیں، اور عربی زبان میں صاحب کا لفظ صحابی کے ہم معنی ہے۔ صحابی اور صاحب کے معنی میں کوئی فرق نہیں۔ حضرت العلامہ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے اپنی کتاب ''سیرت مصطفیٰ''میں یہ بات بیان فرمائی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کی صحابیت کو قرآن میں ذکر کیا ہے، اس لئے اگر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی صحابیت کا کوئی انکار کرتا ہے تو نص قطعی قرآن پاک کی آیت کا انکار کرتا ہے اور قرآن پاک کے ایک لفظ کے انکار سے بھی آدمی کافر ہو جاتا ہے۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ دوسرے صحابہ ؓ صحابی نہیں تھے، ان کا بھی اونچا مقام تھا۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور دوسرے تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہ کرامؓ سب کا اونچا مقام ہے۔ کسی صحابیؓ کی تائید بخاری نے کی، کسی کی مسلم نے کی، کسی کی ابوداؤد نے کی، کسی کا تذکرہ ابن ماجہ نے کیا، لیکن ابوبکر صدیق ؓ کی صداقت اور صحابیت کو قرآن نے ذکر کیا ہے۔

کفر کی کمر ٹوٹ گئی:

اس لئے جب حضرت ابوبکرؓ ایمان لائے تو کفر کی کمر ٹوٹ گئی کیونکہ آپ ؓ بڑے سمجھدار، مالدار، ہوشیار، تاجر اور سنجیدہ تھے۔ جب حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں تو کفار نے یہ تاویلات شروع کر دیں کہ خدیجہ ؓ تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات ہیں، اگر وہ ایمان نہیں لائیں گی تو اور کون لائے گا۔ جب حضرت علیؓ ایمان لائے تو کفار نے کہا کہ وہ تو بچہ تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہتا تھا، پلتا تھا، وہ اگر ایمان نہیں

لائے گا تو اور کون لائے گا۔حضرت زیدؓ ایمان لائے تو ابوجہل نے کہا کہ وہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں، اگر وہ ایمان نہیں لائے گا تو اور کون لائے گا، لیکن جب ابوبکر صدیقؓ ایمان لے آئے تو کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ (الزمر: ۳۳)

وہ شخص جو صداقت لے کر آئے اور جس نے صداقت کی تصدیق کی وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔اس آیت میں ﴿ وَصَدَّقَ بِهٖ ﴾ سے مراد حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ذات گرامی ہے۔

جہاں کا خمیر ہوتا ہے وہیں پہنچتا ہے:

جہاں کا خمیر ہوتا ہے وہیں پہنچتا ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ (الفاطر: ۱۱)

[کہ اللہ نے اول مٹی سے جو تیرا مادۂ بعیدہ ہے بواسطہ ہمارے باپ آدم علیہ السلام کے تمہیں پیدا کیا، پھر تمہیں نطفہ سے جو کہ تیرا قریبی مادہ ہے مادر رحم میں پیدا کیا۔]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ آدمی نطفہ سے بھی پیدا ہوتا ہے، لیکن جس زمین میں اسے دفن ہونا ہے فرشتہ اس زمین کے کچھ ذرات بھی اس کے مادہ میں شامل کر لیتے ہیں۔اس لئے جس زمین میں اسے دفن ہونا ہے آدمی وہاں پہنچ جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ”ما بین بیتی و منبری روضة من ریاض الجنة.“ [کہ جو جگہ میرے حجرہ اور میرے منبر کے درمیان ہے، وہ جنت کے

باغوں میں سے ایک باغ ہے۔] تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کہاں سوئے ہوئے ہیں؟ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی مٹی کہاں سے ہے؟ جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی ہے۔ حضرت عمرؓ کی مٹی کہاں سے ہے؟ جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مٹی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اتنے اونچے مقام سے نوازا ہے پھر بھی بہت سے بدبخت لوگ ان کو گالیاں دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ ان کی صحابیت سے انکار کرتے ہیں، وہ اپنی ہی آخرت برباد کرتے ہیں۔

حضرت ابوبکر ؓ کا خواب:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے 'خصائص کبریٰ' جلد اول، صفحہ ۲۹ / پر لکھا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نوجوان تھے، تجارت کی غرض سے شام تشریف لے گئے اور انہوں نے وہاں ایک خواب دیکھا۔ خواب دیکھنے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ وہاں کے جو پادری تھے، اس کے پاس تشریف لے گئے اور کہا کہ میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے۔

اس پادری نے کہا: ''من انت'' آپ کا نام کیا ہے؟

آپؓ نے کہا: عبداللہ۔

اس پادری نے پوچھا: ''من ای بلد؟'' کس شہر کے رہنے والے ہو؟

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: مکہ کا رہنے والا ہوں۔

پھر پوچھا: تاجر ہو؟

کہا: ہاں تاجر ہوں۔

بعض کتابوں میں یہ بھی لکھا ہے کہ پادری نے کہا: اپنا کرتہ اٹھا کر مجھے کچھ دیکھنے دو۔

آپؓ نے فرمایا: جسم نہیں کھول سکتا، کرتہ اٹھا کر نہیں دکھا سکتا۔

اس پادری نے کہا: تمہارے جسم کے فلاں جگہ پر ایک دھبہ ہے، دیکھا تو دھبہ موجود تھا۔

پھر پادری نے کہا: تمہارے شہر مکہ میں ایک نبی ظاہر ہوں گے اور سب سے پہلے تم اس پر ایمان لاؤ گے، جن کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا۔ زندگی میں ان کے ساتھ رہو گے، ان کے وزیر رہو گے اور مرنے کے بعد سب سے پہلے ان کے خلیفہ بنو گے۔

و انت تكون وزيره فى حياته و خليفته بعد وفاته.

حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ مکرمہ میں اپنی تجارتی میٹنگ میں بیٹھے ہوئے تھے اور وہاں انہیں اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا ہے تو اسی وقت اٹھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ابوبکر! میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا:

ما الدليل على ما تدعى؟

[آپ کی دلیل کیا ہے کہ آپ نبی ہیں؟]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **رؤياك التى رايتها بالشام.**

[تم نے شام میں جو خواب دیکھا تھا وہ میری دلیل ہے۔]

حضرت ابوبکرؓ اچھل گئے، سینہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لگایا، پیشانی کو بوسہ دیا، اور کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

تو میرے دوستو! یہودیوں اور عیسائیوں کے عالم بھی جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود تھا۔

حضرت عبداللہ بن سلام ؓ کا اسلام:

عبداللہ بن سلام یہودیوں کے بہت بڑے عالم تھے، انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سب چیزیں پڑھی تھیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور کچھ سوالات کئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات دئے۔ اس کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو دیکھ کر کہا کہ

هذا الوجه ليس بكذاب.

[یہ چہرہ کسی جھوٹے کا چہرہ نہیں ہے۔]

اسی مجلس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور فرمایا کہ میں نے سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو کلام سنا وہ یہ تھا:

ايها الناس اطعموا الطعام و افشوا السلام و صلوا الارحام و صلوا بالليل و الناس نيام تدخلوا الجنة بسلام. (ترمذی)

فرماتے ہیں: [لوگوں کو کھانا کھلاؤ، آپس میں سلام کو پھیلاؤ، اور روشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرو، اور فرمایا کہ اُس وقت (نفل) نماز پڑھو جب لوگ میٹھی نیند سوئے ہوئے ہوتے ہیں، اور جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔]

جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ ایمان لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ یہودیوں کو بلاؤ اور انہیں اسلام کی دعوت دو اور اگر وہ انکار کریں تو ان سے بولو کہ عبد اللہ بن سلام اگر ایمان لے آئیں تو تم ایمان لاؤ گے یا نہیں؟ چنانچہ ایک منصوبہ کے تحت عبداللہ بن سلامؓ کو پیچھے چھپا دیا، یہودیوں کی جماعت آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے دعوت پیش کی، میں اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں، مجھ پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو نہیں مانتے ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا تمہارے اندر عبداللہ بن سلام کیسے شخص ہیں؟ انہوں نے کہا کہ وہ ہمارے سردار ہیں، سردار کے بیٹے ہیں، بڑے اچھے انسان ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عبداللہ بن سلام ایمان لے آئے تو کیا آپ لوگ ایمان لائیں گے؟ انہوں نے کہا کہ پھر ہم بھی ایمان لے آئیں گے۔ عبداللہ بن سلامؓ پیچھے سے آئے اور کلمہ شہادت پڑھا۔ سارے یہودیوں نے انکار کر دیا، جھٹلا دیا اور کہا کہ ہمارے سردار سب سے برے آدمی ہیں، تو یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہٹ دھرمی کی وجہ سے جھٹلا دیا۔

انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ:

انجیل میں یہ پیشین گوئی بھی موجود تھی کہ میرے بعد 'فارقلیط' آئے گا، یہ عبرانی سریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنی ستودہ جہاں کے ہے، عربی میں اس کا ہم معنی لفظ احمد ہے۔ قرآن کریم میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو پیشین گوئی و بشارت دی تھی اس کے الفاظ یہی ہیں:

مُبَشِّرًا ۢبِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ ۢبَعْدِی اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف: ٦)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ وصفات وتعریف انجیل میں موجود ہے۔ کتب سابقہ کے بڑے ماہر عالم حضرت وہب بن منبہؒ سے بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ایک روایت بیان کی ہے جس کو ’روح المعانی‘ میں علامہ آلوسیؒ نے بھی نقل کیا ہے، کہ زبور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وصفات ان الفاظ سے ذکر فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ اے داؤد! آپ کے بعد ایک نبی آئیں گے، جن کا نام احمد ہوگا، میں ان پر کبھی ناراض نہ ہوؤں گا اور وہ کبھی میری نافرمانی نہیں کریں گے، میں نے ان کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کر دی ہیں، ان کی امت امت مرحومہ ہے، میں نے ان کو وہ نوافل دیئے ہیں جو انبیاء کو عطا کئے تھے، ان پر وہ فرائض عائد کئے ہیں جو پچھلے انبیاءؑ پر لازم کئے گئے تھے، یہاں تک کہ وہ محشر میں میرے سامنے اس حالت میں آئیں گے کہ ان کا نور انبیاءؑ کے نور کے مانند ہوگا۔ اے داؤد! میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت دی ہے، میں نے ان کو چھ چیزیں خصوصی طور پر عطا کی ہیں جو دوسری امتوں کو نہیں دی گئیں: ۱......اول یہ کہ خطا ونسیان پر ان کو عذاب نہ ہوگا۔ ۲......جو گناہ ان سے بغیر قصد کے صادر ہو جائے گا اگر وہ اس کی مغفرت مجھ سے طلب کریں تو میں معاف کر دوں گا۔ ۳......اور جو مال وہ اللہ کی راہ میں بطیب خاطر خرچ کریں گے تو میں دنیا ہی میں اس سے بہت زیادہ دے دوں گا۔ ۴......اور جب ان پر کوئی مصیبت آپڑے اور وہ ’’اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ‘‘ کہیں تو میں ان پر اس مصیبت کو صلات ورحمت اور جنت کی طرف ہدایت بنا دوں گا۔ ۵......اور جو دعا کریں گے میں قبول کروں گا وہ اس طرح کہ کبھی جو مانگا وہی دے دوں گا۔

۶......اور کبھی اس طرح کہ اس دعا کو ان کی آخرت کا سامان بنا دوں گا۔

میں نے جو سورۂ فتح کی آخری آیت تلاوت کی تھی اس میں آپ کو سمجھایا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہی نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ زبور کی اس عبارت سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا مقام بھی معلوم ہوتا ہے۔ اللہ ہمیں اس کا اہل بنا دے، آمین۔

توریت میں آپ کا تذکرۂ خیر:

امام بغویؒ نے اپنی سند کے تکرار کے ساتھ کعب بن احبارؓ سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نے تورات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات مبارکہ اس طرح پڑھی ہیں:

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول و منتخب بندے ہیں۔ نہ سخت مزاج ہیں، نہ بیہودہ گو، نہ بازاروں میں شور کرنے والے، بدی کا بدلہ بدی سے نہیں دیتے بلکہ معاف فرما دیتے ہیں، آپ درگذر کر دیتے ہیں، آپ کی جائے ولادت مکہ اور جائے ہجرت مدینہ طیبہ ہوگی، ملک آپ کا شام ہوگا اور امت آپ کی حمادین ہوگی، یعنی راحت و کلفت، آرام و مصیبت دونوں حالتوں میں اللہ کی حمد وشکر ادا کرے گی۔ (چنانچہ دیکھئے ہمیں ہر کام سے پہلے مثلاً کھانے سے قبل اور اس کے بعد، سواری پر سوار ہونے سے قبل، سونے سے قبل اور بعد، غرض ہر مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا سکھلائی ہے۔) ہر بلندی پر چڑھنے کے وقت وہ تکبیر کہا کرے گی، (چنانچہ حدیث میں ہے کہ

بلندی پر چڑھو تو اللہ اکبر کہو، پستی کی طرف اترو تو سبحان اللہ کہو) وہ آفتاب کے سایوں پر نظر رکھے گی، تا کہ اس کے ذریعہ اپنی نمازوں کے اوقات معلوم کر کے اپنے وقت پر نماز ادا کریں، (اس وجہ سے ہماری پانچوں نمازوں کے اوقات سورج سے معلوم ہوتے ہیں) وہ اپنے نچلے بدن پر تہبند استعمال کریں گے، اور اپنے ہاتھ پاؤں کو وضو کے ذریعہ پاک صاف رکھیں گے، (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں اپنی امت کو ان کے اعضاء وضو کے نور سے پہچان لوں گا۔ ''**کیف تعرف امتک من بین الامم فیما بین نوح الی امتک؟ قال ھم غر محجلون من اثر الوضوء، لیس احد کذلک غیرھم**'' (مرقاۃ: ۲/ ۲۵) ان کا اذان دینے والا فضا میں آواز بلند کرے گا، جہاد میں ان کی صفیں ایسی ہوں گی جیسے نماز جماعت میں، رات کو ان کی تلاوت وذکر کی آوازیں اس طرح گونجیں گی جیسے شہد کی مکھیوں کا شور۔''

(مظہری)

نجران کے ایک بڑے عیسائی عالم کی تصدیق:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ نجران کے عیسائیوں کی ایک بہت بڑی نصرانی جماعت آئی، اور یہ وفد ساٹھ افراد پر مشتمل تھا جن میں چودہ سرکردہ آدمی اور تین سردار تھے اور اس وفد میں تین افراد بہت بڑے چوٹی کے عالم تھے۔ ایک کا نام عبد المسیح عاقب بن عبد المسیح تھا جو امارت اور سرداری کے اندر بہت اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے، ایک کا نام ایہم السید تھا جو بہت عقل مند اور تدبیر میں کامل تصور کیا جاتا تھا اور ایک کا نام ابو حارثہ بن علقمہ تھا جو ان کا توریت، انجیل، زبور اور اگلے مذاہب میں امام مانا جاتا

تھا۔ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سے سوالات کیئے۔سوالات کرنے کے بعد ایمان تو نہیں لائے اور واپس جانے لگے۔ جب واپس جانے لگے تو ان کا جو مذہبی امام تھا یعنی ابو حارثہ بن علقمہ اس کو ٹھوکر لگی اور اونٹ سے گر گیا تو اس کے بھائی کرز بن علقمہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بد دعا دی۔کیا بد دعا دی؟ بد دعا یہ دی کہ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برباد ہو جائیں۔کرز بن علقمہ نے جب بد دعا دی تو ان کے بھائی امام المذاہب ابو حارثہ بن علقمہ نے اسے جھاڑا اور اپنے بھائی کو بد دعا دی کہ ''تعس الابعد'' [ہلاک ہو خیر سے دور رہنے والا۔] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بد دعا مت دو۔اور پھر ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ خبردار رسول اللہ کو بد دعا مت دو، جس طرح ہماری کتابوں توریت اور انجیل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہ اس پر بالکل صادق آتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیشک اللہ کے سچے رسول ہیں، برحق نبی ہیں۔ جب ابو حارثہ بن علقمہ نے اپنے بھائی سے یہ کہا تو بھائی کرز بن علقمہ نے کہا کہ جب تمہیں اس قدر یقین ہے تو پھر تم ایمان کیوں نہیں لائے؟ تو ابو حارثہ بن علقمہ نے جواب میں کہا کہ بادشاہ لوگوں نے ہمیں بڑی بڑی جاگیریں دیں ہیں، بڑی مال و دولت دی ہے، سالانہ اتنا وظیفہ ہمیں ملتا ہے، اگر ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے تو ہمارا سارا وظیفہ، سارا مال و دولت، ساری تجارت، ساری زمین سب ہم سے واپس لے لیا جائے گا۔تو کرز بن علقمہ نے اپنے بھائی سے کہا کہ تجھے تیری دولت مبارک ہو، میں واپس مدینہ جاتا ہوں۔کرز بن علقمہ واپس مدینہ آئے، آپ صلی اللہ علیہ و سلم پر ایمان لائے اور موت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پکے صحابی رہے۔تو اس سے

معلوم ہوتا ہے کہ اگلی کتابوں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ موجود تھا۔

ایک عجیب وغریب واقعہ:

حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ اپنی شہرۂ آفاق کتاب 'سیرت مصطفیٰ' میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: جب عبدالمطلب اپنے فرزند عبد اللہ کو نکاح کے لئے لے کر چلے تو راستہ میں ایک یہودی عورت پر سے گزر ہوا، جس کا نام فاطمہ بنت مرتھا، توریت وانجیل وغیرہ آسمانی کتابوں کی عالمہ تھیں۔ حضرت عبداللہ کے چہرہ پر نور نبوت دیکھ کر اپنی طرف بلایا اور برے کام کے لئے اکسایا اور کہا کہ میں تجھ کو سو اونٹ نذر کروں گی۔ حضرت عبداللہ نے جواب میں یہ اشعار پڑھے:

اما الحرام فالممات دونہ
و الحل لا حل فاستبینہ

حرام کے ارتکاب سے موت آسان ہے، حرام کام کرنے سے مرجانا اچھا ہے اور ایسا فعل بالکل حلال نہیں جس کو میں کرسکوں جس ناجائز بات کا تو مجھے حکم کرتی ہے وہ کیسے ممکن ہے؟ کریم النفس آدمی تو اپنی آبرو اور اپنے دین کی پوری حمایت اور حفاظت کرتا ہے۔

حضرت عبداللہ جب حضرت آمنہ سے نکاح کر کے واپس ہوئے تو واپسی میں پھر اسی عورت پر گذر ہوا تو اس نے پوچھا اے عبداللہ! تم یہاں سے جانے کے بعد کہاں رہے؟ حضرت عبداللہ نے کہا میں نے اس عرصہ میں وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی آمنہ سے نکاح کیا اور نکاح کے بعد تین دن وہاں قیام کیا تو اس یہودی عورت فاطمہ بنت مر نے کہا واللہ! میں کوئی بدکار عورت نہیں ہوں، تمہارے چہرہ پر نور نبوت کو دیکھ کر یہ چاہا کہ یہ نور میری طرف منتقل ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ نے جہاں چاہا وہاں اس نور کو ودیعت رکھا

اور پہنچا دیا۔ یہ روایت دلائل ابو نعیم میں چار طرق سے اور طبقات ابن سعد میں تین طرق سے منقول ہے۔

(سیرت مصطفیٰ:۱/۴۰)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت ایک یہودی کا خبر دینا:

یعقوب بن سفیان نے باسناد حسن حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ ایک یہودی مکہ میں تجارت کی غرض سے رہتا تھا، جس شب میں آپ پیدا ہوئے تو مجلس قریش سے اس یہودی نے یہ معلوم کیا کہ اس رات میں کوئی لڑکا پیدا ہوا ہے؟ قریش نے لاعلمی ظاہر کی ہم کو معلوم نہیں، یہودی نے کہا اچھا ذرا تحقیق تو کر کے آؤ۔ آج رات میں اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے، اس کے دونوں شانوں کے درمیان ایک علامت (مہر نبوت) ہے وہ دو رات تک دودھ نہ پیئے گا، اس لئے کہ ایک جنی نے اس کے منہ پر انگلی رکھ دی ہے، لوگ فوراً اس مجلس سے اٹھے اور اس کی تحقیق کی، معلوم ہوا کہ عبداللہ بن عبدالمطلب کو لڑکا پیدا ہوا ہے، یہودی نے کہا مجھے بھی دکھلاؤ، یہودی نے جب دونوں شانوں کے درمیان کی علامت (مہر نبوت) کو دیکھا تو بے ہوش ہو کر گر پڑا جب ہوش آیا تو اس یہودی نے کہا نبوت بنی اسرائیل سے چلی گئی، اے قریش والو! یہ مولود یعنی یہ بچہ تم پر ایک ایسا حملہ کرے گا کہ جس کی خبر مشرق سے مغرب تک پھیل جائے گی، اس سے مراد فتح مکہ ہے۔

(سیرت مصطفیٰ:۱/۵۳)

حضرت طلحہؓ کے اسلام لانے کا ایک سبب:

حضرت طلحہؓ ایک بڑے تاجر تھے وہ فرماتے ہیں کہ میں تجارت کی غرض سے بصرہ گیا ہوا تھا، ایک روز بصرہ کے بازار میں تھا کہ ایک راہب اپنے صومعہ (چرچ، CHURCH) میں سے پکار رہا تھا کہ معلوم کرو ان لوگوں میں کوئی حرم کا رہنے والا تو

نہیں؟ تو حضرت طلحہؓ نے کہا کہ میں حرم مکہ کا رہنے والا ہوں۔تو راہب (پادری) نے کہا: کیا احمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوگیا؟ میں نے کہا کون؟ راہب نے کہا کہ عبداللہ بن عبد المطلب کے بیٹے، یہ مہینہ ان کے ظہور کا ہے، حرم مکہ میں ظاہر ہوں گے، ایک پتھریلی اور نخلستانی زمین کی طرف ہجرت کریں گے۔''و هو آخر الانبياء''اور وہ آخری نبی ہیں، دیکھو تم پیچھے نہ رہنا۔اس راہب (پادری) کی اس بات کا میرے دل پر خاص اثر ہوا، فوراً مکہ واپس آیا اور لوگوں سے معلوم کیا کوئی نئی بات پیش آئی ہے، لوگوں نے کہا محمد بن عبد اللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، اور ابن ابی قحافہ یعنی ابوبکرؓ ان کے ساتھ ہوگئے ہیں، میں فوراً ابوبکرؓ کے پاس پہنچا اور حضرت ابوبکرؓ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے، میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوا، آپ سے راہب کا تمام واقعہ سنایا۔
(خصائص الکبریٰ:۱/۱۲۶، سیرت مصطفیٰ:۱/۱۵۳)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر قدرتی شواہد:

تو میرے دوستو واقعات تو بہت ہیں، جانوروں نے آپ کی رسالت کی گواہیاں دی ہیں، درخت کو کاٹا تو اس میں سے محمدٌ رَّسول اللہ لکھا ہوا نکلا ہے، اور پھلوں میں سے بھی نام محمد لکھا ہوا نکلا ہے، اور مچھلی کے اوپر اور کئی پرندوں کی گردنوں کے اوپر ایسے ایک نہیں ہزاروں واقعات ہیں، اس قسم کے واقعات سے تاریخ بھری پڑی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں حقیقی معنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نصیب فرماوے۔آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

۴

زبان کی حفاظت

(قسط اول)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت اور گارنٹی دے؛ میں اس کے لئے جنت کی ضمانت اور گارنٹی دیتا ہوں۔ ایک وہ چیز جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان۔ اور ایک وہ چیز جو اس کے دو پیروں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ۔''

عام طور پر گناہ زبان سے صادر ہوتے ہیں اور جو کمی رہ جاتی ہے شرمگاہ اسے پورا کر دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص ان دو کی حفاظت کر لے گا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں اس کے لئے جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔ اندازہ لگائیے زبان کی حفاظت کس قدر ضروری اور کس قدر مفید چیز ہے۔

﴿ ۴ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

زبان کی حفاظت

(قسط اول)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡكَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیۡعَنَا وَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا كَثِیۡراً كَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الۡجَھۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الۡقَوۡلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ وَكَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًا عَلِیۡمًا○ (النساء:۱۴۸)

ترجمہ: [اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے، اور اللہ تعالیٰ خوب سنتے جانتے ہیں۔] (بیان القرآن)

صدق الله مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد لله رب العالمین۔

زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے:

بزرگو اور دوستو! آج کی اس مجلس میں زبان کے متعلق چند باتیں پیش کرنے کی

کوشش کروں گا، اللہ تعالیٰ سے دعا فرائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

بزرگو اور دوستو! زبان اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مافی الضمیر ادا کرنے کے لئے زبان عطا فرمائی ہے، اس زبان کے ذریعہ ہم آخرت سنوار بھی سکتے ہیں اور برباد بھی کر سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ﴿وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا﴾ (الاحزاب: ۷۰) پر عمل کرنے والا بناوے، اور درست بات بولنے کی توفیق نصیب فرماوے۔ آمین

اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ

[اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتے بری بات زبان پر لانے کو؛ مگر اس شخص کے لئے جس پر ظلم ہوا ہو۔]

قول و عمل درست کرنے کی فکر کرنی چاہئے:

انسان کو اپنے قول و عمل دونوں چیزوں کو درست رکھنے کی فکر کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ. كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ.

(الصّف:۲)

[اے ایمان والو ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں۔]

اس آیت میں اس بات کی ترغیب دی گئی ہے کہ جو کام تم دوسروں کو کرنے کے لئے کہتے ہو اسے اپنے عمل میں بھی لاؤ، اور انسان کو اپنے قول وعمل دونوں میں موافقت لانی چاہیئے، اللہ تعالیٰ کو ایسی بات ناپسند ہے کہ جو کہو وہ کرو نہیں۔

ساتھ ساتھ انسان کے قول وعمل کی درستگی کی بنیاد اس کے دل پر ہے۔

دل کی درستگی:

اگر دل درست ہوگا تو زبان بھی درست ہوگی۔ دل اور زبان کا باہم ایک تعلق ہے۔ جو جھوٹ بولتا رہتا ہے، زبان سے گالی گلوچ اور فحش کلمات کہتا رہتا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا دل بھی خراب ہے، دل بھی گندہ ہے۔ اس لئے زبان اور دل دونوں کی درستگی بہت اہم چیز ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الا ان فی الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد کله و اذا فسدت فسد الجسد کله الا وھی القلب. متفق علیه

(مشکوۃ:۲۴۱)

[اے لوگو! آگاہ ہو جاؤ انسان کے جسم میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، ایک بوٹی ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے اور اگر وہ بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے، فرمایا وہ دل ہے۔]

تو زبان سے برے الفاظ بولنا، طعنہ زنی کرنا، غیبت کرنا، جھوٹ بولنا، فحش کلام کرنا، چغل خوری کرنا، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دل بھی گندہ ہے۔

غیبت احساس کمتری کا نتیجہ ہے:

اصل میں کسی کی برائی یا غیبت کرنا احساس کمتری کا نتیجہ ہوتا ہے۔ دوسروں میں کیڑے نکالنے والا خوش ہوتا ہے، یہ بہت ہی گراوٹ کی بات ہے۔ غیبت کمزوری کی علامت اور جلاپے کا اظہار ہے۔ غیبت انسان کے وقار کو ختم کر دیتا ہے۔ غیبت کرنے والا بہت جلد پہچانا جاتا ہے۔ حکم ہے کہ جو لوگ غیبت کرتے ہیں ان سے ملنا جلنا چھوڑ دیں، ان سے تعلقات توڑنے میں اتنے نقصان نہیں ہیں جتنے جوڑنے میں ہیں۔ اسی طرح دو رو (دو چہرے والا) آدمی اس سے بھی برا ہے ادھر کی بات ادھر اور ادھر کی بات ادھر نقل کرتا ہے اور آپس میں بغض، عداوت ونفرت پھیلاتا ہے۔ ایک بڑی خرابی یہ بھی ہے کہ بعض لوگ سامنے کچھ اور پیچھے کچھ اور کہنے کے عادی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو قیامت کے دن آگ کی دو لگامیں ان کے منہ میں ڈالی جائیں گی، الامان والحفیظ۔ اس لئے ہمیں کوشش کرنا چاہئے کہ زبان سے جو بات کہی جائے وہ بھی درست ہو، عمل بھی درست ہو اور دل بھی درست ہو۔ ہمارا اور آپ کا معاملہ کچھ یوں ہے کہ زبان سے کچھ بولتے ہیں اور عمل کچھ اور کرتے ہیں، کہنے اور عمل کرنے میں ہمارا تضاد ہے۔ یہ نہیں ہونا چاہئے، چاہئے یہ کہ جیسا ہمارا عمل ہو زبان بھی ایسی ہی ہو اور دل بھی ایسا ہو۔

حضرت لقمان حکیم کی حکمت بھری باتیں:

حضرت لقمان حکیم بڑی حکمت کی باتیں سنایا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر قرآن پاک میں بھی فرمایا ہے، قرآن پاک میں سورۂ لقمان مستقل ایک سورت ہے جس کا نام بھی سورۂ لقمان ہے۔ شکل وصورت سے زیادہ اچھے نہیں تھے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے

انہیں کس قدر پیاری زبان سے نوازا تھا، ان کی زبان سے علم کے چشمے جاری ہوتے تھے۔ بڑی تکلیفیں بھی اٹھائیں، وقت کے بادشاہ ان کے بڑے قدرداں تھے۔ بادشاہ کے پاس پہنچے، بادشاہ نے انہیں بڑا اونچا مقام دیا تھا، ہر معاملہ میں ان سے مشورہ کرتے تھے، اور مجلس کے اندر ان سے فرمائش ہوتی ہے کہ لقمان! کچھ حکمت اور دین کی باتیں سناؤ۔ جمہور مفسرین کا قول ہے کہ حضرت لقمان صالحین اور نیک لوگوں میں سے تھے۔ حضرت لقمان کے متعلق آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ اے لقمان! ہم تم کو نبوت دینا چاہتے ہیں، اس کے لئے تیار ہو؟ تو آپ نے کہا کہ نہیں، مجھے نبوت نہیں چاہئے حالانکہ کتنی بڑی عظمت کی بات ہے، کتنی بڑی فضیلت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان پر حکمت اور دین کے چشمے جاری کردئے۔ کسی نے ان سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نبوت دے رہے تھے، آپ نے کیوں انکار کیا تو آپ نے بڑی عجیب بات فرمائی۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کب شامل حال ہوتی ہے؟

فرمایا کہ جو نعمت اللہ تعالیٰ طلب کرنے پر عطا فرماتے ہیں تو اللہ کی مدد شامل حال نہیں ہوتی ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ بغیر مانگے اور بغیر طلب کئے کوئی نعمت عطا فرما دیتے ہیں تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی شامل حال ہوتی ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو اگر اللہ تعالیٰ کوئی اونچا مقام بغیر طلب کئے عطا کرتا ہے تو اس کی مدد بھی ساتھ ہوتی ہے اور جو خود خواہش مند ہوتا ہے، بڑا بننا چاہتا ہے تو اللہ کی مدد ساتھ نہیں ہوتی۔ تو حضرت لقمان کی سینکڑوں حکمت وعلم کی داستانیں ہیں، ایک دو سنا کر واپس اپنے موضوع کی طرف آتا ہوں۔

کبھی کڑوا پھل ملے تو منہ کیوں چڑھاؤں؟

ایک دن لقمان حکیم بادشاہ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو کہیں سے ایک وفد آیا اور بادشاہ کو کھانے کے لئے ایک پھل پیش کیا کہ یہ پھل صحت کے لئے بہت اچھا ہے۔ بادشاہ نے اس پھل کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے مجلس میں بیٹھے ہوئے تمام وزراء پر تقسیم کیا اور ایک ٹکڑا لقمان حکیم کو بھی دیا۔ وہ پھل بہت کڑوا تھا، جس جس نے کھایا، کوئی قے کرنے لگا، کسی نے پیٹ پکڑا ہوا تھا تو کوئی منہ میٹھا کرنے کے لئے شکر کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا لیکن لقمان حکیم نے پورا پھل بڑی خوش اسلوبی سے کھایا۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو بادشاہ نے پوچھا کہ لقمان! تم نے اتنا کڑوا پھل کھایا اور تمہاری پیشانی پر ایک بل بھی نہیں آیا۔ لقمان حکیم نے کیا خوب جواب دیا۔ فرمایا جس بادشاہ کے ہاں سے روزانہ اچھے اچھے پھل اور کھانے ملتے ہیں اگر اس کے ہاتھ سے کبھی کڑوا پھل کھانے کو ملا تو منہ کیوں چڑھاؤں؟

اگر کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مصیبت آجائے تو غم کیوں؟

اسی طرح میرے دوستو! جس رب العالمین کے ہاں سے ہمیشہ اچھی اچھی نعمتیں اور خوشیاں ملتی ہیں اگر اس کے ہاں سے کبھی مصیبت آجائے تو غم کیوں منایا جائے۔

دل اور زبان بہترین بھی اور بدترین بھی:

اسی طرح ایک دن بادشاہ نے لقمان حکیم کے سامنے ایک بکری پیش کی اور کہا کہ لقمان! اس کی سب سے بہترین چیز کاٹ کر ہمارے سامنے پیش کرو۔ لقمان حکیم نے بکری کی زبان اور دل کاٹ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ بادشاہ نے خاموشی اختیار کی۔

دوسرے دن بادشاہ نے ایک اور بکری پیش کی اور کہا کہ لقمان! اس کی بدترین سے بدترین چیز ہمارے سامنے پیش کی جائے تو لقمان حکیم نے پھر وہی دو چیزیں زبان اور دل پیش کی۔ بادشاہ بولا کہ لقمان! سمجھ میں نہیں آیا کہ جب ہم نے آپ سے بہترین چیز طلب کی تو آپ نے زبان اور دل پیش کیا اور بدترین سے بدترین چیز مانگی تب بھی آپ نے یہی دو چیزیں پیش کیں؟ لقمان حکیم نے فرمایا کہ بادشاہ سلامت! اگر یہ زبان اور دل صحیح ہو جائیں تو جسم میں سب سے بہترین چیزیں یہی دو چیزیں ہیں اور اگر زبان اور دل بگڑ جائیں تو جسم میں سب سے بدترین چیزیں بھی یہی ہیں۔

اسی طرح حضرت جعفر طیارؓ سے بھی یہی منقول ہے جب وہ ہجرت فرما کر حبشہ تشریف لے گئے تو بعض کفار مکہ نے نجاشی بادشاہ کو شکایت کی کہ دیکھو ان مسلمانوں کو ان میں سے کسی کا رنگ کالا ہے تو کسی کا قد چھوٹا ہے، مطلب یہ ہے کہ ان کا ذاتی وقار نہیں ہے، یہ گھٹیا درجہ کے لوگ ہیں۔ تو حضرت جعفر طیارؓ نے بڑا خوب جواب دیا خدا کرے وہ جواب ہمارے دلوں میں اتر جائے۔ حضرت جعفر طیارؓ نے فرمایا کہ اے بادشاہ! انسان لمبے قد وقامت کا نام نہیں بلکہ انسان دو چھوٹی چیزوں کا نام ہے ـــــــــ:

الانسان باصغرية :: القلب و اللسان

انسان دل وزبان کا نام ہے۔ اگر انسان کا دل وزبان صحیح ہے وہ انسان کہلانے کے لائق ہے ورنہ انسان کے روپ میں جانور سے بدتر ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نظر جو مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

نیکیوں کی حفاظت:

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زبان پر کنٹرول کیا جائے۔ یہ زبان بعض اوقات ایسے ایسے گناہ کرا دیتی ہے کہ کئی سالوں کی محنت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ نیکیوں کا ذخیرہ کرنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ ان کی حفاظت کرنا مشکل ہے۔ حضرت تھانویؒ نے فرمایا: اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک سرکاری افسر کو لے لیں، بڑا عہدہ ہے اس کے پاس، اس نے اپنی تیس پینتیس سال سروس انتہائی دیانتداری سے انجام دی، رٹایر ہونے کو چند دن باقی ہیں، حکومت کو اسے بڑے اعزاز اور تمغوں کے ساتھ رخصت کرنا ہے لیکن اگر وہ اپنی ان آخری ایام میں رشوت میں پکڑا جائے تو اسے اعلان تمغہ میں جیل کی کال کوٹھری ملے گی، تیس پینتیس سالہ بہترین کارکردگی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اسی طرح میرے دوستو! ہماری کئی سالوں کی ہوئی نیکیاں بھی زبان کے دو چار بول بولنے سے صفاچٹ ہو جاتی ہیں۔

جنت میں داخل کرنے والے اور دوزخ سے دور کرنے والے اعمال:

حضرت معاذؓ کی طویل حدیث ہے، آپؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے ایسا عمل بتائیے جو جنت میں داخل کردے اور دوزخ سے دور کردے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: معاذ! تم نے بڑا اہم سوال کیا لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لئے آسان کردیں اس کے لئے بہت آسان ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اللہ کی عبادت کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کیا کرو اور رمضان کے روزے رکھا کرو اور بیت اللہ کا حج کرو۔ پھر ارشاد فرمایا کیا میں تجھ کو خیر

کے دروازے نہ بتاؤں کہ جن کے ذریعہ خیر حاصل ہوتی ہے۔فرمایا روزہ ڈھال ہے یعنی اس کے ذریعہ گناہ اور جہنم کی آگ سے حفاظت کی جاتی ہے اور صدقہ کرنا گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات کو نرم نرم بستر اور میٹھی نیند چھوڑ کر نماز پڑھنا یعنی تہجد پڑھنا بھی اسی طرح گناہوں کو مٹا دیتا ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ. فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَاءً ۢبِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ.

(السجدہ:۱۶،۱۷)

[ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں۔ سو کسی شخص کو خبر نہیں جو آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ایسے لوگوں کے لئے خزانہ غیب میں موجود ہے یہ ان کو ان کے اعمال کا صلہ ملا ہے]

پھر ارشاد فرمایا دین کی اصل تو اسلام ہے یعنی شہادتین کا اقرار کہ اس کے بغیر دین کا وجود ہی نہیں ہوسکتا اور دین کا ستون نماز ہے اور دین کی بلندی جہاد ہے، اسی سے دین کو بلندی حاصل ہوتی ہے۔

تمام اعمال کی جڑ:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے معاذ! کیا میں تجھ کو ان سب اعمال کی اصل اور جڑ نہ بتاؤں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ضرور ارشاد فرمایئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کو فرمایا: اپنے اوپر اسے بند کر رلے، اسے اپنے کنٹرول میں رکھو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو بڑا تعجب ہوا اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: ہم جو گفتگو اور بات کرتے ہیں اور جو کچھ زبان سے نکالتے ہیں کیا ان پر ہماری پکڑ اور ہمارا مواخذہ ہوگا؟

زبان کی وجہ سے جہنم:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثکلتک أمک یا معاذ! و ھل یکب الناس فی النار علی وجوھھم او مناخرھم الا حصائد ألسنتھم.

(مشکوۃ شریف:۱۴)

[اے معاذ! تجھ کو تیری ماں روئے، لوگوں کو جہنم میں ان کے چہروں کے بل یا ناکوں کے بل نہیں ڈالیں گی مگر ان کی زبان کی باتیں]

تو اس زبان کی وجہ سے لوگ جہنم میں جائیں گے۔ کفر اور شرک زبان سے ہوتا ہے، جھوٹ، غیبت، چغل خوری، بہتان یہ سب زبان سے ہی ہوتا ہے۔ تو یہ زبان ایسی چیز ہے کہ کئی سالوں کی محنت پر پانی پھیر دیتی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ بالا ارشاد کا مفہوم یہ ہے کہ زبان کی حفاظت تمام اعمال خیر کی اصل اور جڑ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان لوگوں کو دعوت فکر دیتا ہے اور متنبہ کرتا ہے جو ماشاء اللہ فرائض ونوافل کا خوب اہتمام کرتے ہیں، صدقات وخیرات میں بہت دل چسپی لیتے ہیں، حج وزکوۃ کی ادائیگی میں بھی چاق وچوبند دکھائی دیتے ہیں۔ الحمدللہ یہ بہت اچھی بات ہے اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرمائے، مگر اپنی

زبان کی حفاظت نہیں کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں وعدہ خلافی کرتے ہیں، الزام تراشتے ہیں مسلمان بھائی کی دل آزاری کرتے ہیں عیب جوئی میں لگے رہتے ہیں اور اپنی زبان سے نکلنے والے تیر ونشتر سے لوگوں کے قلوب کو زخمی کرتے ہیں، کیا وہ اس گھمنڈ میں رہتے ہیں کہ ان کی نمازیں، روزے، صدقات وخیرات نیز حج وزکوۃ سے ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو جائے گی؟ اور وہ جنت تک پہنچ جائیں گے؟ جناب **محمد** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسے لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: تمام نیکیوں اور اعمال صالحہ کی قبولیت زبان کی حفاظت میں ہے، اگر زبان پر قابو پالیا تو دیگر اعمال خیر بھی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں گے ورنہ سب کے سب رد کر دئے جائیں گے، سوائے ندامت وحسرت کے انسان کے ہاتھ کچھ نہ لگے گا۔

اس حدیث پاک میں ''**حصائد السنتھم**'' کا مفہوم علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ حصائد السنۃ کا لغوی معنی زبانوں کی کھیتیوں کے ہیں اور مراد وہ سزا اور عذاب ہے جو غلط ناجائز اور حرام گفتگو پر آخرت میں ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''**حصائد**'' بول کر اس بات کی طرف اشارہ فرمایا کہ یہ دنیا آخرت کی کھیتی ہے، یہاں جو کچھ بویا جائے گا آخرت میں اس کا پھل ملے گا اسی کی طرف جامع العلوم والحکم کے مصنفؒ اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

فأما الانسان يزرع لقوته و عمله الحسنات و السيئات ثم ليحصد يوم القيامة ما زرع فمن زرع خيرا من قول أو عمل حصد الكرامة و من زرع شرا من قول أو عمل حصد غدا الندامة.

(جامع العلوم والحکم: ۳/ ۲۷۳)

[انسان اپنے قول وعمل سے اچھائی و برائی کو بوتا ہے، جس کو قیامت کے دن کاٹے گا اگراس نے اچھے عمل کیئے اچھا کلام کیا اچھے قول وعمل کی کاشت کی ہے تو آخرت میں عزت اور عظمت پائے گا اگر خدانخواستہ برے قول وعمل کی کاشت کی ہے تو آخرت میں ندامت وشرمندگی کے سوائے کچھ ہاتھ نہیں لگے گا۔]

ایک لمحۂ فکریہ:

علامہ ابن جوزیؒ نے ''بحرالدموع'' میں ایک حدیث نقل کی ہے، حدیث واقعۃً رلا دینے والی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ کو گم پایا تو ان کے متعلق پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ وہ تو مریض ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل کر ان کے پاس پہنچے، جب ان کے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ: اے کعب! خوش ہوجاؤ، تو ان کی ماں نے کہا اے کعب! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری سنائی تو تمھیں جنت کی خوش خبری ہو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کون ہے اللہ کے متعلق اتنے یقین کے ساتھ کہنے والی؟ عرض کیا میری ماں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے کعب کی ماں! تمھیں یہ کس نے بتلایا ہے؟ ہوسکتا ہے کعب نے کوئی فضول بات کی ہو یا جہاں خرچ کرنا چاہیئے وہاں خرچ کرنے سے رک گئے ہوں۔ (اور اس کی وجہ سے وہ جنت سے محروم ہوجائیں) اس حدیث پر خوب غور کرنے کی ضرورت ہے، ہم اپنی زبان سے کیا کیا اور کیسا کیسا بولتے رہتے ہیں۔

(مرقات:۹/۷۹)

صوفیائے کرام کے یہاں ایک مقولہ مشہور ہے:

جرمہ صغیر و جرمہ کبیر

[زبان جسامت کے اعتبار سے تو بہت چھوٹی ہے لیکن اس کا جرم بہت بڑا ہے۔]

ہم لوگ زبان سے کیا کچھ نہیں بول لیتے، کبھی کسی کی غیبت کر لیتے ہیں، کبھی کسی کو گالی دے دیتے ہیں، کسی کی چغل خوری میں مشغول ہو جاتے ہیں، اللہ ان ساری برائیوں سے ہمیں حفاظت نصیب فرماوے۔

زبان جب بدکلامی میں مصروف ہو تو بولنے والے کو محسوس نہیں ہوتا، لیکن اس کے کلام میں اتنی ترشی ہوتی ہے کہ پورا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور اگر اس سے اچھا کلام بولا جائے تو کبھی اس کے بول میں اتنی مٹھاس ہوتی ہے کہ اس کی وجہ سے کئی خاندانوں سے تعلقات اور کئی لوگوں کے دل جیت لئے جاتے ہیں۔

اے زبان تم صحیح چلنا:

اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنی پیاری بات بتائی، فرمایا کہ: جب صبح ہوتی ہے تو جسم کے تین سو ساٹھ اعضاء میٹنگ کرتے ہیں، لیکن صدارت کی کرسی خالی ہوتی ہے، صدارت کی کرسی پر زبان آجاتی ہے اور یہ سارے اعضاء اس سے کہتے ہیں کہ مائی! دیکھو، تم صحیح چلنا حالانکہ اس کے مقابلے میں جسم کے کئی اعضاء بہت بڑے ہیں، پیٹ کتنا بڑا ہے، کمر کتنی بڑی ہے، ہاتھ اور پاؤں اس قدر لمبے ہیں۔ تمام اعضاء زبان کے آگے ہاتھ جوڑتے ہیں کہ تو سیدھی رہنا، اگر تو سیدھی رہی تو ہم سب درست رہیں گے اور اگر تو سیدھی نہ رہی تو معاملہ ہمارے لئے خراب ہو جائے گا، تو تو بول کر بتیس دانتوں کے

قلعہ میں محفوظ ہو جائے گی، مار تو کمر کو کھانی پڑتی ہے، پیروں کو کھانی پڑتی ہے، سر اور ہاتھ توڑ دئے جاتے ہیں۔ یہ ایک مشہور حدیث ہے جس کو سمجھانے کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے گئے۔ تو زبان ایسی چیز ہے کہ جسم کے سارے اعضاء اس سے پناہ مانگتے ہیں۔
(مرقات:۹/۷۵)

جنتی اور جہنمی عورت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں دو عورتوں کا واقعہ بیان فرمایا ہے:

ہماری مائیں اور بہنیں اس سے سبق حاصل کریں کیونکہ بہ نسبت عورتوں کے زبان کو کنٹرول رکھنے میں مرد زیادہ اچھے ہیں۔ عورتوں کی تو شاید ہی کوئی ایسی مجلس ہو جس میں دو چار غیبت کی، چغل خوری اور جھوٹ کی باتیں نہ کی جائیں۔ تمام بھائی بہنوں کا فرض بنتا ہے کہ جب کسی محفل میں ایسی صورت حال بن جائے تو خود اپنی زبان کو بھی کنٹرول میں رکھیں، اور دوسروں کو بھی روکیں۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ایک عورت ہے جو نماز کی پابند ہے، روزہ رکھنے والی ہے، زکوۃ دیتی ہے، بہت صدقہ وخیرات کرتی ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس میں بدزبانی کا عیب ہے، یہ عورت بدکلامی سے اپنے پڑوسیوں کی دل آزاری کرتی ہے اس کی زبان سے پڑوسی محفوظ نہیں ہے، پڑوسیوں کو برا بھلا کہتی رہتی ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھی فی النار

[ایسی عورت کا ٹھکانہ جہنم ہے۔]

پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایک عورت ہے جو نہ زیادہ لمبی چوڑی نماز پڑھتی ہے، نہ زیادہ عبادت کرتی ہے، نہ زیادہ صدقہ خیرات کرتی ہے؛ لیکن اس کی زبان سے اس کے پڑوسی محفوظ ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ھی فی الجنة

[اس عورت کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔]

(رواہ احمد، مشکوۃ: ۴۲۴)

اللہ سے ڈرو اور سچ بولو:

بعض اوقات انسان زبان سے سچ بولنے میں ڈرتا ہے کہ اگر میں نے سچ بولا تو مجھے نقصان ہو جائے گا، میرے ساتھ ایسا ہو جائے گا، لیکن اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا. (الاحزاب: ۷۰)

[اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچ بولو۔]

جب انسان سچ بول لیتا ہے اور اس پہ جم جاتا ہے تو اللہ کی مدد شامل حال ہو جاتی ہے، اور تمام رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک کافر آیا اور بولا کہ اللہ کے رسول! میں اسلام قبول کر لیتا ہوں لیکن مجھ میں بہت سی برائیاں ہیں، سب برائیوں کو اکٹھا چھوڑنا میرے لئے بہت مشکل ہے، اول مجھے کوئی ایک گناہ بتا دیں جس سے میں سب سے پہلے بچوں۔

اصلاح کا انوکھا نسخہ "وعدہ کرو جھوٹ نہیں بولوں گا":

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چلو وعدہ کرو کہ تم زبان سے جھوٹ نہیں بولو گے۔ اس نے کہا کہ بہت اچھا، میں وعدہ کرتا ہوں کہ زبان سے کبھی جھوٹ نہیں

بولوں گا۔عرب جیسے بھی ہیں لیکن زبان اور وعدے کے بہت پکے ہیں۔تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان سے جھوٹ نہ بولنے کا وعدہ لینے پر بہت خوش ہوا اور کہا کہ یہ تو بہت آسان شرط ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی بھی جھوٹ نہیں بولوں گا۔ چند دنوں کے بعد پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے جھوٹ نہ بولنے کا جو وعدہ لیا تھا اسی کی بہ دولت تمام برائیوں سے نجات مل گئی۔فرمایا کیسے؟ اس نے عرض کیا کہ وہ اس طرح کہ جب میرے دل میں کسی بھی برائی، چوری، زنا وغیرہ کا خیال آتا تو فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ یاد آجاتا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوگی آپ پوچھیں گے کہ تو نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا ہے؟ تو جھوٹ تو بول نہیں سکتا،اور اگر سچ بتاؤں گا تو حد قائم ہو جائے گی،سو کوڑے پڑیں گے تو بتا بھی نہیں سکتا، اس لئے اس گناہ کو چھوڑ دیا، اس طرح تمام گناہ چھوٹ گئے۔اس زبان کو درست اور جھوٹ سے محفوظ رکھنے کی فکر سے الحمد للہ مجھے تمام بدکاریوں سے نجات مل گئی۔

ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الصدق ینجی و الکذب یھلک

[سچ بولنا انسان کو نجات دیتا ہے اور جھوٹ بولنا ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔]

تو میرے دوستو! یہ زبان کبھی انسان کو ذلیل اور خوار کر کے اس دنیا میں شرمندہ کر دیتی ہے اور آخرت بھی تباہ کر دیتی ہے اور کبھی اس دنیا میں بھی عزت و افتخار سے جینا سکھا دیتی ہے اور آخرت میں جنت سے سرفراز کر دیتی ہے۔لہذا معلوم ہوا کہ زبان کو گرفت میں رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

اچھے کلام کا اجر:

اور پھر زبان سے سچ بولنے والا اور اچھا کلام کرنے والا اللہ تعالیٰ کو کتنا محبوب ہے وہ اس واقعہ سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک صاحب نے اللہ تعالیٰ کی تعریف میں ایک جملہ کہا، کیا جملہ کہا؟

یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْهِکَ وَ عَظِیْمِ سُلْطَانِکَ

دیکھئے کتنا چھوٹا سا جملہ ہے، فرشتے حیران ہو گئے کہ اس کا ثواب کیا لکھیں، فرشتوں نے اللہ سے پوچھا کہ رب العالمین اس کا ثواب کیا لکھیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ اس کے ثواب کو چھوڑ دو، اس کا اجر میں اسے اپنی ملاقات میں دوں گا۔
(تفسیر ابن کثیر)

تو اس چھوٹے سے جملے سے اسے کتنا بڑا انعام ملا، یعنی اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا شرف اس کی خوش نودی نصیب ہوگئی، سبحان اللہ۔ تو اگر زبان سے اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر دی جائے، اللہ کا ذکر کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھا جائے اور اس کو ہر وقت کنٹرول میں رکھا جائے تو اس سے قیمتی چیز کوئی نہیں ہے اور اگر اس کو بدکلامیوں میں مصروف رکھا جائے تو پھر یہی زبان فتنہ کا سبب بنتی ہے اس سے فتنے پھیلتے ہیں، اور فتنہ کے متعلق قرآن پاک میں فرمایا گیا:

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ (البقرہ: ۱۹۱)

[فتنہ قتل سے بھی خطرناک چیز ہے۔] قتل تو کسی ایک کا کیا جاتا ہے جبکہ فتنہ سے پوری بستی میں آگ لگ جاتی ہے، پورے خاندان میں آگ لگ جاتی ہے۔

پہلے تولو پھر بولو:

اس لئے تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ ''پہلے تولو پھر بولو'' کہ جب بھی کسی کلام کے بولنے کا ارادہ کرو تو پہلے اسے تول لو، تولنے کا مطلب ہے اس کلام سے ہونے والے اثر اور نتیجہ پر غور کرلو کہ میرے اس بولنے کے بعد نتیجہ کیا ہوگا، اثر اچھا ہوگا یا برا ہوگا، پھر بولو۔ یہ بھی دھیان رہے کہ میں جو کچھ بول رہا ہوں اس کا مجھ سے پروردگا حساب لے گا۔ تو انسان بہت سارے گناہوں اور لغو بکواس سے بچ جائے گا۔

ہر بول ریکارڈ کیا جاتا ہے:

بزرگو اور دوستو! انسان کا ہر بول ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ. (سورۂ ق:۱۸)

[انسان جو لفظ بھی بولتا ہے اس پر ایک نگران فرشتہ مقرر ہے۔]

یعنی انسان اپنی زبان سے جو لفظ بھی بولتا ہے، جو کلمہ نکالتا ہے اللہ تعالیٰ کا نگراں فرشتہ اس کو محفوظ کر لیتا ہے۔ اس لئے انسان کو چاہئے کہ بہت سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے بولے، جو منہ میں آئے بولتا نہ رہے۔

جنت کی ضمانت:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک عجیب وغریب ضمانت سنئے۔ ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

من يضمن لى ما بين لحييه و ما بين رجليه اضمن له الجنة

جو شخص مجھے دو چیزوں کی ضمانت اور گارنٹی دے میں اس کے لئے جنت کی ضمانت اور گارنٹی دیتا ہوں۔ ایک وہ چیز جو اس کے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان، اور ایک وہ چیز جو اس کے دو پیروں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ۔

عام طور پر گناہ زبان سے صادر ہوتے ہیں اور جو کمی رہ جاتی ہے شرمگاہ اسے پورا کر دیتی ہے۔ لہذا جو شخص ان دو کی حفاظت کر لے گا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں اس کے لئے جنت کی گارنٹی دیتا ہوں۔ اندازہ لگایئے زبان کی حفاظت کس قدر ضروری اور کس قدر مفید چیز ہے۔

نجات کا طریقہ:

ایک اور حدیث میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے بارگاہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا:

ما النجاة قال امسک علیک لسانک و لیسعک بیتک وابک علیٰ خطیئتک.

(مرقات: ۹/۴۷)

نجات کا کیا طریقہ ہے؟ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں تین باتوں کی نصیحت فرمائی۔ ۱...... پہلا جملہ ارشاد فرمایا اپنی زبان اپنے قابو میں رکھو، اپنی زبان پر کنٹرول کرو۔ ۲...... دوسرا جملہ ارشاد فرمایا تمہارا گھر تمہیں سموئے رکھے، تمہارا گھر تمہیں کافی ہو جائے یعنی اپنا زیادہ وقت اپنے گھر میں گذارو، نماز وغیرہ اور ضروری کاموں کے علاوہ گھر سے باہر نہ نکلا کرو۔ ۳...... تیسری نصیحت فرمائی اپنے گناہوں پر روتے رہو، جس کو اپنے گناہوں پر رونا نصیب ہو جائے تو سمجھ لو اس کا کام بن گیا۔

اللہ تعالیٰ کو ندامت اور اس کے خوف سے نکلنے والا آنسو بے حد پسند ہے، یہ آنسو کا ایک قطرہ ان شاء اللہ جہنم کی آگ کو بجھا دے گا۔ کتنی عمدہ نصیحت ہے اس پر عمل کریں تو دنیا و آخرت بن جائے۔ خود بھی چین اور سکون کی زندگی بسر کریں گے اور اس سے کسی کو تکلیف بھی نہیں پہنچے گی۔

کامل مسلمان:

اور کامل مسلمان وہی ہے کہ اس کی ذات سے دوسروں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه و يده. (مشکوۃ)

[کامل مسلمان وہ ہے کہ دوسرے مسلمان اس کی زبان اور اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔]

بزرگو! غور کیجئے اس حدیث میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان کی نشانی اور علامت یہ بتائی کہ دوسرے مسلمانوں کو نہ اس کی زبان سے تکلیف پہنچے نہ اس کے ہاتھ سے تکلیف پہنچے۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان کو مقدم بیان فرمایا، پہلے ''من لسانہ'' فرمایا، اس کی حکمت علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ زبان کے گناہ کا دائرہ ہاتھ کی بہ نسبت بہت وسیع ہے، ہاتھ سے اس کو تکلیف پہنچتی ہے جو سامنے ہوتا ہے جب کہ زبان اس کو بھی تکلیف پہنچاتی ہے جو سامنے ہوتا ہے اور اس کو بھی تکلیف پہونچاتی ہے جو غائب ہوتا ہے۔ غائب شخص کی غیبت کرنا، بہتان لگانا اور زبان زندوں کو بھی تکلیف پہنچاتی ہے اور مردوں کو بھی نہیں چھوڑتی اور ہاتھ کی تکلیف صرف زندوں کو پہنچ سکتی ہے، ہاتھ سے انسان دوسرے کو اسی وقت تکلیف پہنچا سکتا ہے جب اس کے اندر

قوت ہو، طاقت ہو اور زبان سے تکلیف پہونچانے کے لئے قوت بزو کا ہونا ضروری نہیں، کمزور انسان بھی اس زبان سے دوسروں کو تکلیف پہونچا سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ زبان کے گناہ کا دائرہ ہاتھ کی بہ نسبت بہت وسیع ہے۔ یہ زبان دو دھاری تلوار ہے ہر طرف کاٹ کرتی ہے ـــــــ:

تیر کا تلوار کا گھاؤ تو بھرا
لگا جو زخم زباں کا ہمیشہ رہا ہرا

زبان ایک ایسا عضو ہے کہ اس کے دائرہ کی کوئی حد نہیں، آسمان سے زمین تک پوری دنیا اس کے احاطہ میں آتی ہے، زبان کا احاطہ اتنا وسیع ہے کہ کوئی آدمی کسی اوٹ میں چھپ کر اس زبان سے پناہ نہیں لے سکتا، جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اس وقت سے لے کر جب تک دنیا باقی رہے گی اس وقت تک سارے انسانوں پر زبان چلتی ہے۔ کتنے اللہ والے دنیا سے چلے جاتے ہیں اپنے نیک اعمال کی بدولت وہ جنت میں آرام فرما رہے ہوتے ہیں اور دنیا والے ان کو گالیاں دے رہے ہوتے ہیں، ان کے بُرا بھلا کہنے سے ان اللہ والوں کے مرتبہ میں کوئی فرق نہیں آتا بلکہ بُرا بھلا کہنے والے خود اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں، کتنے لوگ صحابۂ کرامؓ کو برا بھلا کہتے ہیں العیاذ باللہ ثم العیاذ باللہ، صحابۂ کرام جن کو دربارِ خداوندی سے رضائے الٰہی کا پروانہ مل گیا، جن کی شان میں فرمایا گیا:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ (البینہ: ۸)

[اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے۔]

رضائے الٰہی سب سے بڑی چیز ہے، اللہ کی رضا مل گئی تو سب مل گیا، پھر بھی

لوگ صحابۂ کرام کے بارے میں زبان درازی کرتے ہیں، یہ کتنی بے احتیاطی کی بات ہے، برا بھلا کہنے والے کسی کا نہیں اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، کئی لوگ حضرات ائمۂ دین کو برا بھلا کہتے ہیں جن کے انتقال کو صدہا سال گزر چکے۔ اللہ کے بندو! ذرا یہ سوچو کہ تمہاری زمانہ والوں سے لڑائی کیا کوئی کم ہے کہ جن بزرگوں کو دنیا سے گزرے ہوئے صدہا سال بیت چکے، ان کی قبروں کے نشان تک مٹ گئے، اور لوگ ان کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، تو زبان کا دائرہ محدود نہیں، ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانہ اس کی زد میں آتے ہیں، اسی وجہ سے حدیث شریف میں ہاتھ کی تکلیف سے پہلے زبان کی تکلیف کو بیان کیا گیا، اس سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

’’بر‘‘ و ’’بحر‘‘ کی عجیب تفسیر:

حافظ ابن حجرؒ جو شارح بخاری ہیں، انہوں نے اپنی مشہور کتاب ’’منبہّاتِ ابن حجر‘‘ میں ایک جگہ بڑی کام کی بات تحریر فرمائی ہے، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا:

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِي النَّاسِ (الروم: ۴۱)

جس کا ترجمہ یہ ہے کہ [خشکی وتری میں لوگوں کے اعمال بد یعنی گناہوں کی وجہ سے بلائیں پھیلتی ہیں۔] ’’بر‘‘ کے معنی خشکی، زمین اور ’’بحر‘‘ کے معنی تری، سمندر، دریا۔ مگر حافظ ابن حجرؒ اس کی تفسیر میں حضرت ابوبکرؓ کا قول نقل فرماتے ہیں۔ مجھے وہی کہنا ہے، غور سے سنئے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ’’بر‘‘ سے مراد زبان اور ’’بحر‘‘ سے مراد دل لیتے ہیں، معنی یہ ہے کہ انسان کے اعمال بد کے نتیجہ میں انسان کی زبان اور دل خراب ہو جاتے ہیں، زبان

اور دل پر فساد آ جاتا ہے، اعمالِ بد کا اثر زبان اور دل پر پڑتا ہے، جس کے نتیجہ میں انسان لغو باتوں میں مشغول ہو جاتا ہے اور برائی کا احساس دل سے ختم ہو جاتا ہے۔ آگے تحریر فرماتے ہیں ”جب زبان خراب ہوتی ہے اور بگڑ جاتی ہے، تو اس پر جانیں روتی ہیں اور جب دل خراب ہوتا ہے، دل میں فساد آ جاتا ہے تو فرشتے روتے ہیں۔“

بولنے سے پہلے سوچ لو:

اس پر ایک واقعہ یاد آ گیا: دوسری صدی ہجری میں شیخ بہلولؒ ایک مشہور بزرگ گزرے ہیں، ان کی عادت تھی کہ پھٹے پرانے کپڑے پہنے ادھر اُدھر پھرتے رہتے تھے، بہت سے لوگ ان کو بہت عقلمند سمجھتے تھے اور ان کو ”بہلول دانا“ کہتے تھے لیکن کچھ ایسے بھی تھے جو ان کو پاگل سمجھتے تھے اور ”بہلول دیوانہ“ کہتے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بغداد کا ایک سوداگر شیخ بہلولؒ کے پاس آیا اور ان سے کہا:

”اے بہلول دانا! آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ میں کون سی چیز خریدوں جسے بیچ کر مجھے خوب نفع ہو۔“

شیخ بہلولؒ نے جواب دیا: ”روئی اور لوہا“

سوداگر نے بہت سی روئی اور لوہا خرید کر جمع کر لیا اور کچھ عرصہ بعد بیچ کر بہت نفع کمایا۔ ایک دن وہ پھر شیخ بہلولؒ کے پاس گیا اور ان سے پوچھا:

”اے بہلول دیوانے! اب میں کیا چیز خریدوں جس سے مجھے نفع ہو۔“

شیخ بہلولؒ نے جواب دیا: ”تربوز اور پیاز خرید لے۔“

سوداگر نے اپنے تمام روپے سے پیاز اور تربوز خرید لیے لیکن وہ جلد ہی سڑ گئے

اور سوداگر کو سخت نقصان اٹھانا پڑا۔ وہ شیخ بہلول کے پاس گیا اور بڑے غصہ کے ساتھ کہا:

''اے بہلول میں نے پہلی مرتبہ تم سے مشورہ کیا تھا تو تم نے کہا تھا کہ روئی اور لوہا خرید لو۔ یہ بڑا اچھا مشورہ تھا، میں نے اس کے مطابق عمل کیا تو مجھے بہت فائدہ ہوا لیکن دوسری مرتبہ تم نے مجھے غلط مشورہ دیا جس سے میری تمام پونجی برباد ہوگئی۔''

شیخ بہلول نے فرمایا: ''پہلی مرتبہ تو نے مجھے دانا کہا تھا اس لیے میں نے عقل کے مطابق مشورہ دیا تھا لیکن دوسری مرتبہ تو نے مجھے دیوانہ کہا تو میں نے دیوانہ بن کر مشورہ دیا۔''

سوداگر یہ سن کر بہت شرمندہ ہوا اور دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ بولنے سے پہلے سوچ لیا کرے گا۔

بزرگو اور دوستو اور پیارے نوجوانو! جو شخص دوسروں کی عزت کرتا ہے وہ ہمیشہ فائدہ میں رہتا ہے، اس لیے کبھی کوئی ایسی بات منہ سے نہ نکالو جس سے دوسروں کا دل دکھے۔

خلاصۂ کلام:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اسی زبان کے ذریعہ انسان لوگوں کی نظر میں محبوب بھی بن سکتا ہے اور اسی زبان کے ذریعہ وہ ذلیل وخوار بھی ہوسکتا ہے اور اس زبان کے صحیح استعمال سے وہ اپنی دنیا بھی بنا سکتا ہے اور آخرت کی دائمی کامیابی بھی حاصل کر سکتا ہے اور اسی زبان سے وہ اپنی دنیا وآخرت برباد کر سکتا ہے۔ اس وجہ سے بعض اکابرین نے بڑی عجیب بات تحریر فرمائی ہے، وہ یہ کہ اللہ کے نزدیک سب سے شریر وہ ہے جسے لوگ اس کی بدزبانی

کی وجہ سے چھوڑ دیں۔ زبان کو لوگوں کی شکایت سے بند کرو خوشی کی زندگی عطا ہوگی۔
حضرت معروف کرخیؒ کہتے ہیں کہ بہت بولنے والے اور بات میں پہل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ بے سہارا چھوڑ دیتا ہے، ذرا سوچیے کہ جسے اللہ تعالیٰ چھوڑ دے اس کا سہارا کون ہو سکتا ہے؟ اس کا کیا ٹھکانہ ہوسکتا ہے؟ وہ بھٹکتا ہی پھرے گا، اور اپنا اور دوسروں کا نقصان کرتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں زبان کا صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور زبان کو اپنے قابو اور کنٹرول میں رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

۵

زبان کی حفاظت

(قسط دوم)

بعض اکابرین سے پوچھا گیا بنی آدم میں کتنے عیوب ہیں؟ انہوں نے فرمایا: ناقابل شمار عیوب آدمی کے اندر موجود ہیں۔ جہاں تک ہم نے جمع کیا تو ان کی تعداد آٹھ ہزار سے متجاوز ہے، البتہ ہم نے ایک خصلت ایسی پائی ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر کاربند ہو جائے تو وہ اس کے تمام عیوب کو چھپا دے گی ، اور وہ ہے ''زبان کی حفاظت''۔ سبحان اللہ! کس قدر جامع اور زرّیں اصول بیان کیا گیا ہے۔

﴿ ۵ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زبان کی حفاظت

(قسط دوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ کُلُّ اُولٰٓئِکَ کَانَ عَنْہُ مَسْئُوْلًا. وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلاً. کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھًا.

(الاسراء:۳۶،۳۷،۳۸)

ترجمہ: [اور جس بات کی تجھ کو تحقیق نہ ہو اس کے پیچھے مت پڑ جایا کر (کیونکہ) کان اور آنکھ اور دل ہر شخص سے ان سب کی (قیامت کے دن) پوچھ ہوگی۔ اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل کیونکہ تو نہ زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ

(بدن کوتان کر) پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتا ہے۔ یہ سارے برے کام تیرے
رب کے نزدیک (بالکل) ناپسندیدہ ہیں۔] (بیان القرآن)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

زبان، کان آنکھ اور دل کے متعلق سوال ہوگا:

محترم بھائیو بزرگو اور دوستو! ہماری گفتگو ''زبان کی حفاظت'' کے متعلق چل رہی تھی، آج اسی موضوع کو آگے بڑھا رہا ہوں، خطبہ میں میں نے جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس میں حق تعالیٰ شانہ نے چند بداخلاقیاں بیان کی ہیں، زبان کے متعلق، آنکھ کے متعلق، قوت سماعت یعنی کان کے متعلق، دل اور ہاتھ کے متعلق اور چال کے متعلق کہ چال کیسی چلی جائے؟ یہ چند باتیں اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ذکر کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَلاَ تَقْفُ مَا لَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ

[جس چیز کے متعلق تمہیں تحقیق نہ ہو وہ دوسروں سے کہتے نہ پھرو۔]

جس چیز کے متعلق تمہیں علم نہ ہو اس کو شہرت نہیں دینی چاہیے، سنی سنائی بات کی تشہیر کرنا گناہ کا کام ہے، ہر جگہ یہ ایک عام بیماری ہے۔ آج کل اکثر بات اس طرح پھیل جاتی ہے کہ ایک شخص اپنے کسی دوست کو بات بتاتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کو شہرت نہیں دینی، یہ بات کسی کو مت بتانا، یہ میرے اور آپ کے درمیان راز ہے۔ اب جس نے بات کہی ہوتی ہے وہ بے چارہ بے حد مطمئن ہوتا ہے کہ میرا دوست اس بات کو پھیلائے گا نہیں، لیکن وہ دوست سنتے ہی کئی لوگوں کو بتا دیتا ہے اور بات بگڑ جاتی ہے، سارے گاؤں

میں آگ کی طرح بات پھیل جاتی ہے، یہ بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔

کسی کا راز فاش کرنا:

کسی کے راز کو فاش کرنا گناہ کبیرہ ہے۔اس کی مثال بالکل اسی طرح ہے کہ کسی نے آپ کے پاس ایک سو روپے امانت رکھے اور آپ نے اس کو پوچھے بغیر اس میں سے چند روپے خرچ کر ڈالے، جیسے یہ گناہ کبیرہ ہے ویسے ہی کسی نے آپ پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے راز کی بات بتلائی اور آپ نے اس کا اعتماد توڑ کر اس کے راز کو فاش کر دیا تو یہ بھی گناہ کبیرہ ہوا۔

سنی سنائی بات مشہور کرنا:

توسنی سنائی بات کو شہرت دینا کہ آپ نے سنا فلاں شرابی ہے، فلاں کو کسی غیر محرم سے تعلق ہے اور آپ نے بغیر اپنی آنکھوں سے دیکھے، اس واقعہ کی تحقیق کیے بغیر شہرت دینی شروع کر دی یہ انتہائی گھٹیا روش ہے، کل قیامت کے دن اللہ کے یہاں اس کا بھی حساب دینا پڑے گا، سنی سنائی بات کو مجالس میں بیان کرنا اور بغیر تحقیق کے تشہیر کرنا بہت بڑا گناہ ہے، ایسے شخص کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹا کہا ہے۔اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

كفى بالمرأ كذبا ان يحدث بكل ما سمع (مرقات: ۹/ ۱۹)

[آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے صرف یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔]

بدگمانی کرنا:

آج ہمارے معاشرہ میں یہ بیماری عام ہے، اگر تمہیں کسی چیز کا علم نہیں ہے تو پھر خواہ مخواہ اس کی شہرت نہیں کرنا چاہئے، اور صاحب واقعہ کے متعلق بدگمانی نہیں کرنا چاہئے۔ کبھی کوئی آکر کہتا ہے کہ فلاں شخص آپ کے متعلق یہ بات کہہ رہا ہے، یہ سنتے ہی سننے والا اس شخص کے متعلق دل میں کینہ اور حسد کرلیتا ہے، یہ صحیح نہیں ہے، اول معاملہ کی تحقیق کرنی چاہئے، اس لئے شریعت نے کینہ اور حسد تک بات پہنچنے سے پہلے فرمایا کہ کسی پر بدگمانی بھی مت کرو:

اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ (الحجرات: ۱۲)

[بعض بدگمانیاں گناہ ہیں۔]

بیان کے شروع میں جو آیت کریمہ تلاوت کی گئی ہے اس میں فرمایا ہے کہ قیامت کے دن زبان، آنکھ، کان، ہاتھ پاؤں سب کے متعلق باز پرس ہوگی۔

وعدہ کی اہمیت:

اور فرمایا گیا کہ:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلاً . (الاسراء: ۳۴)

[اور عہد (جو شریعت کے مطابق ہو) کو پورا کیا کرو، بیشک (ایسے) عہد کی باز پرس ہونے والی ہے۔]

سامنے والے کو یقین دلانا کہ اس کا راز فاش نہ ہوگا یہ آپ کی طرف سے کیا ہوا ایک وعدہ ہے، اور جو وعدہ شرع کے خلاف نہ ہو اس کے پورا کرنے کی شریعت میں تاکید

وارد ہوئی ہے، اوران وعدوں کے متعلق حساب دینا ہوگا، اس لئے اگر وعدہ کو پورا نہ کر سکتے ہوتو اول وعدہ کرنا ہی نہیں چاہئے، اور اگر وعدہ کر لیا تو پھر اسے نبھانا بہت ضروری ہے، قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ: ۱)

[اے ایمان والو! تم نے جو وعدے کئے ان کو پورا کرو۔]

اس سے بھی وعدہ کو پورا کرنے کی تاکید معلوم ہوتی ہے۔

ہمارے معاشرہ میں وعدہ خلافی:

آج ہم لوگ کتنی وعدہ خلافیاں کرتے ہیں، بہت سی وعدہ خلافی تو وہ ہیں جنہیں ہم وعدہ خلافی بھی نہیں سمجھتے، لیکن حقیقت میں وہ بھی ایک وعدہ خلافی ہے، اس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے کہ آج کل جب کسی گھر میں نکاح کا پروگرام ہوتا ہے، کارڈ بھیجے جاتے ہیں، چٹھیاں بھیجی جاتی ہیں، لوگوں کو مدعو کیا جاتا ہے کہ بھائی سہ پہر تین بجے نکاح ہے، پانچ بجے نکاح ہے، سات بجے نکاح ہے، آپ کو ضرور شرکت کرنی ہے لیکن زیادہ تر دیکھا گیا ہے کہ وقت موعود سے کافی تاخیر سے نکاح خوانی شروع ہوتی ہے، صحیح وقت پر نکاح نہیں ہوتا، میرے خود کے ساتھ کئی مرتبہ یہ واقعہ پیش آیا، مجھے نکاح پڑھانے کے لئے مدعو کیا گیا، نکاح پڑھانے کا وقت متعین ہو گیا، اور پھر وقتِ موعود سے کافی تاخیر سے دولہے والے آتے ہیں، میں بارہا بیان میں یہ بات کہتا رہتا ہوں کہ ایک متعینہ وقت پر مدعو کرنا اور پھر لوگوں کو گھنٹوں انتظار کرانا یہ بھی وعدہ خلافی ہے۔ ایک جگہ تو ایسا بھی ہوا کہ ایک نکاح کے پروگرام میں دو گھنٹے کی تاخیر ہوئی تو میں نے دولہے بھائی سے کہا کہ میں تو اس چیز کو

بیان میں ضرور کہوں گا تو اس نے کہا کہ نہیں مولوی صاحب! یہ ہمارے لئے باعث شرم ہےاور پھر کیا بولا؟ بولا کہ یہ ٹائم تو دیسی ٹائم ہے۔لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

وقت کی قدر و قیمت پر ایک مضبوط دلیل:

ہمارے پاس وقت کی کوئی قیمت ہی نہیں ہے، وقت کی قدر تو پہلے کے مسلمان کیا کرتے تھے،انگریزوں نے ان مسلمانوں سے ہی وقت کی قدر کو سیکھا۔اللہ تعالیٰ نے نماز کےاوقات مقرر کئے:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا. (النساء: ۱۰۳)

[ہم نے مؤمنوں پر نماز اوقات مقررہ میں فرض کی ہیں۔] اوقات مقررہ پر نماز ادا کی جاتی ہے، ہر نماز کا اپنا مقرر وقت ہے، اگر نماز کو اپنے مقررہ وقت میں ادا نہ کیا گیا تو نماز ضائع ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وقت کی کتنی اہمیت ہے، کہ نماز تو وہی چار رکعت، دو رکعت پڑھی لیکن وقت میں پڑھی تو ادا کہلاتی ہےاور وقت گذر جانے کے بعد پڑھی تو قضا کہلاتی ہے،تو اللہ تعالیٰ نے نماز کو اوقات مقررہ میں فرض کر کے ہمیں وقت کی قدر و قیمت سکھائی ہے، وقت کی اہمیت سکھائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں وقت کی قدر نصیب فرماوے۔ بقول حضرت تھانویؒ لوگ کہتے ہیں مسلمانوں کو وقت کی کوئی قدر نہیں ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایک سورۃ نازل فرمائی ہے،جس کا نام ہی سورۃ العصر ہے، ''العصر'' کے معنی زمانہ کے ہیں، اس سورت میں اللہ نے زمانہ کی قسم کھائی ہے:

﴿وَالْعَصْرِ﴾ [اور قسم زمانہ کی] اور اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کی قسم کھاتے ہیں تو اس سے مراد اس کی اہمیت بتلانا ہوتا ہے،یعنی زمانہ جو کہ ایک وقت ہےاس کی بہت اہمیت ہے۔

سچ بولنا بڑی نعمت ہے:

تو زبان سے وعدہ کر کے وعدہ خلافی کرنا عظیم گناہ ہے سچ بہت بڑی نعمت ہے، قرآن پاک میں اللہ کی صداقت پر مختلف جگہوں پر ذکر ہے۔ کہیں گیا ہے:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثاً. (النساء: ۸۷)

[اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچ بات کہنے والا کون ہوسکتا ہے]

کہیں کہا گیا:

وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ قِیْلاً. (النساء: ۱۲۲)

[اللہ سے بڑھ کر سچی بات کس کی ہوسکتی ہے]

کہیں فرمایا:

قُلْ صَدَقَ اللّٰہُ (آل عمران: ۹۵)

[اللہ نے سچ فرمادیا۔]

کہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ (الزمر:۳۳)

اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جس نے تصدیق کی وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں، جنہوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک بات کی تصدیق کی۔ اسی طرح صحابہ کرامؓ کے بارے میں قرآن کریم نے فرمایا: کہ جب غزوۂ احزاب کی تیاریاں شروع تھیں اور صحابہؓ سخت تکلیف میں تھے، بھوک سے نڈھال اور خندق کھودنے میں مصروف تھے۔ ایسے وقت میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بشارت دی کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک دن قیصر وکسریٰ بھی فتح ہو جائیں گے۔ تو منافقین مذاق اڑانے

لگے کہ:

مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا غُرُوْرًا (الاحزاب: ۱۲)

[اللہ اور اس کے رسول کا وعدہ (نعوذ باللہ) دھوکہ ہے۔]

لیکن مؤمن نے کیا کہا؟ ایمان والوں نے کہا:

قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (الاحزاب: ۲۲)

[کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو وعدہ کیا وہ سچا وعدہ کیا۔]

مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کی صفات:

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن مرد اور مؤمن عورتوں کی بہت سی صفات بیان کی ہیں:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْقَانِتَاتِ (الاحزاب: ۳۵)

آگے ارشاد فرمایا:

وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَات

[مؤمن مرد بھی سچے ہیں اور عورتیں بھی سچی ہیں۔]

اسی طرح ایک اور جگہ مؤمنین کی صفات ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

اَلصَّابِرِيْنَ وَالصَّادِقِيْنَ وَالْقَانِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ. (آل عمران: ۱۷)

[جو صبر کرنے والے اور سچ کہنے والے اور عاجزی کرنے والے اور خرچ کرنے والے اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنے والے ہوتے ہیں۔]

تو مؤمن کی ایک صفت ’’سچ بولنے والے‘‘ بیان کی گئی ہے کہ مؤمن سچے ہوتے ہیں، جھوٹ زبان پر نہیں لاتے۔

سچ بولنے کا انعام:

بنوامیہ کے پانچویں خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانہ میں حجاج بن یوسف عراق کا گونر تھا، ایک دفعہ ایک بڑے فوجی افسر ابنِ اشعث نے اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ کئی لڑائیوں کے بعد حجاج نے ابن اشعث کو شکست دی اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو گرفتار کرلیا، جب یہ قیدی حجاج کے سامنے لائے گئے تو وہ ان میں سے ایک ایک کے قتل کا اشارہ کرتا تھا اور جلاّد اس کی گردن اڑا دیتا تھا، ان میں سے ایک شخص کو جب اس نے قتل کرنے کا حکم دیا تو اس نے آگے بڑھ کر کہا: ’’اے امیر! میرا آپ پر ایک حق ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ اس حق کا لحاظ کر کے مجھے معاف کر دیں گے۔‘‘

حجاج نے پوچھا: ’’وہ کون سا حق ہے؟‘‘

قیدی نے کہا: ’’ایک دن جب ابنِ اشعث آپ کے خلاف طرح طرح کی باتیں کر رہا تھا، میں اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور آپ کی حمایت میں دیر تک گفتگو کرتا رہا۔‘‘

حجاج نے کہا: ’’شاید تم نے سچ کہا ہو مگر اس بات کا کوئی گواہ بھی ہے؟‘‘

اس نے کہا: ’’یہ قیدیوں کا گروہ جو اس وقت آپ کے سامنے حاضر ہے ان میں کوئی نہ کوئی اس وقت موجود ہوگا آپ خود ان سے پوچھ لیں۔‘‘

حجاج نے ان قیدیوں سے پوچھا تو ایک قیدی نے اٹھ کر کہا: ’’بے شک اس نے

ابنِ اشعث کی مخالفت اور آپ کی حمایت کی تھی اور جو کچھ اس نے بیان کیا ہے وہ بالکل سچ ہے میں اس وقت وہاں حاضر تھا۔"

حجاج نے اپنی حمایت کرنے والے قیدی کو چھوڑ دیا، پھر اس نے گواہی دینے والے قیدی سے کہا: "تم نے اس وقت میری حمایت میں کوئی بات کیوں نہیں کی اور ابن اشعث کے سامنے خاموش کیوں رہے؟"

اس نے کہا: اے امیر! میں تو آپ کے سخت خلاف تھا کیونکہ آپ نے میرے خاندان پر بڑے ظلم ڈھائے تھے۔ میں آپ کی حمایت میں کیوں بولتا؟ بس میں نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا۔"

حجاج نے کہا: "پہلے شخص کو تو میں نے اس لئے چھوڑ دیا کہ اس نے میرے دشمن کے سامنے میری حمایت کی تھی مگر تم کو اس لئے چھوڑتا ہوں کہ تم نے سچ بولا۔"

چنانچہ اس نے اس قیدی کو بھی آزاد کر دیا۔

منافق کی علامت:

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں منافق کی علامت ہیں۔

اذا حدث کذب و اذا وعد اخلف و اذا اؤتمن خان

(مرقات:۱/۲۱۱)

۱......جب بات کرے تو جھوٹ کہے۔

۲......اور وعدہ خلافی کرے۔

۳......امانت میں خیانت کرے۔

یہ منافق کی واضح علامات ہیں۔فرمایارسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

الصدق ینجی و الکذب یھلک.

[سچائی کامیابی دینے والی چیز ہےاور جھوٹ ہلاک کردینے والی چیز ہے۔]

مؤمن جھوٹانہیں ہوسکتا:

اسی طرح ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا:

قیل لرسول اللہ ﷺ ایکون المؤمن جبانا؟ قال: نعم. فقیل له ایکون المؤمن بخیلا؟ قال: نعم. فقیل له ایکون المؤمن کذابا؟ قال لا.
(مشکوۃ:۱/۴۱۴)

[اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا مؤمن بز دل ہوسکتا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں مؤمن بز دل ہوسکتا ہے۔ پھر پوچھا یا رسول اللہ! کیا مؤمن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں، مؤمن بخیل ہو سکتا ہے۔اس کے بعد اس صحابیؓ نے پوچھا کیا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مؤمن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، مؤمن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔] ایمان اور جھوٹ ایک دوسرے کی ضد ہے۔

جھوٹی گواہی:

ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آج مجھ پر ایک آیت نازل ہوئی ہے جس میں جھوٹی گواہی دینے والے کو اور مشرک کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے، وہ آیت یہ ہے:

فَاجۡتَنِبُوا الرِّجۡسَ مِنَ الۡاَوۡثَانِ وَاجۡتَنِبُوۡا قَوۡلَ الزُّوۡرِ. (الحج: ۳۰)

[تو تم لوگ گندگی (یعنی شرک) سے کنارہ کش رہو، اور جھوٹی بات سے کنارہ کش رہو۔]

جھوٹ کی بدبو:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو اس کے منہ سے اتنی بدبو آتی ہے کہ حفاظت کرنے والے فرشتے ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔ (مرقات:۹/۸۰)

تو جھوٹ اتنی بری چیز ہے کہ فرشتوں کو بھی اس سے تکلیف ہوتی ہے، آج ہمارے معاشرہ کی بہت سی بیماریوں میں سے ایک بیماری جھوٹ بھی ہے، اللہ تعالیٰ سچ بولنے والوں کو پسند فرماتے ہیں اور سچ بولنے والوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد بھی ہر وقت شریک ہوتی ہے، سچ انسان کو نیکی کے راستے پر لے جاتا ہے، جب کہ جھوٹ بولنے والوں کے لئے یہ دنیا بھی جہنم جیسی ہوتی ہے، جھوٹ بولنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد نہیں ہوتی اور جھوٹ انسان کو برائی کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

علیکم بالصدق فان الصدق یهدی الی البر و ان البر یهدی الی الجنة، و ما یزال الرجل یصدق و یتحری الصدق حتی یکتب عند الله صدیقا. و ایاکم و الکذب فان الکذب یهدی الی الفجور و ان الفجور یهدی الی النار، و ما یزال الرجل یکذب و یتحری الکذب حتی یکتب عند الله کذابا. (مرقات: ۹/ ۶۰)

[سچ بولنے کو اپنے اوپر لازم کرلو کیونکہ سچ بولنا نیکی کی طرف لے جاتا ہے، اور

نیکی انسان کو جنت میں لے جاتی ہے، اور جو آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور سچ کی عادت ڈال لیتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں صدیق لکھا جاتا ہے۔ اور تم جھوٹ سے اپنے آپ کو بچاؤ، اس لئے کہ جھوٹ گناہ کی طرف لے جاتا ہے اور گناہ انسان کو جہنم کی طرف لے جاتے ہیں، اور جو آدمی ہمیشہ جھوٹ بولتا رہتا ہے اور جھوٹ ہی کی عادت ڈال لیتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ کے یہاں جھوٹا لکھ دیا جاتا ہے۔]

چغل خوری بھی حرام ہے:

بعض لوگوں کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ وہ ادھر کی بات ادھر کرتے ہیں، اس کی برائی جا کر اس کے پاس کریں گے اور اس کی برائی اس کے پاس کریں گے اور اس طرح دونوں کے درمیان آگ لگاتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی برائی بھی ایک روایت میں بیان فرمائی ہے، قیامت کے دن سب سے زیادہ بری حالت اس شخص کی ہوگی جو دومنہ رکھتا ہو، یعنی جیسا ماحول اور جیسے افراد کے درمیان ہو ویسا ہی روپ دھر لیوے، دنیا والے اس کو کتنا ہی عقلمند کیوں نہ سمجھیں؟ لیکن حشر کے میدان میں وہ سب سے زیادہ بد حال ہوگا، چنانچہ ایک روایت میں ہے:

تجدون شر الناس يوم القيامة ذا الوجهين الذى يأتى هؤلاء بوجه و هؤلاء بوجه. (مشكوة: ۴۱۱)

[قیامت کے دن سب سے زیادہ بری حالت میں تم اس شخص کو پاؤ گے جو دومنہ والا ہو، ایک شخص یا ایک جماعت کے پاس آئے ایک چہرے کے ساتھ، اور

دوسری جماعت یاشخص کے پاس آئے دوسرے چہرے کے ساتھ۔]

یعنی دونوں جماعت یا دوخاندان یا دوشخص کے پاس جاتا ہواور ہرایک کی ہاں میں ہاں ملاتا ہو، اورسامنے والے کی برائی کرتا ہو یہی لوگ ہیں جوآگ لگانے کا کام کرتے ہیں، ایک کے پاس بیٹھ کر دوسرے کی برائی کر کے اس کا دل خراب کرتے ہیں اور نفرت پھیلاتے ہیں، اسی طرح دوسری جماعت کے پاس جا کر اول والے کی برائی کرتے ہیں اور اس کا دل خراب کرتے ہیں، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو ذو الوجہین کہا ہے، یعنی دو چہرے والا۔ نیز اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شخص کے متعلق فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن سب سے زیادہ بری حالت میں یہ لوگ ہوں گے۔ **اللّٰھم احفظنا منه.**

گالی گلوچ مؤمن کی شان نہیں ہے:

بعض ہمارے مسلمان بھائی بات بات میں گالی بولتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے گویا گالی ان کا تکیہ کلام ہوگیا ہے، بات کی ابتدا ہی گالی سے کرتے ہیں، بیوی بچوں، نوکروں یہاں تک کہ میں نے خود سنا ہے دیہاتوں میں کسان بیل گاڑی لے کر جاتے ہیں تو بیل کو بھی گالیاں بک رہے ہوتے ہیں، وہ بے چارہ ناسمجھ جانور کیا سمجھے گا کہ بندہ کیا بول رہا ہے؟ مگر یہ بندہ تو سمجھدار ہے، سمجھدار ہوتے ہوئے ناسمجھوں جیسا کلام کرتا ہے، اپنی زباں شیریں بناؤ، ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں غور سے سنو۔

امام ابوحمزہ سکریؒ کا انداز گفتگو بڑا دل کش تھا:

امام ابوحمزہ سکریؒ حدیث کے ایک راوی گزرے ہیں، سُکر عربی زبان میں

مٹھاس کو کہتے ہیں، آپ کے تذکرہ نگاروں نے آپ کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کو ''سکری'' اس لئے کہا جاتا تھا کہ آپ کی باتیں، آپ کا لہجہ اور آپ کا اندازِ گفتگو بڑا دل کش اور شیریں تھا۔ جب آپ بات کرتے تو ایسا لگتا تھا جیسے آپ کے منہ سے پھول جھڑ رہے ہوں، اور سننے والا آپ کی باتوں میں محو (گم) ہوجاتا تھا، آپ بغداد شہر کے ایک محلّہ میں رہتے تھے، کچھ عرصہ کے بعد آپ نے اپنا مکان بیچ کر کسی دوسرے محلّہ میں منتقل ہونے کا ارادہ کیا، خریدار سے معاملہ بھی تقریباً طے ہوگیا، اتنے میں ان کے پڑوسیوں اور محلّہ والوں کو پتہ چلا کہ وہ اس محلّہ سے منتقل ہوکر کہیں اور بسنے کا ارادہ کررہے ہیں، چنانچہ محلّہ والوں کا ایک وفد آپ کے پاس آیا اور آپ کی منت سماجت، گذارش وخوشامد کی کہ آپ یہ محلّہ نہ چھوڑیں، جب ابوحمزہ سکریؒ نے اپنا عذر بیان کیا تو تمام محلّہ والوں نے متفقہ طور پر آپ کو یہ پیش کش کی کہ آپ کے مکان کی جو قیمت متعین ہوئی ہے وہ قیمت ہم آپ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کردیتے ہیں، لیکن آپ ہمیں اپنے جوار سے محروم نہ فرمائیں، جب آپ نے محلّہ والوں کا یہ خلوص دیکھا تو منتقل ہونے کا ارادہ ملتوی کردیا۔

یہ تھا آپ کے حسن اخلاق اور میٹھی زبان کا اثر جس نے محلّہ والوں کو اپنا گرویدہ بنالیا تھا، لہٰذا ہمیں یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنی زبان کو میٹھی بنائیں، زبان سے گالی بکنا، کسی مؤمن کے نام کو بگاڑ کر بولنا مؤمن کی شان نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

وَلَا تَلْمِزُوْا اَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ (الحجرات: ۱۱)

[اور آپس میں طعنہ زنی نہ کرو اور نہ برے ناموں سے چڑایا کرو ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے۔]

(حقانی)

ایمان لانے کے بعد کسی مؤمن کو گنہگار کہا جاوے یہی بہت بری بات ہے، اس لئے ہم یہ کوشش کریں کہ ہماری زبان سے ہمارے عمل سے ہمارے ہمسایوں کو کسی طرح کی ناحق تکلیف نہ پہنچے اور یہ دنیا کی شہرت کے لئے نہ ہو، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لئے کیا جاوے۔

آپ کو معلوم ہے شریعت میں پڑوسی کا اتنا خیال رکھا گیا ہے اتنا خیال رکھا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کہ حضرت جبرئیلؑ مجھے پڑوسی کے حقوق کے بارے میں اتنی نصیحت کرتے تھے کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ شاید میراث میں بھی پڑوسی کا حصہ رکھوا دیا جائے گا۔

لین دین اور تجارت میں جھوٹ کی مذمت:

بزرگان محترم! ہم اپنی مجالس میں عام طور پر ایک دوسرے پر فوقیت ظاہر کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو بڑا آدمی بنانے کی فکر میں اپنی تعریف میں جھوٹی خبریں بڑے فخر کے ساتھ اور بڑھا چڑھا کر بیان کرنے کے عادی بن گئے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں میں تاجر طبقہ بھی اپنے کاروبار کو وسعت دینے کے لئے اپنی اشیاء کی جھوٹی تعریفیں کر کے یا سفید جھوٹ بول کر اپنی تجارت کو چمکانے کے لئے صبح سے شام تک ہزاروں مرتبہ جھوٹ بکواس میں مبتلا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّاب (الغافر: ۲۸)

[بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھ جانے والے جھوٹ بولنے والے کو ہدایت نہیں دیتا ہے۔]

ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

کبرت خیانة ان تحدث اخاک حدیثا هو لک به مصدق و انت به کاذب.

(مظاہر حق جدید: ۹/۴۳۰)

[یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے (مسلمان) بھائی سے کوئی بات کہو اور وہ تم کو اس بات میں سچا جانے جب کہ حقیقت میں تم نے اس سے جھوٹ بولا ہے۔]

مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہر حالت اور ہر موقع پر جھوٹ بولنا بہت برا ہے مگر اس صورت میں تو بہت ہی برا ہے کہ تم اپنے کسی مسلمان بھائی کے اعتماد کو ٹھیس پہنچاؤ، اس طریقہ سے کہ وہ تمہیں سچ بولنے والا سمجھے مگر تم اس سے جھوٹ بولو۔ اگر کسی نے اپنے کو بڑا جتانے کے لئے اپنی جھوٹی تعریف کی یا اپنے مال کی بکری کے لئے اپنے مال کی جھوٹی خوبی بیان کی اور حقیقت حال دوسری تھی تو جہاں یہ ایک جھوٹ ہے یہ ایک بڑی خیانت بھی ہے کیونکہ اس نے اپنے مسلمان بھائی کے اعتماد کو توڑا ہے۔

مزاحاً جھوٹ بھی ایمان کے کمزور ہونے کی علامت ہے:

کچھ لوگوں کی یہ بھی عادت ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو ہنسانے کے لئے مزاق میں جھوٹ بولتے ہیں، من گھڑت قصے بیان کرتے ہیں، جس سے ان کی مراد لوگوں کو ہنسانا ہوتا ہے حالانکہ یہ بھی ایک جھوٹ ہے، ایسے لوگوں کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

نے بربادی کی بددعا کی ہے۔فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے:

ویل لمن یحدث فیکذب لیضحک به القوم ویل له ویل له .

(مشکوۃ:۴۱۳)

[بربادی ہے اس کے لئے جو لوگوں کو ہنسانے کے لئے جھوٹ بات گھڑ کے کہے،اس کے لئے بربادی ہے،اس کے لئے بربادی ہے۔]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکیداً تین مرتبہ ''ویل لہ'' فرمایا۔ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

[بیشک بندہ جب ایک بات کہتا ہے اور صرف اس لئے کہتا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے تو وہ اس بات کی وجہ سے (دوزخ میں) زمین وآسمان کے فاصلہ سے بھی زیادہ دور جا گرتا ہے،اور بیشک بندہ اپنے قدموں کے پھسلنے سے زیادہ اپنی زبان کے ذریعہ پھسلتا ہے۔]

(مرقات:۹/۷۲)

یعنی دوسری برائیوں کی بہ نسبت زیادہ تر آدمی زبان کی حفاظت نہ کرنے کی وجہ سے جہنم میں جاتے ہیں،بعض روایات میں ہے کہ آدمی اس وقت تک کامل ایمان والا نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ جھوٹ کو نہ چھوڑے یہاں تک کہ مذاق میں بھی جھوٹ سے احتراز کرے۔ اس لئے کبھی مذاق میں بھی جھوٹ نہیں بولنا چاہئے۔ایسا نہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خوش طبعی نہیں فرماتے تھے،اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش طبعی فرماتے تھے،لیکن خوش طبعی میں بھی کبھی جھوٹ نہیں بولتے تھے،ایک مرتبہ ایک بوڑھی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے جنت کی دعا فرمادیجئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مزاحاً) فرمایا:بوڑھی عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی،

دربار رسالت سے یہ الفاظ سن کر بوڑھی عورت بہت رنجیدہ ہوئی، اور روتی ہوئی واپس جانے لگی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس عورت کو بتادو عورتیں اپنے بڑھاپے کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوں گی، اللہ تعالیٰ ان کو جوان بنادیں گے اور پھر جنت میں داخل کریں گے۔

(مظاہر حق جدید:۴/۴۵۰)

ایک موقعہ پر ایک صحابی نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم سے خوش طبعی بھی کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں لیکن اس خوش طبعی میں بھی میں سچی بات کہتا ہوں۔

(مرقات:۹/۱۰۷)

ان احادیث کی روشنی میں اپنے آپ کو ہر شخص دیکھ لے کہ وہ کتنے پانی میں ہے؟ بعض اکابرین سے پوچھا گیا بنی آدم میں کتنے عیوب ہیں؟ انہوں نے فرمایا نا قابل شمار عیوب آدمی کے اندر موجود ہیں، جہاں تک ہم نے جمع کئے ان کی تعداد آٹھ ہزار سے متجاوز ہیں، البتہ ہم نے ایک خصلت ایسی پائی ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر کاربند ہوجائے تو وہ اس کے تمام عیوب کو چھپادے گی، اور وہ ہے ''زبان کی حفاظت''۔ سبحان اللہ! کس قدر جامع اور زریں اصول بیان کیا گیا ہے۔ ایک بہت مشہور حدیث ہے جو آپ حضرات نے بارہا سنی ہوگی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص مجھے ضمانت دے دو چیزوں کی میں اس کو ضمانت دیتا ہوں جنت کی، ایک وہ چیز جو اسکے دو جبڑوں کے درمیان ہے یعنی زبان، اور دوسری وہ چیز جو اس کے دو پیروں کے درمیان ہے یعنی شرمگاہ۔ ایک دوسری حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن نہ تو طعنہ دینے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش گوئی کرنے والا اور نہ بدکاری کرنے والا ہوتا ہے۔

(مرقات:۹/۸۱)

وعدہ پورا کرنے کا ایک عجیب واقعہ:

امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں کئی جگہ اس واقعہ کو نقل کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے دو دوست تھے، ایک دوست سمندر کے کنارے اور دوسرا دوسرے کنارے رہتا تھا، ایک دوست کو روپیوں کی سخت ضرورت پڑ گئی تو دوسرے دوست کے پاس گیا اور کہا کہ بھائی مجھے روپیوں کی سخت ضرورت ہے ایک ہزار درہم مجھے دے دو، فلاں تاریخ کو میں ادا کر دوں گا، دوست نے ایک تاریخ کو واپس کرنے کا وعدہ لے کر ایک ہزار درہم دے دئے، اسے جس کام کے لئے ضرورت تھی، اپنا کام کیا اور مقررہ تاریخ آئی تو ایک ہزار درہم لے کر اپنے دوست کو وعدہ کے مطابق واپس کرنے چل پڑا۔ جب سمندر کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ سخت طوفان ہے، کوئی کشتی نہیں، اس پار جانے کا کوئی سامان نہیں، وہ انتظار کرنے لگا کہ شاید حالات ٹھیک ہو جائیں۔ چند دن گذر گئے لیکن طوفان شدید تر ہوتا چلا گیا تو بے چارہ بڑا پریشان ہوا اور ایک لکڑی کا تختہ اٹھا کر اس میں سوراخ کر کے ایک ہزار درہم اس میں رکھے اور ساتھ ایک خط بھی رکھا کہ میرے دوست میں وعدہ کے مطابق مقررہ تاریخ کو پہنچانا چاہتا تھا لیکن میرے راستہ میں یہ مشکل تھی، میں اللہ تعالیٰ کے بھروسے اور توکل پر یہ رقم آپ کو روانہ کر رہا ہوں اور اس لکڑی کو سمندر کے طوفانی موجوں کے حوالہ کر دیا۔ سمندر کے دوسرے کنارہ دوسرا دوست جس سے قرض لیا گیا تھا وہ بے چارہ بھی بڑا پریشان حال انتظار کر رہا تھا کہ آج میرا دوست آ کر مجھے اپنی رقم دے گا، چند دن انتظار کر کے جب مایوس ہوا تو واپس ہوتے وقت اس کی نگاہ سمندر پر تیر رہے لکڑے کے تختہ پر پڑی، اس نے سوچا کہ دوست تو آیا نہیں اس لکڑے کو

گھر لے جاتا ہوں، جلانے کے کام آئے گی، گھر گیا،لکڑی کو توڑا تو لکڑی کے درمیان سے ایک ہزار درہم اور دوست کا خط پایا۔ جب ہفتہ دو ہفتہ بعد طوفان تھم گیا تو قرض لینے والا دوست قرض دینے والے دوست کے پاس دوسرے ایک ہزار درہم لے کر حاضر ہوا، اور بولا کہ بھائی میں معذرت چاہتا ہوں، میں آپ کی امانت وقت پر نہیں پہنچا پایا، اپنی امانت لے لیجئے، اس نے کہا بھائی تمہاری بھیجی ہوئی رقم مجھے مل چکی ہے، اور اس نے اپنا پورا قصہ سنایا، اس پر دونوں نے اللہ کا شکر ادا کیا۔

دعا:

سچ ہے جو نیکی کے راستہ پر چلنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پوری مدد فرماتے ہیں، اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا﴾ (الطلاق:۲) [اور جو اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (تنگی میں بھی) راستہ نکال دیتے ہیں۔] آگے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ﴾ (الطلاق:۲) [جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنا کام (جس طرح چاہیں) پورا کر کے رہتے ہیں۔] اللہ تعالیٰ ہم تمام کو تقویٰ کی دولت سے مالا مال فرماوے، اور زبان کی حفاظت نصیب فرماوے، اس زبان سے زیادہ سے زیادہ نیکی کے کام کرنے کی توفیق عطا فرماوے، اور تمام رذائل و اخلاق فاسدہ سے ہم تمام کی حفاظت فرماوے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

﴿ ۶ ﴾

زبان کی حفاظت

(قسط سوم)

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ بڑی عجیب مثال دیتے تھے، فرماتے ہیں ایک آدمی اللہ کی نعمت کھانے کے لئے چمچہ استعمال کرتا ہے، اس چمچہ سے کھانا نکالتا ہے، کھانا کھاتا ہے، کسٹرڈ کھاتا ہے اور قسم قسم کے فالودے کھاتا ہے، اور اگر اسی چمچہ سے پھر کوئی نجاست نکالنے لگے تو اس چمچہ کی کتنی بے حرمتی ہے؟

فرمایا: اللہ نے جو زبان بنائی ہے اس سے اللہ کا ذکر، تسبیح اور اللہ کی پاکی بیان کرنے کے بجائے اس سے غیبت کی جائے، چغل خوری کی جائے، طعن و تشنیع کی جائے، گالیاں بکی جائیں تو یہ ایسا ہی ہے کہ جس زبان سے اللہ کا پیارا نام لیتا ہے اسی زبان (چمچہ) سے نجاست اور غلاظت بھی اٹھاتا ہے، تو یہ زبان کی نعمت کی ناقدری ہوئی یا نہیں؟

﴿ ٦ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

زبان کی حفاظت

(قسط سوم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیْعَنَا وَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o
یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا. یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا.
(الاحزاب:۷۰،۷۱)

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو، اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال کو قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا سو وہ بڑی کامیابی کو پہونچے گا۔]

وقال النبی ﷺ من کان یؤمن باللّٰہ و الیوم الآخر فلیقل خیرا او لیصمت. او کما قال علیہ الصلوٰۃ و السلام.

[اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ جب بولے بھلائی کی بات بولے یا تو پھر خاموش رہے۔]

صدق الله مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد لله رب العالمین۔

زبان اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے:

بزرگان محترم! ابھی ابھی میں نے آپ حضرات کے سامنے قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی آیت اور ایک حدیث مبارکہ تلاوت کی ہے، جس کے ذیل میں چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اس آیت اور حدیث میں زبان کے متعلق کچھ باتیں بیان کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بہت ساری نعمتیں عطا فرمائی ہیں، اس میں سے ایک بہت بڑی نعمت زبان ہے، زبان جسم کا ایک عضو ہے، اور بہت قیمتی عضو ہے، جب انسان پیدا ہوا اسی وقت سے اللہ نے زبان بھی پیدا فرمائی، زبان اللہ نے مافی الضمیر کی ادائیگی کے لئے بنائی ہے، انسان کے دل میں جو خیال آتا ہے اس کو اپنی زبان کے ذریعہ وہ ادا کرتا ہے، اپنی بات کو سمجھا پاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس نعمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خَلَقَ الْاِنسَانَ. عَلَّمَهُ الْبَیَانَ.

[اس نے انسان کو پیدا کیا پھر اس کو بولنا سکھایا۔]

اور زبان اللہ کی بنائی ہوئی ایک ایسی مشین ہے کہ انسان بچپن سے لے کر موت تک بولتا رہتا ہے لیکن کبھی وہ خراب نہیں ہوتی، اس کی بیٹری چارج نہیں کرنی پڑتی، اس کا بل نہیں آتا، دوسری انسان کی بنائی ہوئی مشینیں کچھ وقت میں خراب ہو جاتی ہیں، اپنی صلاحیت کھو دیتی ہیں، لیکن زبان میں اللہ نے وہ صلاحیت دی ہے اس سے جتنا بولتے

رہو وہ کبھی خراب نہیں ہوتی، اور یہ مشین چونکہ بغیر مانگے اور بغیر خرچ کئے مل گئی ہے اس لئے ہمیں اس کی قدر نہیں ہے، اور ہم اس سے بہت غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، ہمارا کنٹرول زبان پر سے ہٹ گیا ہے۔

زبان کی حفاظت فرض ہے:

جیسے نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، ہر ایمان والا اس کو سمجھتا ہے، اسی طرح زبان کا صحیح استعمال کرنا بھی فرض ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو قرآن میں بیان کیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا.

[اے ایمان والو اللہ سے ڈرو، اور درست بات کہو۔]

تو جیسے ﴿وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ کا اللہ نے حکم دیا اسی طرح اللہ نے قرآن میں زبان کی حفاظت کا بھی حکم دیا۔

اچھی بات کہے یا خاموش ہو جائے:

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر فليقل خيرا او ليصمت.

[جو شخص اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ زبان سے اچھی بات کہے، خیر کی بات کہے یا تو پھر خاموش رہے۔]

جب سننے والے کے دل میں کسی بات کی اہمیت پیدا کرنی ہوتی تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بات سے پہلے "من كان يؤمن بالله و اليوم الآخر" فرماتے تھے،

کہ جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہوگا وہی عمل کرے گا، جس کا ایمان ہوگا وہی عمل کرے گا، جیسے ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من کان یؤمن باللّٰہ و الیوم الآخر فلیکرم ضیفہ . (بخاری شریف)

[جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے چاہئے کہ مہمان کا اکرام کرے۔]

تو یہاں "**من کان یؤمن باللّٰہ و الیوم الآخر**" عمل پر ابھارنے کے لئے ہے، عمل پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہے، تاکہ سامعین اس پر تاکید کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی نیت کرلے۔ آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: [اسے چاہئے کہ زبان سے اچھی بات کہے، خیر کی بات کہے یا تو پھر خاموش رہے۔] ایک آیت میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرہ: ۸۳) [اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

ان العبد لیتکلم بالکلمۃ ما یتبین فیھا یزل بھا فی النار ابعد ما بین المشرق و المغرب. (مرقات: ۹/۵۴)

[بندہ ایک کلمہ اپنی زبان سے نکالتا ہے اور وہ اسے خاطر میں بھی نہیں لاتا لیکن اس کی وجہ سے وہ جہنم کے اندر مشرق و مغرب کے درمیان کی دوری سے بھی زیادہ دور جا گرتا ہے۔]

ایک دوسری حدیث میں حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں

کہ میری ملاقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

ما النجاة؟ فقال: املک علیک لسانک، ولیسعک بیتک، وابک علی خطیئتک. (مرقات: ۹/ ۷۴)

[(دنیا وآخرت میں) نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی زبان کو قابو میں رکھو، تمہارا گھر تمہاری کفایت کرے، اور اپنے گناہوں پر روؤو۔]

ایک دوسری حدیث میں حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

ما اخوف ما تخاف علی؟ قال فاخذ بلسان نفسه و قال هذا.
(مرقات: ۹/ ۷۹)

[آپ کو سب سے زیادہ ڈر مجھ پر کس چیز کا ہے؟ راوی فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک کو پکڑ کر بتلایا کہ اس کا (یعنی زبان کا)۔]

ایک جملہ کی وجہ سے جنت کے درجات یا جہنم کے طبقات:

اور ایک حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان العبد لیتکلم بالکلمة من رضوان اللّٰہ لا یلقی لها بالا، یرفع الله بها درجات، و ان العبد لیتکلم بالکلمة من سخط الله لا یلقی لها بالا، یهوی بها فی جهنم. (مرقات: ۹/ ۵۳)

کوئی بندہ اپنی زبان سے اچھی بات نکالتا ہے اور اس کے دل میں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہوتی لیکن فرمایا جنت کے بڑے بڑے درجات اس ایک لفظ سے وہ حاصل کر لیتا ہے۔جیسا مثال کے طور پر ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کسی ماں کا بیٹا گم ہو گیا یا مر گیا اور کوئی شخص اس کو تسلی دے اور اس کو صبر کی تلقین کرے، یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اس تعزیت کرنے اور تسلی دینے پر اس کو اللہ تعالیٰ جنت کا حلّہ اور جنت کا لباس پہنائیں گے۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد تشریف لائے، ام المؤمنین حضرت جویریہؓ ازواج مطہرات میں سے ہیں، وہ تسبیح پڑھ رہی تھیں، دانے رکھے ہوئے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے، جب دوپہر کو تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ جویریہؓ ابھی بھی تسبیح پڑھ رہی ہیں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، اے جویریہ! میں صبح تم کو چھوڑ کر گیا تھا اس وقت سے اب تک تم تسبیح ہی پڑھ رہی ہو؟ انہوں نے کہا اللہ کے رسول! میں اس وقت سے اب تک تسبیح ہی پڑھ رہی ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تجھ سے جدا ہوا اور آیا میں نے چند کلمات پڑھے، اگر تو وہ پڑھ لیتی تو صبح سے لے کر ظہر تک جتنی تسبیح تو نے پڑھی ہے اس کے برابر ثواب ہو جاتا۔وہ کلمات یہ ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ عَدَدَ خَلْقِهٖ وَ رِضَا نَفْسِهٖ وَ زِنَةَ عَرْشِهٖ وَ مِدَادَ كَلِمَاتِهٖ. (مشکوۃ: ۱/۲۰۰)

دیکھو یہ بھی زبان سے نکلے ہوئے جملے اور کلمات ہی تو ہیں، آج صبح کی نماز کے بعد آپ حضرات کو تفسیر ابن کثیر کے حوالہ سے ایک کلمہ یاد کرایا تھا، کہ ایک صاحب نے اللہ

تعالیٰ کی حمد وثنا میں ایک چھوٹا سا جملہ کہا:

یَا رَبِّ لَکَ الْحَمْدُ کَمَا یَنْبَغِیْ لِجَلَالِ وَجْھِکَ وَ عَظِیْمِ سُلْطَانِکَ

[اے میرے رب تمام تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں جیسا کہ تیری شان ہے، تیری جاہ وجلال ہے اور جیسی تیری ذات ہے اس کے اعتبار سے میں تیری حمد وثنا کرتا ہوں۔]

تو فرشتے گھبرائے کہ اس کا ثواب کتنا لکھیں، فرشتوں نے باری تعالیٰ سے دریافت کیا، اے باری تعالیٰ تیرے بندے نے تیری تعریف میں یہ کلمات کہے ہیں اس کا ثواب کتنا لکھیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو چھوڑ دو، اسے اپنی ملاقات پر ثواب دوں گا۔ تو دیکھو یہ اللہ کی حمد کی یہ بھی تو زبان ہی سے کی، اس پر کتنا ثواب ملا اور اگر اسی زبان سے کسی کو گالی دے دی، کسی کی غیبت کر لی اور اسی زبان سے پتہ نہیں کہہ دیا، یا کسی کو طعنہ دے دیا، کسی کو تہمت لگا دی، کسی کو طنز کر دیا تو اس کا وبال کیا ہوگا؟ یہ بھی تو چند جملے ہی ہیں اور اس کو معمولی سمجھتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے متعلق فرماتے ہیں:

و ان العبد ليتكلم بالكلمة من سخط الله لا يلقى لها بالا، يهوى بها في جهنم. (مرقات: ۵۳/۹)

[اور ایک بندہ اپنی زبان سے اللہ کو ناراض کرنے والے کلمات کہتا ہے اور اس کے دل میں اس کی کوئی اہمیت بھی نہیں ہوتی لیکن فرمایا کہ اس کی وجہ سے وہ جہنم میں چلا جاتا ہے اور بہت گہرائی تک پہنچ جاتا ہے]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بہت سے لوگ اپنی زبان کی وجہ سے جہنم

میں اوندھے منہ ڈالے جائیں گے، کسی کو طعنہ دے دینا، کسی کی غیبت کر دینا، کسی کو برا کہہ دینا، قرآن پاک کہتا ہے:

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النساء: ۱۴۸)

[اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو (کسی کے لئے) پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے۔]

مظلوم اگر ظالم کی شکایت کرے تو بات الگ ہے اور کسی کو طعنہ دینا، کسی کی غیبت کرنا، اس کے بارے میں قرآن نے کیا کہا؟ ہم بار بار پڑھتے ہیں اور یہ آیت ہم بار بار سنتے ہیں:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ (الهمزة: ۱)

[ہلاکت ہو اس شخص کے لئے جو طعنہ مارتے ہیں، چغل خوری کرتے ہیں۔]

انگریزی میں ویل خوشی کے معنی میں آتا ہے، کہتے ہیں ویل کم (welcome) مگر عربی میں ویل بربادی کے معنی میں آتا ہے، ہلاکت کے معنی میں آتا ہے۔

تو اگر کسی نے چغل خوری کی یا طعنہ مارا تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے فرماتے ہیں کہ اس کے لئے ہلاکت ہے بربادی ہے، تو یہ بھی زبان سے کیا جاتا ہے تو زبان کو اگر صحیح استعمال کیا جائے تو جنت کما سکتے ہیں، آخرت کا ذخیرہ جمع کر سکتے ہیں، اور اگر اس کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو یہی زبان جہنم میں گرنے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

زبان سے دین سکھاؤ:

آپ نے کسی کو دیکھا بے چارہ نماز صحیح نہیں پڑھ رہا ہے، آپ نے اس کو تنہائی میں بلا کر محبت سے سمجھایا کہ دیکھو تم جس طریقہ سے نماز پڑھ رہے ہو یہ صحیح نہیں ہے، اس

طرح پڑھا کرو۔ آپ کے دو الفاظ بولنے سے اس نے اپنی نماز صحیح کرلی، زندگی بھر وہ جتنی نمازیں پڑھتا رہے گا اس کے ساتھ ساتھ آپ کے نامۂ اعمال میں بھی اس کا ثواب پہنچتا رہے گا، یہ بھی تو زبان سے ہوا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "**الدال علی الخیر کفاعله**" نیکی کا طریقہ بتلانے والے کو بھی اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا نیکی کے کرنے والے کو ملتا ہے۔

اسی سال کا کفر ایک کلمہ سے ختم:

ایک اسی سال کا بوڑھا کفر میں رہا، دل سے تصدیق کر کے، زبان سے اقرار کر کے "**لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ**" کہتا ہے، یہ اقرار بھی زبان سے کیا جاتا ہے، جب اس نے کلمہ پڑھ لیا، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

الاسلام یهدم ما کان قبله.

[اسلام لانا پچھلے سارے گناہ کو معاف کر دیتا ہے۔]

تو اس کے کلمہ پڑھتے ہی اس کے پچھلے سارے گناہ معاف ہو گئے۔

زبان سے حرام کھانا:

تو زبان سے غیبت کرنا، گالی گلوچ کرنا اور پھر اس زبان سے حرام کھانا، زبان کو تو کچھ محسوس نہ ہوگا دل کو لگتا ہے لیکن یہ زبان کی نعمت کی ناقدری ہے، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ بڑی عجیب مثال دیتے تھے، فرماتے ہیں ایک آدمی اللہ کی نعمت کھانے کے لئے چمچہ استعمال کرتا ہے، اس چمچہ سے کھانا نکالتا ہے، کھانا کھاتا ہے، کسٹرڈ کھاتا ہے اور قسم قسم کے فالودے کھاتا ہے اور اگر اسی چمچہ سے پھر کوئی نجاست نکالنے لگے تو اس چمچہ

کی کتنی بے حرمتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو زبان بنائی ہے اس سے اللہ کا ذکر، اللہ کی تسبیح، اللہ کی پاکی بیان کرنے کے بجائے اس سے غیبت کی جائے، چغل خوری کی جائے، طعن و تشنیع کی جائے یا گالی گلوچ کی جائے تو یہ ایسا ہی ہے کہ جس زبان سے اللہ تعالیٰ کا پیارا نام لیتا ہے اسی زبان (چمچہ) سے نجاست اور غلاظت بھی اٹھاتا ہے، تو یہ زبان کی نعمت کی ناقدری ہوئی یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں بھی زبان کو پاکیزہ رکھا:

میرے پیر و مرشد حضرت مولانا حکیم اختر صاحب نور اللہ مرقدہٗ فرماتے تھے کہ یہ تو بہت مشہور بات ہے بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، وہاں عام طور سے نو مہینے رہتا ہے، وہاں اللہ تعالیٰ اس کو غذا پہنچاتے ہیں، اس کی غذا کیا ہوتی ہے؟ حیض کا خون اس کی غذا ہوتی ہے، حمل کی حالت میں عورت کو حیض کا آنا بند ہو جاتا ہے، اور وہی خون پیٹ میں پل رہے بچہ کی غذا بن جاتی ہے لیکن کس ذریعہ سے اللہ پہنچاتا ہے؟ ناف (نال) کے ذریعہ اللہ اس کی غذا پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ چاہتے تو وہاں منہ کے ذریعہ بھی غذا پہنچا سکتے تھے لیکن اللہ نے ماں کے پیٹ میں بھی زبان کو پاکیزہ رکھا، حیض کے گندے خون کو زبان سے لگنے نہیں دیا، اب دنیا میں آکر اس زبان کو ناپاک کردے یہ کس قدر ناقدری ہے، اس لئے قرآن کہتا ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ [اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو] ﴿وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا.﴾ (الاحزاب:۷۰) [اور درست بات کہو۔]

بات تیر کی طرح ہے:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: زبان سے جو بات نکلتی ہے وہ تیر کی طرح ہے، آج کے

حساب سے کہوں تو بندوق کی گولی ہے، زبان سے نکل گئی اب واپس لاؤ نہیں آ سکتی ہے، جو تیر کمان سے چھٹک گیا، بندوق سے گولی نکل گئی اب اس کو دوبارہ لانا چاہو نہیں آ سکتی۔ اب اگر زبان سے اچھی بات نکلی، اس سے کسی کو تسلی دے دی وہ جنت کا ذخیرہ ہو گیا، اور اگر اسی زبان سے کسی کا دل توڑ دیا تو وہ اس کے لئے وبال بن جائے گی، ہمارے والد صاحب ایک بات کہا کرتے تھے، کانچ کا برتن ٹوٹ جاتا ہے تو جڑتا نہیں ہے، اسی طرح دل جو ہے وہ ایک مرتبہ ٹوٹ جاتا ہے تو پھر وہ جڑتا نہیں ہے، اس لئے حضرت علیؓ فرمایا کرتے تھے، بڑی عجیب بات فرماتے تھے:

جراحات السنان لها التیام

و لا یلتام ما جرح اللسان

بھالے اور تلوار کا زخم ٹھیک ہو سکتا ہے، مندمل ہو سکتا ہے، لیکن زبان کا زخم جو دل پر لگتا ہے وہ ٹھیک نہیں ہوتا۔

مؤمن کی حرمت کعبۃ اللہ سے زیادہ ہے:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ کعبۃ اللہ کے پاس تشریف لائے تو کعبۃ اللہ کی طرف ایک نگاہ اٹھا کر دیکھا اور فرمایا: اے کعبۃ اللہ تیری عظمت اور تیری حرمت کا کیا پوچھنا؟ لیکن ایک مؤمن کا دل تجھ سے زیادہ عظمت اور حرمت والا ہے، اس لئے کہ کعبۃ اللہ کو اگر ایک مرتبہ توڑ دیا جائے تو دوبارہ بن سکتا ہے لیکن مؤمن کے دل کو توڑا تو پھر وہ نہیں جڑتا۔

(معالم العرفان فی دروس القرآن)

دل بدست آر کہ حج اکبر است

صد ہزار کعبہ یک دل بہتر است

زبان کو قابو میں رکھنے کا نسخہ:

ہم اپنی مجلس میں گپ شپ بکتے ہیں، زبان پر کوئی کنٹرول نہیں، حضرت ابوبکر صدیق ؓ جب بیٹھتے تھے تو ایک پتھر، کنکرا اپنے منہ میں رکھ لیتے تھے، جس میں کوئی مزہ بھی نہیں، سویٹ اگر ہوتو اس میں مزہ ہے، کسی نے آپؓ سے پوچھا کہ آپ جب بیٹھتے ہیں تو ایک پتھر منہ میں ڈال لیتے ہیں، ایسا کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں اپنی زبان کو کنٹرول میں رکھنے کے لئے یہ پتھر منہ میں ڈال لیتا ہوں، تا کہ بلاضرورت بات نہ نکلے۔ (مرقات:۹/۹۵)

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے تو دیکھا کہ آپ اپنی زبان کو پکڑ کر کھینچ رہے ہیں تو حضرت عمرؓ نے کہا:

مہ غفر اللہ لک فقال ابوبکر ان ھذا اوردنی الموارد (مرقات: ۹/۹۵)

[یہ کیا ہو رہا ہے؟ اللہ آپ کو معاف کرے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اس نے مجھ کو بڑی ہلاکتوں میں ڈالا ہے]

اس کی وجہ سے میں نے بہت کچھ کھویا، اس نے مجھ کو بہت گھاٹا پہنچایا ہے، ذرا اس کو متنبہ کر رہا ہوں۔ کس قدر بڑے جلیل القدر صحابی ہیں آپ، مگر آپ کو زبان کی قدر تھی۔ اللہ اکبر یہ اس شخص کے احتیاط کا عالم ہے جن کا لقب صدیق ہے، جن کی زبان سے سچ کے علاوہ کچھ نہیں نکلا، یہ ان کی بات ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے:

و اللہ ما علی الارض شیء احوج الی طول سجن من لسانی (جامع العلوم:۴/۲۷)

[زمین پر پائی جانے والی کسی بھی چیز کو میری زبان سے زیادہ لمبی قید و بند میں رکھنے کی ضرورت نہیں ہے]

مطلب ظاہر ہے کہ زبان ہی اس قابل ہے کہ اس کو زیادہ سے زیادہ بند رکھا جائے، اور بوقت ضرورت شدیدہ ہی کھولا جائے۔

ایک مشہور عالم حضرت یونس بن عبید ؒ فرماتے ہیں:

ما رأيت احدا لسانه منه على بال الا رأيت ذلك صالحا فى سائر عمله.
(جامع العلوم والحکم:۴۷/۲)

[میں نے اعمال صالحہ کا خوگر اسی شخص کو پایا جس کو اپنی زبان پر قابو پایا دیکھا۔]

بے کار باتوں کا نتیجہ:

لہذا ہر انسان کو چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو بے کار اور لغو باتوں سے بچائے۔ حضرت مالک بن دینار ؒ فرماتے ہیں کہ بے کار اور لغو باتیں کرنے سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ پھر اللہ کی یاد میں رونا نہیں آتا اور اللہ کے خوف سے رونا نہیں آتا، اسی طرح اس سے آدمی کام کاج میں سست ہو جاتا ہے اور رزق میں کمی ہو جاتی ہے۔ تو آدمی اچھی بات کہے ورنہ پھر بہتر یہی ہے کہ خاموش رہے۔ اگر کسی کو بھلائی نہیں پہنچا سکتا تو برائی سے بچے۔

غیبت زنا سے شدید ہے، سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی ؒ اور غیبت:

ہماری مجالس میں ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہتی ہیں، کسی کے بارے میں تبصرہ شروع ہو گیا کہ فلاں صاحب ایسے ایسے ہیں، متقی ہیں، بڑے اچھے ہیں مگر، جہاں ''مگر'' آ گیا یا ''لیکن'' آ گیا بس وہیں سے غیبت شروع ہو گئی۔ سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی ؒ کے پاس ایک شخص آیا اور اس نے کہا حضرت مجھ سے ایک بہت بڑا گناہ ہو گیا، میرے

لئے مغفرت کی دعا کردیجئے کہ اللہ میرے اس گناہ کو معاف فرمادیں، بار بار یہی کہتا رہا، حضرت نے فرمایا سچی توبہ کرو، ہم بھی دعا کریں گے مگر پھر بھی وہ کہتا رہا، حضرت بہت بڑا گناہ ہوگیا ہے، پھر آپ نے بغرض اصلاح پوچھا، اللہ والے اصلاح کرتے ہیں کسی کو ذلیل نہیں کرتے، تجسس مقصود نہیں ہوتا، تو اصلاح کے ارادہ سے پوچھا آخر کون سا ایسا بڑا گناہ ہوگیا کہ تو اتنا پریشان ہے؟ اس نے کہا حضرت مجھ سے زنا ہوگیا ہے، آپ نے فرمایا واقعی بہت بڑا گناہ ہے لیکن جب تو بار بار کہہ رہا تھا کہ بہت بڑا گناہ ہوگیا تو میں سمجھا کہ تو نے کسی کی غیبت کی ہے۔

اور یہ بات حدیث میں بھی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الغيبة اشد من الزنا.

[غیبت زنا سے بھی زیادہ شدید گناہ ہے۔]

غیبت زنا سے زیادہ سخت گناہ کیوں ہے؟ اس کی علت بیان کرتے ہوئے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان الرجل ليزني فيتوب فيتوب الله عليه و ان صاحب الغيبة لا يغفر له حتى يغفرها له صاحبه.

(مرقات:۹/۹۸)

[اگر کسی شخص سے زنا ہوجاتا ہے تو وہ اللہ سے توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ کو قبول کرلیتے ہیں اور اسے معاف کردیتے ہیں، اور غیبت کرنے والے کی تب تک مغفرت نہیں ہوتی جب تک اسے وہ شخص معاف نہ کردے جس کی اس نے غیبت کی ہے۔]

زنا کرنے والا شرمندہ ہوتا ہے، پچھتاتا ہے، بار بار روتا ہے، اللہ کے سامنے گڑگڑاتا ہے اس کو اپنے گناہ کا احساس ہوتا ہے اور توبہ کرتا ہے، اور چونکہ اس کا گناہ حق العبد سے متعلق نہیں ہے صرف حق اللہ سے متعلق ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتے ہیں اور اس کی مغفرت ہو جاتی ہے، اور غیبت کرنے والے کا گناہ حق العبد سے متعلق ہے اس لئے جب تک بندہ معاف نہ کرے اللہ معاف نہیں کرتے، اور غیبت کرنے والا جس کی اس نے غیبت کی ہے اس سے معافی نہیں مانگتا تو اس کے سر غیبت کا گناہ باقی رہ جاتا ہے اس لئے غیبت یہ زنا سے بھی زیادہ سخت برا گناہ ہوا، یہ غیبت اتنا خطرناک گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (الحجرات: ۱۲)

[اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے، اس کو تو تم ناگوار سمجھتے ہو۔]
(بیان القرآن)

ایک دوسری حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جانتے ہو غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ نے کہا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تیرا تیرے بھائی کے متعلق ایسی بات کہنا جو اس کو بری لگے، کسی نے پوچھا، اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھلا اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو تو؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر وہ بات اس میں

موجود ہو تب ہی تو غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں موجود نہ ہو تو وہ بہتان ہے۔

غیبت سے محفوظ رہنے کا طریقہ:

تو معاملہ ''مگر'' اور ''لیکن'' کے بعد بگڑ جاتا ہے اور وہیں سے غیبت شروع ہو جاتی ہے۔اس لئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے ہیں کہ غیبت سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ بلا وجہ دوسرے کا تذکرہ ہی نہ کرے، آپ اس کا ذکر خیر کریں گے ممکن ہے مجلس میں اس کا کوئی بدخواہ بیٹھا ہو گا وہ اس کی غیبت شروع کر دے گا اور اس کے نتیجہ میں مجلس غیبت والی ہو جائے گی اس لئے کسی کا بلا وجہ تذکرہ ہی نہ کریں۔تو خود بخود ان شاء اللہ غیبت سے محفوظ رہے گا اور دوسرے بھی محفوظ رہیں گے۔دوسروں کی عزت کی حفاظت بھی ضروری ہے اور اللہ پاک اس پر بھی ان شاء اللہ بہت اجر عطا فرمائیں گے اور اس کی عزت کی حفاظت فرمائیں گے۔اس پر ایک عجیب واقعہ یاد آ گیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا عجیب واقعہ:

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ بہت بڑے اللہ کے ولی گزرے ہیں، آپ کے ہزاروں مریدین تھے، دور دراز سے مریدین اور معتقدین زیارت اور ملاقات اور فیض حاصل کرنے کے لئے آتے تھے اور جیسے کہ عادت ہے لوگ کسی اللہ والے کے پاس جاتے ہیں تو اپنی سعادت مندی سمجھتے ہوئے کچھ نہ کچھ تحائف لے جاتے ہیں۔اللہ والوں کو تو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ اس کی امید رکھتے ہیں اور آتا بھی ہے تو ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، خدام کو دے دیتے ہیں، بقدر ضرورت خود بھی استعمال کر لیتے ہیں تا کہ دلداری بھی ہو جائے، اسی طرح حضرت کے پاس بھی مریدین تحفے

تحائف لے کر آتے تھے، ایک مولوی صاحب تھے اور مولوی صاحب منطقی تھے، انہوں نے کہا کہ مجھے بھی ملاقات کے لئے جانا ہے، لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں اور تحفے تحائف لے کر جاتے ہیں، مجھے تو کچھ تحفے تحائف لے کر جانا نہیں ہے لیکن پھر دل میں خیال آیا کہ سب تحفے پیش کریں گے اور میں کچھ نہیں دوں گا تو یہ بھی اچھا نہیں ہے، سب کے سامنے شرمندگی ہوگی، تو راستہ میں ایک کاغذ لیا اور اس میں کنکر پتھر بھر کر خوبصورت پیکنگ کر دی اور پارسل بنا دیا اور جھولے میں رکھ کر چلے، حضرت کے پاس پہنچے دوسرے لوگوں نے اپنا اپنا تحفہ پیش کر دیا، منطقی مولوی صاحب تھے انہوں نے بھی اپنا تحفہ پیش کر دیا۔ حضرت نے فرمایا اسے بھی رکھ دو۔ اب دیکھو اللہ والوں کی عادت اور اخلاق!! خادم تحفوں کو خوانچہ میں رکھ کر لے جاتے اور حضرت جو فرماتے اس کے مطابق عمل کرتے، خادم آیا اور اس نے سارے تحفے ٹرے میں بھرنا شروع کر دیا، مولوی صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے، ان کے دل میں خیال آیا کہ خادم سب بھر کر لے جائے گا، میرا ایک تحفہ کیا پتہ چلے گا کہ کس نے یہ کنکر پتھر بھر کر دئے ہیں، بعد میں خادم برا بھلا کہے گا کہ کون کم بخت نالائق یہ لے کر آیا؟ اللہ تعالیٰ مؤمن کو فراست دیتا ہے، وہ غیب نہیں جانتے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اتقوا فراسة المؤمن فانه ينظر بنور الله.

مؤمن کی فراست سے ڈرو، اس لئے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔

اور قرآن نے بھی اس کو کہا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال: ۲۹)

[اے ایمان والو اگر تمہارے اندر تقویٰ آجائے تو اللہ تعالیٰ تمہیں فرقان دے گا، فیصلہ کی چیز عطا فرمائے گا۔]

تو جب خادم آیا اور تحفے بھرنے لگا تو حضرت نے فرمایا اس تحفہ کو نہ چھیڑنا، اس کو یہیں رہنے دینا، اس کو نہ لے جانا، مولوی صاحب کے چھکے چھوٹ گئے، دماغ چکرانے لگا کہ حضرت نے میرا تحفہ ہی یہاں رکھنے کے لئے کہا، پتہ نہیں اب میری کیا گت بنے گی مگر اللہ والوں پر قربان جایئے حضرت نے منع فرمایا تو اس وجہ سے کہ خادم یہ تحفہ لے کر جائے گا اور اس کو کھولے گا تو خادم خواہ مخواہ گالی دیگا، لعنت بھیجے گا، برا بھلا کہے گا، حضرت اپنے خادم کو بھی لعنت کرنے اور زبان خراب کرنے سے بچانا چاہتے تھے کہ اس کی زبان کیوں گندی ہو؟ اگر اس نے اپنے اخلاق خراب کئے تو میرا خادم اپنے اخلاق کیوں خراب کرے اور اپنی عاقبت کیوں بری کرے تو تحفہ الگ کرلیا تا کہ خادم کی زبان محفوظ رہے اور کسی کے سامنے اس کا بھید بھی نہ کھلے۔ تو حضرت نے اس کا بھی عیب چھپا لیا، اس کو ذلیل ورسوا ہونے سے بچالیا اور خادم کو بھی بدزبانی سے بچالیا اور اس کے بعد مولوی منطقی صاحب کو کچھ نہ کہا۔ ان کا مقصد ذلیل ورسوا یا شرمندہ کرنا تو تھا ہی نہیں اور اس کو لے جا کر جہاں پھینکنا تھا پھینک دیا۔

تیس سال تک روتے رہے:

بات یہ چل رہی تھی کہ انسان فضول اور بے کار باتوں سے بچے، اسی سے غیبت وغیرہ کا بھی سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اللہ والے فضول باتوں سے بچنے کا بہت اہتمام کرتے ہیں، ایک اللہ والے نے اپنے کسی مرید سے ملاقات کرنے کے لئے دروازہ

کھٹکھٹایا، دستک دی، اندر سے پوچھا کون ہے؟ پیر صاحب نے جواب دیا کہ میں فلاں ہوں، اور فلاں صاحب سے ملنے آیا ہوں تو بیگم نے اندر سے جواب دیا کہ وہ تو گھر میں نہیں ہیں، اس پر انہوں نے کہا کہاں گئے ہیں؟ اندر سے جواب دیا وہ تو مجھے معلوم نہیں! دیکھئے یہ بالکل معمولی بات ہے، ہم رات دن اس طرح کرتے ہیں، بزرگ نے یہ کہنے کو تو کہہ دیا بعد میں پچھتانے لگے اور دل میں کہا کہ دوسرا سوال کرنے کی مجھے کیا ضرورت تھی، یہ میں نے فضول کیا۔ اس کی مجھے کیا ضرورت تھی، یہ فضول بات کی، اس پر استغفار کرنے لگے اور اس پر تیس سال تک روتے رہے کہ میری زبان سے یہ فضول بات کیوں نکلی اور ہم ہوتے تو اٹھارہ سوال کرتے، کہاں گئے؟ کیوں گئے ہیں؟ میرا مسیج (پیغام) دے دینا، ایسے اٹھارہ سوال کر دیتے۔

خلاصۂ کلام اور ڈائری:

دوستو! یہ زبان اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، دل ودماغ میں جو آیا فوراً زبان بول دیتی ہے، مافی الضمیر کو ادا کر دیتی ہے، بے چارے گونگے ان کے پاس یہ نعمت نہیں ہے، اشاروں سے کام کرنا پڑتا ہے، ان کو کتنی مشکل پیش آتی ہے تو ہم زبان کی قدر کریں اور اس کی حفاظت کریں، اللہ تعالیٰ زبان کی لغزشوں سے میری بھی حفاظت فرمائے آپ کی بھی حفاظت فرمائے پوری امت کی حفاظت فرمائے اور اس نعمت کی قدر دانی کرنے کی اور اس کو صحیح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، بعض اللہ والے اپنے پاس ڈائری رکھتے تھے اور اپنی باتوں کو لکھ لیتے تھے، جو فضول بات ہوتی رات کو اس پر توبہ و استغفار کرتے اور اپنے نفس کو سزا دیتے، جو فضول بات ہو جاتی اس پر روزے رکھتے، اللہ

تعالیٰ ہم تمام کی حفاظت فرمائے، آمین بحرمة سید النبی المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

﴿ ۷ ﴾

برکات بسم اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس دعا کے شروع میں ’’بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ‘‘ پڑھی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی۔

قیامت کے دن میری امت کی ’’بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ‘‘ پڑھنے کی وجہ سے نیکیاں بھاری وزن والی ہو جائیں گی۔ دوسری قومیں کہیں گی کہ امت محمدیہ کی نیکیاں کیوں بھاری ہیں؟ ان کے انبیاء علیہم السلام فرمائیں گے کہ امتِ محمدیہ کے کلام کے شروع میں اللہ کے ایسے عزت والے نام ہیں کہ اگر ایک پلڑے میں ان کو رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ساری مخلوق کے گناہ رکھ دیئے جائیں تو بھی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا۔

﴿ ۷ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

برکات بسم اللہ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَا وَ شَفِیۡعَنَا وَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ○ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَاِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ . (النمل: ۳۰)

عن ابن عباسؓ قال: اغفل الناس آیة من کتاب اللّٰہ لم تنزل علیٰ احد سوی النبی صلی اللہ علیہ وسلم، الا ان یکون سلیمان بن داؤد علیھما السلام. بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم.

[حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ لوگ قرآن پاک کی ایک آیت سے غافل اور بے خبر ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) کے علاوہ کسی پر نازل نہیں ہوئی، اور وہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔]

(درمنثور ۱/۲۰)

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد لله رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فضائل:

محترم بزرگو دوستو اور عزیز ساتھیو! میں آج آپ حضرات کے سامنے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے فضائل، فوائد اور خصوصیات کے موضوع پر کچھ باتیں آپ حضرات کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں، اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس میں کامیابی عطا فرمائے، اور ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے فوائد سے ہم تمام حضرات کو مستفید فرمائے۔

بعض علماء فرماتے ہیں پورے قرآن کریم کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے اور پوری سورۂ فاتحہ کا خلاصہ (نچوڑ) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے۔ گویا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نے پورے قرآن کریم کو اپنے اندر سمولیا ہے۔

ایک حدیث میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نازل ہوئی تو بادل مشرق کی طرف سے ہٹ گئے، ہوا رک گئی، دریا پُر سکون ہو گیا، جانوروں نے کان لگا لئے، شیطان پر آسمان سے آگ کے انگارے برسے، اور حق تعالیٰ شانہ نے اپنی عزت کی قسم کھا کر فرمایا کہ جس چیز پر میرا یہ نام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لیا جائے گا اس میں ضرور برکت ہوگی۔

(درمنثور ۱/۹۔ تفسیر ابن کثیر ۱/۲۲)

دوسری ایک حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب جبرئیل علیہ السلام وحی لے کر آتے تھے تو سب سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع فرماتے تھے۔

(د منثور ۱/۷)

اس لئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں اللہ تعالیٰ کے تین نام ہیں ۱...... ''اللہ'' جو

اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام ہے ۲......’’الرحمٰن‘‘ ۳......’’الرحیم‘‘ یہ اللہ تعالیٰ کے دو صفاتی نام ہیں۔

لفظ ’’اللہ‘‘ ہر کام کے حاصل ہونے (اور شروع ہونے) پر دلالت کرتا ہے اور لفظ ’’رحمٰن‘‘ اس کام کے باقی رہنے پر دلالت کرتا ہے اور لفظ ’’رحیم‘‘ اس کا فائدہ حاصل ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

معلوم ہوا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تمام کاموں پر اللہ کی مہر (seal) ہے کہ جو کام بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کیا جائے گا اس کام میں شروع سے آخر تک برکت ہوگی، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے تھے۔

ایک مشہور حدیث میں ہے:

کل امر ذی بال لم یبدأ فیه ببسم اللّٰه فهو ابتر. (بیضاوی: ۱۵)

[کہ جو مہتم بالشان کام کے شروع میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ ادھورا رہتا ہے۔] اس لئے جو کام بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے بغیر شروع کیا جائے گا وہ ادھورا رہے گا، یعنی اس کام میں خیر و برکت نہیں ہوگی۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ گھر کا دروازہ بند کرو یا چراغ (لائٹ) بجھاؤ تب بھی بسم اللہ پڑھو، کھانا کھانے سے پہلے، پانی پینے سے پہلے، سواری پر سوار ہونے کے وقت، سواری سے اترنے کے وقت بسم اللہ پڑھو، بسم اللہ پڑھنے کی تاکید حدیثوں میں بہت زیادہ آئی ہے۔

(معارف القرآن)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ایک ایسی برکت والی دعا ہے جو مٹی کو بھی سونا بنا دیتی ہے۔

اسلام کی خوبی:

اسلام ایک آسان دین اور بہترین شریعت ہے، سب سے کامل و مکمل نظام

ودستور حیات ہے، اس میں محنت کم اور مزدوری بہت زیادہ، عمل کم اور ثواب بہت زیادہ ہے۔ اسلام نے ایک کیمیا اور عمدہ نسخہ بنا کر ہم کو دے دیا ہے کہ اس پر عمل کرنے سے دنیا کا کام بھی دین بن جاتا ہے، اور دنیا کے کاموں میں مشغول رہتے ہوئے بھی اللہ کی بندگی اور عبادت کرنے والوں میں اس کا شمار ہوتا ہے، اس لئے اسلام اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بہت سی چھوٹی چھوٹی مگر نفع سے بھرپور جامع دعائیں بتائی ہیں کہ ان کے پڑھنے سے دنیا کا کوئی کام نہ اٹکتا ہے نہ بگڑتا ہے، اور ان کے پڑھنے پر کوئی محنت بھی نہیں کرنی پڑتی، نہ کچھ مال ودولت خرچ ہوتا ہے، اس لئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر ہر کام کے کرنے کی ہدایت دی گئی ہے تا کہ قدم قدم پر مسلمان کی زندگی کا رخ اللہ کی طرف پھر جائے اور ہر لمحہ اپنی وفاداری کا ثبوت پیش کرتا رہے، گویا بندہ (بہ زبان حال) یہ کہتا ہے کہ میرا چھوٹا بڑا ہر کام اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی مدد کے بغیر نہیں ہوسکتا ہے۔

اس طرح مسلمان کی تمام نقل وحرکت اس کی معاشرتی زندگی اور دنیا کے کام بھی بسم اللہ کی برکت سے عبادت بن جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شیطان سے دور ہو کر رحمٰن کے قریب آجاتا ہے، اندازہ لگائیے کہ بسم اللہ پڑھنے کے کتنے فائدے ہیں؟ کہ دنیا کا ہر کام بھی عبادت بن گیا، ان کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ کی بہت سی فضیلتیں بھی بیان فرمائی ہیں اب ہم اس سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ہم سے زیادہ محروم کون ہوگا؟

[حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، آپ فرماتے ہیں کہ لوگ قرآن پاک کی ایک آیت سے غافل اور بے خبر ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور

سلیمان بن داؤد (علیہما السلام) کے علاوہ کسی پر نازل نہیں ہوئی، اور وہ آیت بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے۔]

(درمنثور ۱/۲۰)

اللہ تعالیٰ کو تین ہزار ناموں سے یاد کرنا:

علامہ سید اسماعیل حقیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تین ہزار نام ہیں، ایک ہزار نام فرشتوں کو بتائے، اور ایک ہزار نام انبیاء علیہم السلام کو بتائے ہیں، تین سو نام تورات میں نازل کئے ہیں اور تین سو نام زبور میں نازل فرمائے ہیں، اور تین سو نام انجیل میں نازل کئے ہیں اور ننانوے نام قرآن کریم میں نازل فرمائے ہیں اور ایک نام اپنے پاس محفوظ رکھا ہے اور وہ کسی کو بھی نہیں بتایا ہے، پھر ان تمام ناموں کے معنی کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے تین لفظوں اللہ، الرحمٰن، الرحیم میں سمو دیا ہے، تو جس شخص نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کو تین ہزار ناموں کے ساتھ یاد کرلیا۔

(تفسیر روح البیان)

اولاد کو بسم اللہ سکھانا والدین کی بخشش اور نجات کا ذریعہ ہے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جیسے ہی استاذ نے بچہ کو کہا کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ، تو استاذ، بچہ اور ماں باپ سب کو جہنم سے آزاد لکھ دیا جاتا ہے۔

(درمنثور ۱/۹)

مغفرت کا ایک واقعہ:

ایک مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر پر سے گذرے تو دیکھا کہ قبر والے کو عذاب ہو رہا ہے کچھ دنوں کے بعد پھر اس قبر کے پاس سے گذرے تو قبر کا عذاب اس سے ہٹا لیا گیا تھا، اور وہ بڑے آرام اور راحت سے تھا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کو تعجب ہوا تو حق تعالیٰ شانہ سے پوچھا کہ اے کریم آقا! آپ نے اس بندہ پر کس عمل کی برکت سے رحم فرما کر اس پر سے عذاب اٹھالیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ! جب اس بندہ کا انتقال ہوا تھا تو اس کا ایک چھوٹا سا بچہ تھا جب اس کی ماں اس بچہ کو مدرسہ لے گئی اور بچہ نے استاذ کے سامنے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا تو میری شانِ رحمت کے لائق نہیں کہ اس کا بچہ دنیا میں مجھے رحمٰن اور رحیم کہے اور میں اس کو عذاب دوں، اس وجہ سے میں نے اس پر سے عذاب اٹھادیا۔

(فضائل بسم اللہ ص:۶۱) (شرح مسلم مقدمہ ۱/۱۸۲، شکریہ بحوالہ مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب)

عذاب سے چھٹکارے کا ذریعہ:

من اراد ان ينجه الله من الزمانية التسعة عشر فليقرأ بسم الله الرحمن الرحيم، فان بسم الله الرحمن الرحيم تسعة عشر حرفا وخزنة جهنم تسعة عشر عليها فيجعل الله تعالىٰ لكل حرف منها جنة من كل احد منهم ولم يسلطهم عليه ببركة بسم الله الرحمن الرحيم. (مواهب لدنيه شرح مسلم شريف مولانا حقانى)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ۱۹/حروف ہیں اور دوزخ کے موکل فرشتے بھی ۱۹/ ہیں جو شخص بسم اللہ پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ ہر حرف کو ان موکل فرشتوں کے مقابلہ میں ڈھال بنادے گا، اور ان کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکت سے مسلط ہونے نہیں دے گا۔

(تفسیر قرطبی، درمنثور ۱/۹)

بسم اللہ کی وجہ سے آخرت کے درجات:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس دعا کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن

الرحیم پڑھی جاتی ہے وہ رد نہیں ہوتی، قیامت کے دن میری امت کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کی وجہ سے نیکیاں بھاری وزن والی ہوجائیں گی، دوسری قومیں کہیں گی کہ امت محمد یہ کی نیکیاں کیوں بھاری ہیں؟ ان کے انبیاء فرمائیں گے امت محمد یہ کے کلام کے شروع میں اللہ کے ایسے عزت والے نام ہیں کہ اگر ایک پلڑے میں ان کو رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں ساری مخلوق کے گناہ رکھ دئے جائیں تو بھی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہوجائے گا۔

(غنیۃ الطالبین)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ہر بیماری کے لئے شفا، ہر مفلسی کے لئے دولت اور دوزخ سے پردہ اور زمین میں دھنسنے، صورتیں بگڑنے اور سنگ باری کے عذاب سے محفوظ رہنے کا ذریعہ بنایا ہے، جب تک لوگ اس کی تلاوت پر کاربندرہیں گے۔

(غنیۃ الطالبین ۱۵۷)

ایک حدیث قدسی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام قسم کھا کر یہ حدیث بیان فرماتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت میکائیل علیہ السلام قسم کھا کر یہ حدیث بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام اسی طرح قسم کھا کر بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے اسرافیل! میں اپنی عزت اور بخشش وجلال وکرم کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (کی میم) کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ ملا کر ایک مرتبہ بھی پڑھ لے تو تم گواہ رہو کہ میں اس کی زبان کو نہیں جلاؤں گا اور اس کو جہنم اور قبر کے عذاب سے پناہ دوں گا، اور قیامت کے عذاب سے بچالوں گا۔

(روح البیان)

یہی بات شیخ اکبر نے اپنی کتاب فتوحات میں لکھی ہے کہ جب تم سورۂ فاتحہ پڑھو تب ایک ہی سانس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے ساتھ سورۂ فاتحہ ملا کر پڑھو۔

(فضائل بسم اللہ ص:۱۵)

وضو سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا فائدہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے وضو کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس کا وضو (کامل) نہیں ہوا۔

(ترمذی شریف ۱/۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص وضو کرنے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتا اس سے اس کے صرف اعضاء وضو کے گناہ دھلیں گے اور جو شخص بسم اللہ پڑھ کر وضو کرے گا اس کے تو پورے جسم کے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(مشکوۃ شریف)

کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا حکم:

حضرت عمر بن ابی سلمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بسم اللہ پڑھو اور داہنے ہاتھ سے اپنے آگے سے کھاؤ۔

(بخاری ومسلم وترمذی)

جو شخص بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا ہاتھ پکڑ لیا کرتے اور اس کو بسم اللہ پڑھنے کے لئے تاکید فرماتے۔

(زاد المعاد، اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ص:۱۳۱)

علماء امت نے لکھا ہے کہ بسم اللہ زور سے پڑھنا اولیٰ ہے تاکہ دوسرے ساتھی کو اگر خیال نہ رہے تو یاد آجائے وہ بھی پڑھ لے۔

(خصائل نبوی)

جس نعمت کے اول میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ پڑھ لیا جائے اس نعمت کے

بارے میں قیامت میں سوال نہ ہوگا۔

(اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ص ۱۳۱)

کھانے میں برکت:

بسم اللہ پڑھنے سے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے اتنے میں ایک دیہات (گاؤں) کا رہنے والا شخص آیا اور اس نے تو دو لقمے میں سارا کھانا صاف کر دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ شخص بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا سب کے لئے کافی ہو جاتا اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جب یاد آجائے "بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ" پڑھنا چاہئے تو شیطان کے پیٹ سے وہ تمام کھانا نکل جائے گا یعنی کھانے میں پھر برکت آجائے گی۔

(ابوداؤد؛ حجۃ اللہ البالغہ)

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں کھانا کھاتا ہوں مگر پیٹ نہیں بھرتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شاید کھانے سے پہلے بسم اللہ نہیں پڑھتے ہوں گے، اس نے اقرار کیا تو فرمایا کہ بسم اللہ نہ پڑھنے سے تمہارا پیٹ نہیں بھرتا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ اچانک آپ کے سامنے ایک لگن (کھانے کا بڑا برتن) لا کر رکھا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اپنا ہاتھ روکے رکھا اور ہم سب نے بھی اپنا ہاتھ روکے رکھا اور ہم کھانے پر اپنا ہاتھ جب ہی رکھتے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک رکھتے تھے، اتنے میں ایک دیہاتی شخص آیا جیسے کوئی اسے دھکا دے رہا ہو اور آتے ہی اس

نے اس لگن میں کھانے کے لئے ہاتھ رکھ دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، اتنے میں ایک لڑکی آئی جیسے کوئی اسے دھکا دے رہا ہو وہ بھی چاہتی تھی کہ اپنا ہاتھ کھانے میں ڈال دے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا پھر فرمایا کہ شیطان لوگوں کے کھانے کو (اپنے لئے) حلال کر لیتا ہے جب اس پر اللہ کا نام نہیں پڑھا جاتا ہے، شیطان نے جب دیکھا کہ ہم نے اس کھانے سے ہاتھ روک لیا ہے تو ہمارے پاس اس کو لایا تاکہ اس کے ذریعہ سے کھانے کو حلال کرے، پس قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں بے شک شیطان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں اس لڑکی کے ہاتھ کے ساتھ ہے۔

(حیاۃ الصحابہ: ۷/ ۴۲۸)

کپڑے اتارتے وقت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی آدمی پیشاب پاخانہ کی حاجت پوری کرنے کے لئے یا غسل کے لئے یا اپنی عورت سے صحبت کرنے کے لئے اپنے کپڑے اتارتا ہے تو شیطان (اور جن) اس میں خلل ڈالتا ہے اور اس کی شرمگاہ سے کھیلتا ہے لیکن اگر بسم اللہ پڑھ کر کپڑے اتارتا ہے تو چاہے مرد ہو یا عورت، شیطان اور جن سے اس کی آڑ اور حفاظت ہو جاتی ہے۔

(ترمذی: ۱/ ۷)

"عمل الیوم واللیلہ" میں کپڑے اتارنے کے وقت کی یہ دعا لکھی ہے:

بِسۡمِ اللّٰهِ الَّذِیۡ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ.

گھر سے نکلتے وقت شیطان سے حفاظت:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص گھر سے نکلتے وقت

بسم الله توكلت على الله لاحول ولا قوة إلا بالله .

پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے کہا جاتا ہے کہ میں نے تیری حفاظت کرلی اور تجھے تیرے دشمن شیطان سے بچالیا۔ (تو اس کے پڑھنے سے شیطان بھی الگ ہوجاتا ہے۔)

(ترمذی ۲/۱۸۰)

گھر میں داخل ہوتے وقت بسم اللہ پڑھنے کا فائدہ:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص بسم اللہ پڑھ کر گھر میں داخل ہو اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے نکل چلو، یہاں نہ کھانے کو ملے گا نہ سونے کی جگہ، اور جب بسم اللہ نہیں پڑھتا تو شیطان اپنے ساتھیوں سے کہتا ہے کہ یہاں آجاؤ کھانے کو مل جائے گا اور سونے کی جگہ بھی مل جائے گی۔

(مسلم، ابوداؤد)

بچہ کے پیدا ہوتے ہی شیطان سے حفاظت:

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ صحبت کرتے وقت

بسم الله اللهم جنبنا الشيطان وجنب الشيطان ما رزقتنا

پڑھے اور اس صحبت سے اللہ تعالیٰ بچہ عطا کرے تو شیطان اس کو تکلیف نہیں پہنچا سکتا ہے۔

(بخاری شریف ۱/۲۶)

ہر دعا سے پہلے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس دعا کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی جائے وہ دعا رد نہیں کی جاتی ہے۔

(غنیۃ الطالبین ص:۱۰۷)

حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے جسم کے درد کی شکایت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس جگہ درد ہو وہاں ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ بسم اللہ پڑھو اور سات مرتبہ یہ دعا پڑھو:

اعوذ بالله وقدرته من شر ما اجد واحاذر

[میں اللہ تعالیٰ کی عزت اور قدرت اور غلبہ کی پناہ چاہتا ہوں اس چیز کے شر سے جس کو میں پاتا ہوں اور جس سے میں ڈرتا ہوں۔]

انہوں نے اس پر عمل کیا تو جسم کا درد ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بسم اللہ ہر بیماری سے شفا دینے والی اور ہر درد کا علاج ہے۔

(فضائل بسم اللہ: ص:۱۰)

کشتی پر سوار ہوتے وقت:

ابن السنی نے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت ڈوبنے سے محفوظ رہے گی جب کشتی پر سوار ہو کر یہ دعا پڑھ لے:

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرِيهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّىْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ

قَدْرِهٖ (الھود: ۴۱، الزمر: ۶۷)

(الاذکار للامام النووی ص:۱۹۹)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ تفسیر عزیزی میں لکھتے ہیں کہ مفسرین نے کہا جب طوفان نوح نے اس دنیا کو اپنے خوفناک عذاب کے چنگل میں گھیر لیا اور حضرت نوح علیہ السلام اپنی کشتی میں سوار ہوئے تو وہ بھی خوفِ غرق سے ہراساں ولرزاں تھے آپ علیہ السلام نے غرق سے نجات پانے اوراس عذاب خداوندی سے محفوظ رہنے کے لئے بسم اللہ مجرھا ومرساھا پڑھا تو اس کلمہ کی برکت سے ان کی کشتی غرق آبی سے محفوظ اور سالم رہی، مفسرین کہتے ہیں کہ اس دعا میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا صرف ایک جز بسم اللہ ہی ہے، اور جب صرف اس ایک جز ''بسم اللہ'' کی وجہ سے اتنے ہیبت ناک طوفان سے نجات حاصل ہوئی تو جو شخص اپنی پوری زندگی میں ہر کام کی ابتداء اس پورے کلمہ کے ساتھ کرے یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے اپنے ہر کام کی ابتداء کرنے کا التزام کرے تو وہ نجات سے کیوں کر محروم رہ سکتا ہے؟

(تفسیر عزیزی، تفسیر کبیر ۱/۱۵۳)

بسم اللہ قربِ خداوندی کا ذریعہ:

تفسیر ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بسم اللہ کی نسبت سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اللہ کا نام اللہ تعالیٰ کے بڑے ناموں میں سے ہے اوراس میں اس قدر نیکی اور قرب ہے جیسے آنکھ کی سیاہی اور سفیدی میں ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ۱/۳۲)

لہذا جو شخص ہر کام کے شروع میں کثرت سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے گا تو

اسے بھی اللہ کا قرب نصیب ہوگا۔

جنت کی چاروں نہروں سے سیرابی:

حدیث شریف میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات میں آسمانوں سے بھی اوپر تشریف لے گئے تو تمام جنتوں کا معائنہ اور سیر فرمائی، تو جنت میں چار نہریں دیکھیں (جس کا ذکر قرآن میں بھی موجود ہے) پانی، دودھ، شرابِ طہور اور شہد کی نہریں، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا یہ نہریں کہاں سے نکلتی ہیں؟ جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا یہ حوض کوثر کی طرف جاتی ہیں اور کہاں سے نکلی ہیں یہ مجھے بھی معلوم نہیں ہے، پس اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے تا کہ اللہ تعالیٰ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بتلا دے یا دکھلا دے۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ سے دعا فرمائی، تو ایک فرشتہ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور پھر کہا اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی آنکھیں بند کیجیے، پس میں نے اپنی آنکھیں بند کیں، پھر کہا کھول لئے، جب میں نے آنکھیں کھولیں تو ایک درخت کے پاس تھا اور دیکھا کہ سفید موتیوں کا ایک قبہ ہے اور اس پر سونے کا دروازہ ہے، اس پر تالا لگا ہوا ہے، قبہ اتنا بڑا ہے کہ تمام انسان و جنات اگر اس قبہ پر رکھ دیئے جائیں تو ایسا معلوم ہو کہ ایک خوبصورت پرندہ ایک پہاڑ پر بیٹھا ہے، پھر میں نے دیکھا یہ چاروں نہریں اسی قبہ سے نکل رہی ہیں، میں نے ارادہ کیا کہ وہاں سے واپس لوٹوں تو اس فرشتے نے کہا کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس قبہ میں داخل نہیں ہوں گے؟ میں نے کہا میں کیسے داخل ہوں اس کے دروازے پر قفل لگا ہوا ہے، میرے پاس اس کی کنجی نہیں ہے۔ تو فرشتہ نے فرمایا کہ اس کی کنجی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے، جب میں نے

اس کے قریب جا کر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھی تو تالا کھل گیا، میں اس قبہ میں داخل ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ چاروں نہریں اس قبہ سے اس طرح نکلی ہوئی ہیں کہ:

بسم اللہ کی ''میم'' سے پانی کی نہر۔

اللہ کی ''ھ'' سے دودھ کی نہر۔

الرحمٰن کی ''میم'' سے شرابِ طہور کی نہر۔

الرحیم کی ''میم'' سے شہد کی نہر۔

معلوم ہوا کہ یہ چاروں نہریں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے نکلتی ہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی امت اگر خلوص دل سے بغیر ریا کاری کے میرے اس نام سے مجھے یاد کرے گی تو ضرور ان نہروں سے انہیں سراب کروں گا۔

(روح البیان: ص۹)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے چند اہم وظائف/مشکل کام کو آسان کرنے کے لئے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مشکل کام آسان کرنے کی دعا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ہے اور فرماتے ہیں کہ بسم اللہ ہر رنج کو دور کرتی ہے اور دل کو خوش کرتی ہے۔

(فضائل بسم اللہ ص ۱۲)

اپنے مقصد میں کامیابی کے لئے:

جو شخص ۷۸۶ (سات سو چھیاسی) مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سات دن تک روزانہ پڑھے گا اور پھر اپنے مقصد کے لئے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کا مقصد پورا فرمائیں گے۔

(قرآنی علاج ص ۲۳)

ہر آفت ومصیبت سے حفاظت:

جو شخص محرم کی پہلی تاریخ کو ۱۱۳ / مرتبہ بسم اللہ لکھ کر اپنے پاس رکھے تو وہ شخص ہر بلا اور مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

(قرآنی علاج ص ۲۴)

بسم اللہ لکھنے کا فائدہ:

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جو شخص ۶۵ / مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر اپنے پاس رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے عزت دیں گے اور کوئی آدمی (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) اسے نہیں ستائے گا۔

(تفسیر موضح القرآن ص ۲)

جو شخص بسم اللہ الرحمٰن الرحیم چھ سو مرتبہ لکھ کر اپنے پاس رکھے گا تو لوگوں کے دلوں میں اس کی عزت ہو گی اور کوئی اس کے ساتھ برا برتاؤ نہیں کرے گا۔

ذہن کھلنے (قوتِ حافظہ) کے لئے:

۷۸۶ مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پانی پر دم کر کے آفتاب غروب ہونے کے وقت پلائیں تو ذہن کھل جائے گا۔

محبت کے واسطے:

۷۸۶ مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر پانی میں دم کر کے جس شخص کو پلائیں تو اس کے دل میں اس کی محبت بڑھ جائے گی۔ (ناجائز کاموں میں استعمال کریں گے تو عذاب کا خطرہ ہے۔)

اولاد کے زندہ رہنے کے لئے:

جس عورت کے بچے زندہ نہ رہتے ہوں تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۶۱ رمرتبہ لکھ کر تعویذ بنا کر پاس رکھے تو بچے زندہ رہیں گے۔

کھیتی میں برکت اور حفاظت:

۱۰۱ رمرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کاغذ پر لکھ کر کھیت میں دفن کردیں تو کھیتی تمام آفات سے محفوظ رہے گی اور اس میں برکت بھی ہوگی۔

بسم اللہ کا تعویذ ہر قسم کے بخار، نیز تنگ دستی، قرض وغیرہ کی پریشانی سے نجات پانے کے لئے مفید ہے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر گلے میں یا دائیں بائیں ہاتھ پر باندھنا یا ٹوپی میں رکھ کر پہننا چاہئے۔

ضروری کاموں کی تکمیل:

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ نے اپنی تفسیر عزیزی میں اور حضرت تھانویؒ نے اپنی کتاب اعمال قرآنی میں لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو بارہ ہزار مرتبہ اس طرح پڑھے کہ جب ایک ہزار بار ہو جائے تو دو رکعت نماز پڑھ کر اپنی حاجت کے لئے دعا کرے، پھر ایک ہزار مرتبہ پڑھ کر اسی طرح دو رکعت پڑھے اور دعا مانگے، غرض اسی طرح بارہ ہزار مرتبہ ختم کرے ان شاء اللہ اس کی حاجت پوری ہوگی۔ اللہ ہمیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی برکات حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(درسِ قرآن ۱/ ۱۵۷)

سفر اور تجارت کی کامیابی کے لئے:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے

فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ جب سفر میں جاؤ تو وہاں تم اپنے سب رفقاء سے زیادہ خوش حال وبامراد رہو یعنی تمہارا سفر باظفر ہو اور تمہارا سامان زیادہ ہو جائے؟ انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، بے شک میں ایسا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کی آخری پانچ سورتیں: سورۂ کافرون، سورۂ نصر، سورۂ اخلاص، سورۂ فلق وسورۂ ناس کو پڑھا کرو اور ہر سورۃ کو بسم اللہ سے شروع کرو اور بسم اللہ ہی پر ختم کرو، حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس عمل سے پہلے میرا یہ حال تھا کہ سفر میں اپنے دوسرے ساتھیوں کے بالمقابل قلیل الزاد خستہ حال ہوتا تھا، جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تعلیم پر عمل کیا میں سب سے بہتر حال میں رہنے لگا۔

(تفسیر مظہری بحوالہ ابویعلی)

اس عمل کی تشریح کرتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں کہ چھ مرتبہ بسم اللہ، اور پانچ سورتیں پڑھ کر گھر سے نکلا کریں۔

(معارف القرآن ۸/ ۲۳۸)

یعنی اول تعوذ وتسمیہ پھر سورۂ کافرون پھر تسمیہ پھر سورۂ نصر پھر تسمیہ پھر سورۂ اخلاص پھر تسمیہ پھر سورۂ فلق پھر تسمیہ پھر سورۂ ناس پھر تسمیہ۔ یہ کل چھ مرتبہ تسمیہ اور پانچ سورتیں ہوئیں۔

سوزاک کے علاج کے لئے:

جو شخص سوزاک کے مرض میں مبتلا ہو وہ نماز کے بعد سات مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ.

ازالۂ ہذیان کے لئے:

بعد نماز فجر مریض کے سر پر داہنا ہاتھ پھیرتے ہوئے سات بار یہ دعا پڑھی جائے:

بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ.

چوری وشیطانی اثرات سے حفاظت:

سونے سے قبل ۲۱/ (اکیس) مرتبہ بسم اللہ پڑھے تو چوری اور شیطانی اثرات سے اور اچانک کی موت سے محفوظ رہے گا۔ ان شاءاللہ

ظالم پر غلبہ پانے کے لئے:

کسی کے سامنے بسم اللہ پچاس مرتبہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ ظالم کو مغلوب کر کے اس کو غالب کریں گے۔

ظالم حکام کے شر سے بچنے کے لئے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کسی کاغذ پر پانچ سو مرتبہ لکھے اور اس پر ڈیڑھ سو مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے پھر اس تعویذ کو اپنے پاس رکھے تو حکام مہربان ہو جائیں گے اور ظالم کے شر سے محفوظ رہے گا۔

دردِ سر کے دور کرنے کے لئے:

اکیس مرتبہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھ کر درد والے کے گلے میں یا سر پر باندھے تو دردِ سر جاتا رہے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے متعلق چند عجیب حکایات/ بشر حافیؒ کا واقعہ:

بشر حافیؒ ایک مرتبہ کہیں جارہے تھے کہ راستہ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا ایک کاغذ زمین پر گرا ہوا ملا، انہوں نے اسے بڑی عزت اور ادب سے اٹھالیا، اس وقت ان کے پاس صرف دو درہم تھے اور کچھ نہ تھا، انہوں نے ان دو درہموں کا عطر خریدا اور اس کاغذ پر پورا عطر مل کر اسے خوشبودار بنادیا اور حفاظت سے رکھ دیا، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا بشر طیبت اسمی لأطیبن اسمک فی الدنیا والآخرۃ

[اے بشر حافی! تو نے جس طرح میرے نام کی عزت کی ہے میں اسی طرح دنیا اور آخرت میں تیرے نام کو روشن کروں گا]

(تفسیر کبیر ۱/ ۱۷۱، شرح مسلم مولانا حقانی ۱/ ۱۸۳)

ابو مسلم خولانی کا واقعہ:

ابو مسلم خولانیؒ سے ان کی ایک باندی دشمنی رکھتی تھی اور کھانے پینے کی چیزوں میں زہر ملا کر دیتی اور ابو مسلم اسے کھاتے مگر ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا، کافی وقت اسی طرح گذر گیا پھر اس باندی نے خود ہی ایک مرتبہ ابو مسلمؒ سے کہا کہ میں تو آپ کو کافی دنوں نے کھانے میں زہر ملا کر کھلاتی ہوں، کیا بات ہے کہ آپ پر اس کا اثر نہ ہوا؟ ابو مسلم نے پوچھا کہ آخر تو زہر ملا کر کیوں کھلاتی ہے؟ اس نے کہا کہ آپ بوڑھے وضعیف ہوگئے ہو، میں چاہتی ہوں کہ آپ سے جلدی الگ ہوجاؤں۔ ابو مسلمؒ نے فرمایا کہ زہر کا اثر اس لئے نہیں ہوتا تھا کہ الحمدللہ جب بھی میں کوئی چیز کھاتا یا پانی پیتا ہوں تو بسم اللہ پڑھ لیتا ہوں۔ اور پھر اس باندی کو آزاد کردیا تاکہ جہاں چاہے نکاح کرلے اور اس سے کوئی انتقام بھی نہ لیا۔

(قلیوبی: ص ۵۳)

ایک قاضی کی مغفرت کا واقعہ:

ایک قاضی کا انتقال ہوگیا، اس کی بیوی حاملہ تھی اسے لڑکا پیدا ہوا، جب بچہ ہوشیار ہوا تو اس کی ماں اسے مدرسہ میں پڑھنے کے لئے لے گئی، استاذ نے اسے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھائی، بچہ کے بسم اللہ پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ نے اس کے باپ سے عذاب اٹھالیا اور فرمایا کہ اے جبرئیل! ہماری رحمت کے لائق نہیں کہ اس کا بچہ ہمیں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہہ کر یاد کرے اور ہم اس کے باپ کو عذاب میں رکھیں، سچ ہے کہ بسم اللہ میں بہت ہی برکت ہے۔

(حکایات قلیوبی: ص ۳۸)

ایک یہودی کی لڑکی کا عجیب واقعہ:

لمعات صوفیہ میں لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی جگہ وعظ کہہ رہے تھے اس وعظ میں انہوں نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی فضیلت بیان کی، یہودیوں کے مکانات بھی نزدیک تھے، اس وعظ کو ایک یہودی لڑکی سن رہی تھی اس پر اس بیان کا اتنا اثر ہوا کہ وہ دل وجان سے مسلمان ہوگئی اور ہر کام بسم اللہ پڑھ کر کرتی تھی۔ لڑکی کے باپ کو جب اس کی خبر ہوئی تو اس پر بہت سخت ناراض ہوا اور اسے دھمکی دی تا کہ اسلام کو چھوڑ دے مگر وہ لڑکی اپنے اسلام پر جمی رہی، لڑکی کا باپ بادشاہ کا وزیر تھا اسے خیال ہوا کہ اگر لڑکی کے مسلمان ہونے کی خبر لوگوں کو ہوگی تو بڑی شرمندگی ہوگی اس لئے باپ نے طے کرلیا کہ لڑکی کو سخت بدنام کر کے کسی بہانہ سے اسے ہلاک کردوں گا، باپ نے اپنی بیٹی کو مہر لگانے کی شاہی انگوٹھی دے کر کہا کہ اسے حفاظت سے رکھنا، لڑکی نے اپنی عادت کے مطابق بسم اللہ پڑھ کر انگوٹھی لی اور اپنی جیب میں رکھ لی، رات کو جب لڑکی سوگئی تو اس کے باپ نے جیب میں

سے وہ انگوٹھی نکالی اور غصہ میں آکر اسے ندی میں پھینک آیا تاکہ صبح جب اس سے انگوٹھی مانگے اور وہ نہ دے سکے تو اسے موت کی سزا دی جاسکے۔

اللہ کی شان صبح کو ایک مچھیر (مچھلیوں کا شکار کر کے بیچنے والا) ایک مچھلی لے کر وزیر کے پاس حاضر ہوا اور اسے کہا کہ آپ کے واسطے یہ مچھلی ہدیہ میں لایا ہوں، وزیر خوش ہو کر مچھلی گھر لایا اور لڑکی سے کہا کہ مچھلی کو جلد ہی پکا کر تیار کر، لڑکی نے مچھلی لی اور بسم اللہ پڑھ کر اسے کاٹنے اور صاف کرنے بیٹھی، جیسے ہی مچھلی کو کاٹا اس کے پیٹ میں سے وہ انگوٹھی نکل آئی، لڑکی انگوٹھی دیکھ کر حیران و پریشان ہوئی اور اپنے جیب میں ہاتھ ڈال کر دیکھا تو انگوٹھی غائب تھی، وہ حیران سوچنے لگی کہ یہ انگوٹھی میرے جیب میں سے نکل کر مچھلی کے پیٹ میں کیسے آگئی؟ پھر فوراً بسم اللہ پڑھ کر انگوٹھی جیب میں رکھ لی اور مچھلی پکانے میں مشغول ہوگئی اور جلد ہی تیار کر کے اسے باپ کے سامنے رکھا۔

کھانے سے فارغ ہو کر باپ نے انگوٹھی مانگی تو بیٹی نے بسم اللہ پڑھ کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور وہ انگوٹھی نکال کر پیش کر دی، باپ اس انگوٹھی کو دیکھ کر حیران ہوگیا کہ اسے تو میں ندی میں پھینک آیا تھا، اس کے ہاتھ کہاں سے آگئی؟ بیٹی سے پوچھا یہ تیرے پاس کہاں سے آئی؟ بیٹی نے پورا واقعہ بیان کر دیا۔

لڑکی نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بسم اللہ کی برکت سے عزت دی، تم نے ندی میں پھینک دی مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ وہ انگوٹھی مچھلی نے نگل لی اور پھر وہی مچھلی شکار ہو کر تمہارے پاس ہدیہ میں آئی اور تم نے اسے پکانے کے لئے میرے حوالہ کیا اور بالآخر میرے ہاتھ میں وہ انگوٹھی واپس آگئی، باپ یہ سارا قصہ سن کر فوراً

ہی مسلمان ہو گیا۔

روم کے بادشاہ کا واقعہ:

روم کے بادشاہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لکھا کہ میرے سر میں ہمیشہ درد رہتا ہے، اچھا نہیں ہوتا، کوئی دوا بھیجیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے ایک ٹوپی بھیجی کہ اسے پہن لیں، چنانچہ بادشاہ جب وہ ٹوپی پہنتا سر کا درد اچھا ہو جاتا اور جب نکالتا تو پھر درد شروع ہو جاتا، اسے اس پر بہت تعجب ہوا جب ٹوپی میں غور سے دیکھا تو اس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا۔

(تفسیر موضح القرآن: ص۲)

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کافروں کے ایک قافلہ کا گھیراؤ کیا، قافلہ والوں نے کہا کہ تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ اسلام سچا مذہب ہے تو ہمیں کوئی ایسی نشانی بتائیں کہ ہم مسلمان ہو جائیں، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا اچھا! تو تم زہر لے آؤ، وہ لوگ ایک پیالہ میں زہر لائے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر اسے پی گئے اور کوئی اثر نہ ہوا تو قافلہ والے مسلمان ہو گئے اور کہا کہ اسلام واقعی سچا مذہب ہے۔

(تفسیر حقانی: ۱/۱۴۱ بحوالہ تفسیر کبیر)

فقیہ محمد زمانی کا واقعہ:

فقیہ محمد زمانی کو بخار ہوا، ان کے استاذ فقیہ ولی محمد بن سعید عیادت کو آئے اور ایک تعویذ بخار کا دے کر چلے گئے، اور اسے فرما گئے اس کو دیکھنا مت۔ غرض اس کو باندھا، اسی وقت بخار جاتا رہا انہوں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس میں بسم اللہ لکھی تھی، ان کے اعتقاد

میں سستی پیدا ہوئی، فوراً بخار لوٹ آیا، انہوں نے جا کر استاد سے عرض کیا اور اپنے فعل سے توبہ کی، انہوں نے دوسرا تعویذ دے دیا، اسے باندھا پھر بخار فوراً جاتا رہا، انہوں نے ایک سال کے بعد اسے کھول کر دیکھا تو بسم اللہ ہی لکھی ہوئی تھی، جس پر انہیں بسم اللہ کے باب میں انتہائی عقیدت اور عظمت پیدا ہوگئی۔

(احسن البیان فی خواص القرآن: ۸۹، ۹۰، شرح مسلم مولانا حقانی صاحب)

کیا سات سو چھیاسی (۷۸۶) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا بدل ہوسکتا ہے؟

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ ہر کام کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا چاہئے، تو یہاں ایک مسئلہ بھی بیان کرتا چلوں جو آج کل عوام میں خاصا رواج پا چکا ہے، وہ یہ کہ آج کل خطوط لکھتے ہوئے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بدلہ میں ۷۸۶ لکھا جاتا ہے تو کیا یہ عدد بسم اللہ کا بدل ہوسکتا ہے اور کیا بسم اللہ کی طرح اس کا ادب بھی ضروری ہے؟

اس کا جواب استاذی المکرّم مفتی مدرسہ جامعہ حسینیہ راندیرؒ مفتی اسماعیل واڈی والاؒ کے الفاظ میں سنئے، آپ فرماتے ہیں:

ہر چھوٹے بڑے کام کو بسم اللہ سے شروع کرنے کی تاکید اور فضیلت بہت سی حدیثوں سے ثابت ہے، قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ سے کام شروع کرنا انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکۂ سبا کے نام جو خط لکھا تھا اس کی ابتداء بسم اللہ سے کی تھی، قرآن کریم میں ہے:

اِنَّهٗ مِنۡ سُلَيۡمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۔ (النمل: ۳۰)

اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن بادشاہوں کے نام جو خطوط تحریر فرمائے تھے ان کے شروع میں بھی بسم اللہ لکھی ہوئی تھی۔

ایک مشہور حدیث میں ہے: جو کوئی اہم کام بسم اللہ سے شروع نہ کیا جائے وہ کام ادھورا یعنی بغیر برکت کا ہوگا۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھا کرو۔(غنیۃ الطالبین)

اس لئے خطوط کے شروع میں بسم اللہ لکھنا سنت ہے۔ ۷۸۶ لکھنے سے بسم اللہ لکھنے کی فضیلت حاصل نہ ہوگی، لہذا اصل سنت تو یہی ہے کہ بسم اللہ لکھا جائے، باقی خطوط کو ادھر ادھر جہاں چاہے پھینکنے سے بسم اللہ کی بے ادبی ہوگی، اور لکھنے والا بھی اس بے ادبی کے گناہ میں شامل ہوگا، اس لئے مناسب یہ ہے کہ سنت ادا کرنے کے لئے زبان سے پڑھ لیا جائے، لکھا نہ جائے۔

۷۸۶ لکھنے سے سنت ادا نہیں ہوگی البتہ اگر لکھ لیا جائے تو بعض حضرات اسے بسم اللہ کا عدد بتاتے ہیں اس لئے اس کی بھی بے حرمتی نہ ہو، اس کا خیال رکھا جائے۔

(مفتی اسماعیل واڑی والا، دارالافتاء جامعہ حسینیہ راندیر، سورت، گجرات، انڈیا)

چند اور مسائل:

مسئلہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نماز میں سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے درمیان بسم اللہ آہستہ پڑھنا بہتر ہے۔

(فتاویٰ رحیمیہ ۱/۱۷۶، ۱۸۹)

مسئلہ: بہت سے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے کرام کے نزدیک بسم اللہ قرآن کریم کی ایک آیت ہے، کوئی سورت کا جزو نہیں مگر سورۂ نمل میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہے وہ اسی سورت کا جزو ہے۔

اس لئے علماء کرام نے لکھا ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا احترام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن کریم کا اور جس طرح قرآن کریم کا بغیر وضو کے لکھنا اور پکڑنا جائز نہیں اسی طرح بسم اللہ کا لکھنا اور جس کاغذ پر بسم اللہ لکھی ہو اس کا پکڑنا بغیر وضو کے جائز نہیں ہے۔

مسئلہ: تراویح میں پورا قرآن کریم ایک مرتبہ ختم کرنا سنت ہے، اور چونکہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کریم کی ایک آیت ہے، اس لئے ایک مرتبہ اسے بھی زور سے پڑھنا چاہئے تا کہ قرآن کریم پڑھنے اور سننے والوں سب کا مکمل ہو جائے۔

مسئلہ: جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے، اگر جان بوجھ کر بسم اللہ چھوڑ دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا گوشت حرام ہوگا۔

(معارف القرآن ۳/۴۳۴)

مسئلہ: جانور ذبح کرتے وقت بسم اللہ واللہ اکبر پڑھنا چاہئے۔

مسئلہ: بسم اللہ پڑھنا وضو سے پہلے سنت ہے۔ (ہدایہ ا/۵)

اس کے کئی الفاظ حدیث میں وارد ہوئے ہیں۔

(۱) بِسۡمِ اللّٰهِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ.

(مجمع الزوائد ا/۲۲۰۔ بحوالہ طبرانی فی الصغیر اسنادہ حسن)

(۲) بِسۡمِ اللّٰهِ.

(کنز العمال ۹/ ۱۱۸)

(۳) بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ.

(دار قطنی ا/ ۷۱۔ نسائی ا/ ۲۵۔ سنن بیہقی ا/۴۳۔ کبیری ص: ۲۱۔ شرح نقایہ ا/ ۵)

(۴) بِسۡمِ اللّٰهِ الۡعَظِيۡمِ وَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰى دِيۡنِ الۡاِسۡلَامِ.

یہ الفاظ صحیح مرفوع روایت سے ثابت نہیں البتہ بقول ابن ہمام فقہائے کرام سے منقول ہیں۔ (فتح القدیر ۱/۱۴)

مسئلہ: اگر وضو کے ابتداء میں بسم اللہ کہنا بھول گیا تو درمیان میں کہنے سے سنت ادا نہ ہوگی کیونکہ پورا وضو عمل واحد ہے، برخلاف کھانے کے کہ اس کا ہر لقمہ اور ہر ہر گھونٹ الگ الگ عمل ہے، وہاں سنت ادا ہو جائے گی۔

(کبیری ص:۲۲۔ وکذا ابن ہمام فی فتح القدیر ۱/ ۱۵)

مسئلہ: بعض لوگ وضوء سے پہلے اعوذ باللہ پڑھتے ہیں اس کے پڑھنے کا حکم نہیں ہے، خلاف سنت ہے۔

مسئلہ: میت کو قبر میں اتارتے وقت:

بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ. (صلى الله عليه وسلم)

پڑھنا چاہئے۔

(ترمذی ابوداؤد وغیرہ) (عین الہدایہ ۱/ ۲۷)

اللہ پاک ہر ایک کو بسم اللہ کی قدر نصیب فرمائے اور اپنی مرضیات کی اور حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک اور نورانی سنت پر عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہر قسم کے گناہوں سے بچنا آسان فرمائے اور ہر ایک کو اپنے اپنے وقت موعود پر حسنِ خاتمہ نصیب فرمائے اور ہمارے والدین کی، اساتذہ کی اور پوری امت کی مغفرت فرماوے۔ آمین بحرمۃ السید النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ وسلم تسلیما کثیراً کثیراً۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

﴿ ۸ ﴾

شب براءت کی فضیلت

حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن میں (یعنی پندرہویں کو) روزہ رکھو، کیونکہ اللہ جل شانہ اس رات میں آفتاب چھپنے کے وقت آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور (دنیا والوں سے) فرماتے ہیں کہ سنو! ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کروں؟ سنو! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں؟ ہے کوئی مصیبت میں گرفتار کہ میں اسے عافیت بخشوں؟ سنو! ہے کوئی ایسا اور ایسا (یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا نام لے کر اپنے بندوں کو پکارتا رہتا ہے) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔

﴿ ۸ ﴾

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شب براءت کی فضیلت

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ عن رسول اللّٰہ ﷺ قال : ان اللّٰہ تعالیٰ لیطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا لمشرک او مشاحن.

(ابن ماجہ ص:۱۰۱،بیہقی،مشکوۃ شریف ص:۱۱۵)

وقال النبی ﷺ فی روایۃ : الا اثنین مشاحن و قاتل نفسٍ.

(مرقات:۳/۳۴۹)

[حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل شانہ نصف شعبان کی رات کو (یعنی شب براءت میں دنیا والوں کی طرف) متوجہ ہوتا ہے اور مشرک اور کینہ رکھنے والے کے علاوہ تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے۔]

دوسری روایت میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: کینہ رکھنے والے

اورناحق کسی کوقتل کرنے والے (کے علاوہ اللہ تعالیٰ اس شب میں تمام مخلوق کی بخشش فرماتا ہے۔)

صدق الله مولانا العظيم و صدق رسوله النبی الكريم و نحن على ذلك لمن الشاهدين و الشاكرين و الحمد لله رب العالمين۔

اسماءِ شبِ براءت:

بزرگانِ محترم وعزیزانِ مکرم! اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل وکرم اور بڑا احسان یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں پندرہویں شعبان کی یہ رات نصیب فرمائی، اورمزید کرم واحسان یہ ہوا کہ اس میں مل بیٹھ کر دینی باتیں کہنے سننے کی توفیق وسعادت عطا فرمائی، اس پر ہم اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکریہ ادا کریں کم ہے۔

بزرگان محترم! یہ جو رات ہے اس کوشبِ براءت بھی کہتے ہیں، اوراس رات کو لیلۃ الرحمۃ یعنی رحمت والی رات بھی کہتے ہیں اور اس کا نام لیلۃ الصک (دستاویز والی رات) بھی ہے اوراس کا نام لیلۃ المبارکۃ (مبارک رات) بھی ہے۔

کتابوں میں اس کے کئی نام آئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم سب پر اپنا خصوصی فضل فرمایا اور ہمیں یہ برکت والی رات نصیب فرمائی، اللہ تعالیٰ ہمارے اس دین کی نسبت پر مل بیٹھنے کو قبول فرمائے اوراس رات میں ہونے والی تمام عبادتوں کوقبول فرمائے اور دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہماری عمروں میں برکت عطا فرماوے اور ہمیں آنے والے مہینہ رمضان کی برکات سے بھی مالا مال فرماوے اور پورا رمضان المبارک ہم سب کو نصیب فرماوے، آمین۔

رجب کا چاند دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرماتے تھے:

اس مہینہ میں یہ دعا کرنا سنت ہے، دراصل یہ مضمون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کا خلاصہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رجب اور شعبان میں یہ دعا کثرت سے مانگا کرتے تھے:

اللهم بارک لنا فی رجب وشعبان وبلغنا الی رمضان.

[اے اللہ! ہمارے ماہ رجب میں بھی برکت عطا فرما اور شعبان میں بھی برکت عطا فرما اور ہمیں رمضان تک پہنچا، رمضان نصیب فرما]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب رجب المرجب کا مہینہ آتا تھا تو اپنی عمر میں برکت اور درازئ عمر کے لئے دعا فرماتے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کا اہتمام رجب المرجب سے شروع فرمادیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ ہر مہینہ کا چاند دیکھو اور خاص کر کے شعبان کا چاند دیکھو، تاکہ رمضان کا صحیح پتہ چل سکے۔ (مرقات:۴/۴۱۰) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنا شعبان کے دنوں کو یاد رکھتے تھے اتنا کسی اور مہینہ کے دنوں کو یاد نہیں رکھتے تھے۔

(مرقات:۴/۴۱۳)

رمضان کی برکات اور نماز میں خشوع وخضوع پیدا ہونے کا ایک طریقہ:

رمضان المبارک کا مہینہ قرآن کریم کی سالگرہ اور قرآن کریم کے نزول کا مہینہ اور بڑی رحمت وبرکت والا مہینہ ہے، اس مہینہ سے صحیح معنی میں وہی شخص فیض حاصل کرسکے گا جو رجب اور شعبان سے اس کی تیاری شروع کردے جیسے کہ فرض نماز میں

خشوع وخضوع اورنماز کی روح اسے ملتی ہے جوآگے پیچھے کی سنتیں بھی پڑھتا ہے،آپ اس کا تجربہ فرمالیں جوشخص نماز کے آگے پیچھے سنتیں پڑھتا ہے اس کی نماز میں وہ خشوع وخضوع اورروح ہوتی ہے جوبغیر سنت پڑھنے والے کی نماز میں نہیں ہوتی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنتیں مقرر فرمائی ہیں،اس کے بعد فرض کی ادائیگی ہے اس کی حکمت یہ ہے کہ سنت کی برکت سے فرض نماز میں خشوع خضوع نصیب ہوتا ہے۔

بعضے اللہ والوں کے متعلق منقول ہے کہ وہ تو نماز سے تھوڑی دیر پہلے مسجد میں آجاتے اورسنت پڑھ کرتھوڑی دیر بیٹھتے تھے، کسی نے پوچھا آپ اس طرح کیوں کرتے ہیں؟ جلدی کیوں تشریف لاتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا تاکہ میرے اعضاءکوسکون مل جائے،اس کے بعد جب میں نماز میں کھڑا ہوں تو میری توجہ پوری اللہ کی طرف ہوجائے، اعضاءکوسکون ملنے کے بعد نماز میں وہ لطف آئے گا جوفوراً آکر شامل ہونے والے کونہیں ملے گا،اگرفوراً نماز شروع کرے گا توتھکن بھی ہوگی،سانس بھی چل رہا ہوگا،اس حالت میں نماز شروع کرے گا تو ظاہر ہے کہ لطف نصیب نہیں ہوگا،تو شعبان اور رجب ہی سے تیاری شروع کردی جائے،تو رمضان کا پورا پورا مہینہ لطف حاصل ہوگا۔

میرے استاد حضرت شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب راندیری رحمۃ اللہ علیہ اس کوایک مثال سے یوں سمجھاتے تھے کہ دیکھو بھائی! کبھی گھر میں رنگ وروغن کرنا ہوتا ہے تو پہلے پرانے رنگ وروغن کوکھرچ دیا جاتا ہے،صاف کیا جاتا ہے، پھر نیا رنگ وروغن چڑھایا جاتا ہے اس سے نیا رنگ اچھا چڑھتا ہے،ٹھیک اسی طرح رجب وشعبان سے قلب کی صفائی شروع کردوتاکہ رمضان المبارک میں قرآن کریم کا صحیح رنگ چڑھ جائے۔

شعبان میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا روزوں کا اہتمام:

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان مہینوں میں خصوصیت کے ساتھ عبادتوں کا بڑا اہتمام فرماتے تھے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا:

قلت یا رسول الله لم ارک تصوم من شهر من الشهور ما تصوم من شعبان قال: ذاک شهر یغفل الناس فیه من رجب ورمضان وهو اشهر ترفع فیه الاعمال الی رب العالمین واحب ان یرفع عملی وانا صائم.

(رواہ النسائی) الترغیب والترھیب ۲/۱۱۶)

اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے آپ کو (رمضان کے علاوہ) کسی اور مہینہ میں اتنا روزہ رکھتے نہیں دیکھا جتنا آپ شعبان کے مہینہ میں روزہ رکھتے ہیں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پورے مہینہ میں روزے رکھتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے دریافت کیا یا رسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟ تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ مہینہ ہے جس (کی برکت) سے لوگ رجب اور رمضان کے مقابلہ میں زیادہ غفلت میں پڑے ہوئے ہیں، یہ وہ مہینہ ہے جس میں ہمارے اعمال اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں پیش کئے جاتے ہیں لہذا میں چاہتا ہوں جب میرے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں تو اس وقت میں روزے کی حالت میں ہوں۔

صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر کثرت سے شعبان المعظم میں روزے رکھتے ہوا دیکھا اتنا کسی اور مہینہ میں نہیں دیکھا۔

صوم وصال:

لیکن قربان جایئے رحمۃ للعالمین سید الاولین والآخرین محبوب رب العالمین تاجدار مدینہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کہ امت پر کتنی شفقت فرمائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلسل روزے رکھتے تھے، کبھی کبھی تو اس طرح روزے رکھتے کہ نہ سحری تناول فرماتے، نہ افطار فرماتے جسے صوم وصال کہتے ہیں، اور روزہ پر روزہ رکھتے تھے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق منقول ہے کہ حضرت موسیٰؑ کو جب اللہ تعالیٰ نے توراۃ دینے کا ارادہ فرمایا تو فرمایا ایک مہینہ کا پہلے اعتکاف کرو اور ایک مہینہ کے روزے رکھو، کوہِ طور پر آؤ اور ایک مہینہ تک کچھ کھانا پینا نہیں، نہ افطاری نہ سحری، آپ کہیں گے کہ ایک مہینہ تک اگر کوئی آدمی کھانا نہ کھائے تو بھوک سے مر جائے گا، تو در اصل ہم اپنے آپ کو دیکھ کر یہ بولتے ہیں اس لئے ہمارے دل میں یہ خیال آتا ہے، کیونکہ ہماری روح اس کی عادی نہیں ہوئی۔

میں نے ایک مرتبہ شبِ قدر کے بیان میں اپنے دوستوں سے یہ سوال کیا کہ ''آپ کو چیلنج کے ساتھ بتاؤں کہ آج ہی شبِ قدر ہے تو آپ کیا انعام دیں گے؟''

تو ایک صاحب مجمع میں سے بولے: ''بکرا کھلائیں گے،''

میں نے اس پر کہا: ''کسی نے کسی بھوکے سے پوچھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں؟ تو اس نے کہا چار روٹی،'' تو بھوکے کو تو یہی سمجھ میں آئے گا۔

احقر نے کہا: ''بھائی! کیا پیٹ ہی کی پڑی ہے؟ یہ کہتے کہ اس کا انعام یہ ہے کہ پوری رات اللہ اللہ کریں گے، بکرا کیا نہیں کھاتے؟ بکرا یہ کوئی انعام ہے؟ انعام تو یہ ہے

کہ یوں کہیں آج پوری رات اللہ کی عبادت کریں گے، نفلیں پڑھیں گے اللہ اللہ کریں گے، اس رات کو غفلت سے نہیں گذاریں گے، تو یہ بڑا انعام کہلائے گا۔‘‘

تو بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے ایک مہینہ کا اعتکاف کیا، اور ایک مہینہ تک مسلسل نہ کھایا نہ پیا، نہ ان کو بھوک لگی اور ایک مہینہ کے بعد منہ سے بو آنے لگی، معدہ خالی ہوتا ہے تو بو آتی ہے۔

روزے دار کے منہ کی بو:

انہوں نے سوچا کہ اللہ سے ہم کلامی کرنا ہے، اس حال میں ہم کلامی مناسب نہیں تو مسواک کرلی، اللہ پاک نے فرمایا مسواک کیوں کرلی؟ روزے دار کے منہ کی جو بو ہے وہ ہمارے نزدیک مشک سے زیادہ پیاری ہے، تم نے مسواک کیوں کرلی، اب اس وجہ سے دس دن اور روزے رکھو، قرآن میں ہے:

وَوٰعَدْنَا مُوسٰی ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً

[ہم نے موسی علیہ الصلوۃ والسلام سے تیس راتوں کا وعدہ لیا تھا۔]

وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً (الاعراف: ۱۴۲)

[ہم نے دس راتیں اور بڑھادیں تو چالیس دن پورے فرمائے۔]

تو اس کو صوم وصال کہتے ہیں، اس درمیان نہ ان کو پیاس لگی، نہ بھوک لگی، اور نہ کچھ ہوا، اور شاید آپ کے علم میں ہوگا حضرت موسی علیہ الصلوۃ والسلام کا ایک سفر ہوا تھا مصر سے مدین کی طرف جبکہ فرعون نے آپ کے نام وورنٹ چھوڑا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دو سفر:

جب آپ مصر سے مدین روانہ ہوئے اور مدین پہنچے تو آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے، مدین کی طرف سفر فرعون کے وورنٹ کی وجہ سے ہوا تھا، خیر مدین پہنچے تو ایک سایہ کی جگہ میں بیٹھ گئے، سایہ درخت کا ہوگا یا کسی پہاڑ کا۔اس سفر میں چونکہ کچھ کھانے پینے کو نہ ملا تھا، بھوک لگی ہوئی تھی، آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا فرمائی:

رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ. (القصص: ۲۴)

اے پروردگار اس وقت جو نعمت بھی قلیل ہو یا کثیر آپ میرے پاس بھیج دیں، میں اس کا سخت حاجت مند ہوں۔ایک تو سفر یہ ہے۔

اور ایک دوسرا سفر وہ ہے جو آپ نے حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام کی ملاقات کے لئے کیا، ناشتہ اور توشہ دان ساتھ لے کر چلے تھے اور اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کی ایک نشانی بتائی تھی کہ جس جگہ پہنچ کر یہ مچھلی گم ہو جائے بس وہی جگہ ہمارے اس بندے سے ملاقات کی ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک کے حکم کے مطابق ایک مچھلی اپنے ٹفن میں اپنے زنبیل میں رکھ لی اور اپنے خادم حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ روانہ ہو گئے، دورانِ سفر ایک پتھر کے پاس پہنچ کر اس پر سر رکھ کر لیٹ گئے، یہاں مچھلی میں حرکت پیدا ہوئی اور زنبیل سے نکل کر دریا میں سرنگ بناتی ہوئی چلی گئی، حضرت یوشع علیہ السلام یہ عجیب واقعہ دیکھ رہے تھے، جب موسیٰ علیہ السلام بیدار ہوئے تو آپ سے یہ واقعہ بتانا بھول گئے، اور اس جگہ سے آگے روانہ ہو گئے، پورے ایک دن ایک رات کا مزید سفر کیا، جب دوسرے روز صبح ہوئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

اپنے رفیق سے کہا کہ ہمارا ناشتہ لاؤ۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَاءَ نَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَباً.

(الکھف:٦٢)

[جب وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے تو آپ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ہمارا ناشتہ تو لاؤ ہم کو تو آج اس سفر سے بڑی تکلیف ہوئی۔]

بہت تھک گئے، اس سے پہلے کی منزلوں میں اور سفر میں کچھ بھی تھکن نہیں مگر یہاں ہوئی، خادم نے کہا اوہو!!

قَالَ اَرَءَ يْتَ اِذْ اَوَيْنَا اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّىْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ

لیجئے دیکھئے، عجیب بات ہوئی جب ہم اس پتھر کے قریب ٹھہرے تھے اور وہاں آرام کیا تھا، آپ سو گئے تھے تو اس وقت مچھلی کا عجیب قصہ ہوا کہ وہ مچھلی زندہ ہو کر سمندر میں سرنگ بناتی ہوئی چلی گئی، اور میرا ارادہ آپ سے ذکر کرنے کا تھا لیکن کسی دوسرے دھیان میں لگ گیا اور شیطان نے وہ بات بالکل بھلا دی اور آپ سے تذکرہ کرنا رہ گیا۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سن کر فرمایا یہی وہ موقع تھا، یہی تو وہ جگہ تھی جس کی ہم کو تلاش تھی، چلو اب پیچھے قدم واپس لوٹتے ہیں۔

فَارْتَدَّا عَلٰى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا. (الکھف: ٦٤)

[سو وہ دونوں اپنے قدموں کے نشان دیکھتے ہوئے الٹے لوٹے۔]

ان دونوں سفروں کا قرآن مجید میں تذکرہ ہے، پہلا سفر جو میں نے بیان کیا، بیسویں پارہ سورۂ قصص میں ہے، اور یہ دوسرا سفر جس کا ذکر ہوا، سورۂ کہف میں ہے، ان

دونوں سفروں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھوک لگی اور وہاں یعنی کوہِ طور پر تیس یا چالیس رات گذاری مگران دنوں میں نہ بھوک لگی نہ پیاس۔

بھوک کا احساس ہوا اس کی عجیب حکمت:

اس پر مفسرین نے عجیب بات لکھی ہے اور اور یہی بات سنانے کے لئے ان دونوں قصوں کا ذکر کیا، فرمایا کہ مصر سے مدین کا سفر ہوا یا حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات کے لئے سفر ہوا، یہ دونوں سفر ایسے ہیں کہ ان میں مخلوق کا سفر مخلوق کی طرف تھا اس لئے بھوک لگی، اور کوہِ طور پر مخلوق کا سفر خالق کی طرف تھا اس لئے نہ بھوک لگی نہ پیاس۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہِ طور پر صوم وصال تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی صوم وصال رکھتے تھے، نہ افطاری نہ سحری۔

اللہ کے ذکر سے پیٹ کا بھرنا:

ایک دور قیامت سے قبل بھی آئے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام دنیا میں تشریف لائیں گے اور یاجوج ماجوج قوم نکلے گی، دنیا میں فساد مچائیں گی، سب چیزیں کھا جائیں گی، کھانے پینے کا کوئی سامان نہ ہوگا، حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اپنے ساتھیوں کو لے کر پہاڑوں پر چلے جائیں گے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کا کھانا پینا کیا ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے تو ان کا پیٹ بھر جائے گا۔

صحابہ کا اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا:

تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال رکھے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین

نے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو صوم وصال رکھتے دیکھا، تو صحابہؓ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، آپ کے ایک ایک عمل کی نقل فرماتے تھے تو صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی صوم وصال رکھنا شروع کردیا لیکن اس کی طاقت نہ رکھ سکے اور کمزور ہوگئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:

ایکم مثلی.

[کیا تم میری برابری کرنا چاہتے ہو؟ کیا تم میری طرح ہو؟]

انی ابیت یطعمنی ربی ویسقینی ربی. (مرقات: ۴۱۹/۴)

[رات جب میں سوتا ہوں تو مجھے میرا رب کھلاتا ہے اور پلاتا بھی ہے۔]

تم صوم وصال کی طاقت نہیں رکھ سکتے تم تو سحری بھی کرو، افطاری بھی کرو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ماہ شعبان میں گاہے گاہے پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔ اور آپ نے امت کو صوم وصال سے منع کیا، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر بے حد شفقت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کا کس قدر خیال فرمایا۔

رجب وشعبان میں بیٹری چارج کرلو:

تو میں یہ عرض کررہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کا اہتمام شعبان اور رجب سے فرماتے تھے، تو جو لوگ ابھی سے رمضان کی تیاری شروع کریں گے، توبہ واستغفار کرکے اپنے دل کے آئینہ کو صاف اور چمکدار بنائیں گے تو صحیح

معنیٰ میں ان پر رمضان المبارک کا رنگ چڑھے گا اور رمضان کی برکتوں سے مالا مال ہوسکیں گے، میں اپنے دوستوں سے کہا کرتا ہوں کہ ابھی سے تیاری شروع کرنے سے بیٹری چارج ہوجائے گی، قلب کی بیٹری چارج ہوجائے گی، پھر صحیح معنیٰ میں رمضان کے انوار حاصل کرسکو گے۔

رمضان کی برکات کا اثر:

اور جس نے رمضان کی برکتیں صحیح معنیٰ میں لوٹ لیں تو پھر پورا سال اس کے لئے ان شاء اللہ اللہ پاک کے ہر حکم کو پورا کرنا آسان ہوجائے گا، اور پورا سال اس کی برکتوں کا اثر رہے گا، بعض اکابرین نے لکھا ہے کہ جس کا جمعہ اچھی طرح گزرتا ہے، جمعہ کی عبادات مسنون طریقہ سے ادا ہوتی ہے، منہیات سے بچتے ہوئے جمعہ کا دن گزارا تو اس کا پورا ہفتہ اچھا گزرتا ہے، اور جس کا رمضان اچھا گزرتا ہے تو اس کا پورا سال اچھا گزرتا ہے اور جس کا حج صحیح معنیٰ میں آداب و مستحبات کے ساتھ ادا ہوتا ہے، اس کی پوری زندگی ٹھیک ہوجاتی ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے:

زندگی گزارو رمضان کی طرح
موت آئے گی عید کی طرح

تو اللہ رب العزت نے یہ آج کی نصف شعبان کی بہت مبارک رات ہمیں عطا فرمائی ہے، ہم اس کی صحیح معنیٰ میں قدر دانی کریں، اس رات کو زیادہ سے زیادہ عبادتوں میں نوافل میں گزارنے کی فکر کریں، غفلت کی نذر ہو جانے سے ہم اس کو بچائیں، حدیث شریف میں اس رات کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

لیلۃ المبارکہ کے فضائل روایات کی روشنی میں:

بعض مفسرین نے سورۂ دخان کی ابتدائی آیات

حٰمٓ. وَالْکِتٰبِ الْمُبِیْنِ. اِنَّا اَنْزَلْنٰـهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰـرَکَةٍ اِنَّا کُنَّا مُنْذِرِیْنَ. فِیْهَا یُفْرَقُ کُلُّ اَمْرٍ حَکِیْمٍ. اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا

(الدخان: ۱، ۲، ۳، ۴، ۵)

[قسم ہے اس کتاب واضح کی کہ ہم نے اس کو ایک برکت والی رات میں اتارا ہے، ہم آگاہ کرنے والے تھے۔ اس رات میں ہر حکمت والا معاملہ ہماری پیشی سے حکم صادر ہو کر طے کیا جاتا ہے۔] (بیان القرآن)

میں لیلۂ مبارکہ سے نصف شعبان کی رات مراد لی ہے اور ان آیات سے اس کی فضیلت کو ثابت کیا ہے مگر جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے شبِ قدر مراد ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ لیلۂ مبارکہ سے مراد شب قدر ہی ہے تو بھی آج کی اس رات کی فضیلت کے ثبوت کے لئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت ساری حدیثیں ہیں، تقریباً دس روایتیں ہیں۔

پہلی روایت:

حضرت عطاء بن یسارؒ (ان کی وفات: ۱۰۳ھ میں ہوئی ہے) سے مروی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”ما من لیلة بعد لیلة القدر افضل من لیلة نصف شعبان“

[کہ شب قدر کے بعد شعبان کی پندرہویں رات سے افضل کوئی رات نہیں ہے۔]

(لطائف المعارف از علامہ ابن رجب حنبلیؒ: ص ۱۴۵)

دوسری روایت:

عن عائشة رضی الله عنها عن النبی صلی الله علیه وسلم قال هل تدرین ما فی هذه اللیلة؟ یعنی لیلة النصف من شعبان، قالت: ما فیها یا رسول الله؟ صلی الله علیه وسلم فقال فیها ان یکتب کل مولود من بنی آدم فی هذه السنة وفیها ان یکتب کل هالک من بنی آدم فی هذه السنة وفیها ترفع اعمالهم وفیها تنزل ارزاقهم.

(مشکوۃ:۱۱۵)

یہ روایت مشکوۃ ص ۱۱۵ پر ہے، اس حدیث میں [حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس رات میں یعنی پندرہویں رات میں کیا کیا ہوتا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا یا رسول اللہ! کیا کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس شب میں یہ ہوتا ہے کہ اس سال جتنے بھی پیدا ہونے والے بچے ہیں وہ سب لکھ لئے جاتے ہیں اور جتنے اس سال مرنے والے ہیں وہ بھی اس رات لکھ دیئے جاتے ہیں اور اس رات میں سب بندوں کے اعمال اٹھائے جاتے ہیں، اس رات میں مقررہ روزی اترتی ہے۔]

تیسری روایت:

عن عطاء بن یسارؒ قال: إذا کان لیلة النصف من شعبان دفع إلی ملک الموت صحیفة فیقال: اقبض من فی هذه الصحیفة فان العبد لیغرس الغراس وینکح الازواج ویبنی البنیان وان اسمه قد

نسخ فی الموتی.

یہ روایت بھی لطائف المعارف ص:۱۴۸۔ ما ثبت بالسنہ عربی اور اردو دونوں میں ہے اور مسند عبد الرزاق ۴/ ۳۱۷ میں موجود ہے، اس کا ترجمہ یہ ہے:

[حضرت عطاء بن یسارؒ فرماتے ہیں کہ جب شعبان کی پندرہویں شب ہوتی ہے تو خدا کی طرف سے ایک صحیفہ ملک الموت کو دیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ جن جن لوگوں کے نام اس فہرست میں درج ہیں ان کی روحوں کو قبض کرنا، اب کوئی بندہ باغوں میں درخت لگا رہا ہے، کوئی شادی کرتا ہے، کوئی مکان کی تعمیر میں مصروف ہوتا ہے، حالانکہ اس کا نام مُردوں کی فہرست میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔]

کوئی آدمی کیا کیا پلان بناتا ہے لیکن آج رات میں پتہ نہیں ہمارا نام زندوں کی فہرست میں ہے یا مردوں کی فہرست میں ہے، اللہ ہی کے علم میں ہے، گذشتہ پندرہویں شعبان میں ہمارے کتنے رشتہ دار، کتنے دوست احباب اسی مسجد میں یہاں بیٹھے ہوئے تھے، کوئی کہاں سفر میں تھا، کوئی کہاں کس کام میں تھا، کس کو معلوم تھا کہ وہ آئندہ سال زمین پر ہوں گے یا زیرِ زمین پیوند خاک بنے ہوں گے، مجھے اور آپ کو بھی معلوم نہیں آئندہ پندرہویں شعبان ملتی ہے یا نہیں؟ آج فیصلہ ہوگا، میں ابھی سفر سے لوٹا ہوں، میری ممانی صاحبہ لیسٹر میں ان کا کل انتقال ہو گیا، ظہر کے بعد دفن کیا گیا، وہ بڑی صحت مند تھیں، آٹھ دن بیمار رہیں، ایک ہفتہ مشین پر رہیں، اچھی صحت تھی، صرف کف سینہ پر جمع ہو گیا، پچاس کے اندر ان کی عمر تھی، اور پھر معاملہ ہارٹ اور کڈنی پر گیا اور رات کو دنیا سے چل بسیں۔ تو

کسے کیا معلوم؟ آج کی رات ان کی تقدیر میں نہیں تھی، صرف ایک روز قبل وصال ہوگیا، آج کی رات اللہ کی رحمت والی رات ہے، سب مرحومہ کے لئے دعا کریں، اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے، ہمارے ماموں مولانا محمد یوسف شیخ صاحب اوران کی اولاد کو صبر جمیل نصیب فرمائے۔

چوتھی روایت:

عن عثمان بن محمد بن مغيره بن اخنس رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: تقطع الآجال من شعبان الى شعبان حتى ان الرجل ينكح ويولد له وقد خرج اسمه فى الموتى.

یہ روایت علامہ طبرانی کی کتاب جامع البیان فی تفسیر القرآن ۲۵/ ۶۵۔ علامہ قرطبی کی کتاب الجامع لاحکام القرآن ۱۶/ ۱۲۶ پر اور تفسیر ابن کثیر ۴/ ۱۳۷ پر نقل کی ہے، اس کا ترجمہ ہے:

[حضرت عثمان بن محمد فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ساکنان ارض کی عمریں ایک شعبان سے دوسرے شعبان تک طے کی جاتی ہیں یہاں تک انسان شادی بیاہ کرتا ہے، اس کے یہاں بچے پیدا ہوتے ہیں اور حال اس شادی کرنے والے کا یہ ہے کہ اس کا نام تو اس سال وفات پانے والوں کی فہرست میں لکھا جا چکا ہوتا ہے۔]

اور اس کو معلوم بھی نہیں ہوتا، وہ بے خبروں کی طرح زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ ابھی ہماری ممانی انڈیا گئی تھیں، بیٹے کا رشتہ طے کر کے آئی ہیں، تو انسان شادی بیاہ کرتا ہے، رشتے طے کئے جاتے ہیں، حالانکہ اس کا نام مردوں کی فہرست میں درج ہو چکا ہوتا ہے۔

پانچویں روایت:

راشد بن سعد فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فی لیلة النصف من شعبان یوحی اللہ تعالیٰ الی ملک الموت بقبض کل نفس یرید قبضها فی تلک السنة.

(اخرجہ الدینوری فی المجالسۃ روح المعانی ۲۵/۱۱۳)

[شعبان کی پندرہویں شب کو اللہ تعالیٰ ان تمام روحوں کو قبض کرنے کی تفصیل ملک الموت کو بتادیتے ہیں جو اس سال قبض کی جائیں گی۔]

چھٹی روایت:

عن ابی بکر رضی اللہ عنه عن النبی صلی اللہ علیه وسلم قال: ینزل اللہ تعالیٰ الی سماء الدنیا لیلة النصف من شعبان فیغفر لکل شیء الا رجل مشرک اورجل فی قلبه شحنا.

یہ روایت شعب الایمان بیہقی میں ۳/۳۸۰ پر ہے۔اسی طرح علامہ بغوی نے اپنی کتاب شرح السنۃ للبغوی ۴/۱۲۶ پر اس روایت کو نقل کیا ہے۔

اس روایت میں [حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب کو آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتے ہیں اور اس شب ہر کسی کی مغفرت کردی جاتی ہے سوائے مشرک کے یا ایسے شخص کے جس کے دل میں بغض یا کینہ ہو۔] ان دو آدمیوں کی مغفرت نہیں کی جاتی۔

(الترغیب والترہیب۔۲/۱۹۹)

ساتویں روایت:

عن عائشة رضی الله عنها قالت: فقدت رسول الله صلی الله علیه وسلم لیلة فخرجت فإذا هو بالبقیع فقال: اکنت تخافین ان یحیف الله علیک ورسوله فقلت: یارسول الله ظننت انک اتیت بعض نسائک فقال: ان الله تبارک وتعالیٰ ینزل لیلة النصف من شعبان الی سماء الدنیا فیغفر لاکثر من عدد شعر غنم کلب.

[حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس نہ پایا تو میں آپ کی جستجو میں نکلی کیا دیکھتی ہوں کہ آپ جنت البقیع میں تشریف فرما ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے عائشہ! کیا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ خدا اور رسول تم پر زیادتی کر سکتے ہیں، میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے یہ خیال ہوا کہ شاید آپ کسی دوسری اہلیہ کے پاس تشریف لے گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بلا شبہ اللہ تعالیٰ شعبان کی پندرہویں شب میں آسمان دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتے ہیں، اور بنو کلب کی بکریوں کے بال کے برابر لوگوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں۔]

یہ روایت ترمذی شریف ۱/۱۵۶ پر ہے۔ اسی طرح یہ روایت ابن ماجہ ص: ۱۰۰۔ اور مسند احمد اور شعب الایمان کے اندر ہے۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں بھی ہے، اسی طرح علامہ بغوی نے بھی اس کو شرح السنہ میں بیان فرمایا ہے۔

آٹھویں روایت:

عن ابی موسیٰ الاشعریؓ عن رسول اللّٰہ ﷺ قال : ان اللّٰہ تعالیٰ لیطلع فی لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الا لمشرک او مشاحن.

اس روایت میں بھی یہی مضمون ہے۔ [رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمادیتے ہیں سوائے مشرک اور کینہ پرور کے۔]

یہ حدیث ابن ماجہ ص:۱۰۱ پر ہے۔ اسی طرح بیہقی اور مشکوۃ شریف ص:۱۱۵ پر بھی ہے۔

نویں روایت:

نویں روایت حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اس کا مضمون بھی وہی ہے جو ابھی بیان ہوا۔ یہ روایت بیہقی میں ہے۔

دسویں روایت:

[ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب نصف شعبان کی رات ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ اپنی مخلوق پر نظر رحمت ڈال کر مسلمانوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں اور کافروں کو مہلت دیتے ہیں، اور کینہ پروروں کو ان کی کینہ کی وجہ سے چھوڑ دیتے ہیں، تاوقتیکہ وہ اپنا کینہ چھوڑ دیں۔]

یہ روایت بیہقی کی شعب الایمان ۳۸۲/۳ پر ہے۔

گیارہویں روایت:

گیارہویں روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے، وہ فرماتے ہیں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ تعالیٰ لیطلع فی لیلة النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقه الا اثنین مشاحن وقاتل نفس.

(مرقات:۳/۳۴۹،مسند احمد۲/۱۷۶،الترغیب والترھیب ۲/۱۱۹)

[اس روایت میں یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب (اللہ) اپنی مخلوق پر نظرِ رحمت فرماتے ہیں، پس سب بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، مگر دو قسم کے آدمیوں کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک مشرک اور دوسرے قاتل کی جو کسی کو ناحق قتل کردے اس کی مغفرت نہیں ہوتی۔]

بارہویں روایت:

و عن علیؓ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا کانت لیلة النصف من شعبان فقوموا لیلها و صوموا یومها فان اللہ تعالیٰ ینزل فیها لغروب الشمس الی السماء الدنیا، فیقول الا من مستغفر فاغفر له؟ الا مسترزق فارزقه؟ الا مبتلی فاعافیه؟ الا کذا الا کذا؟ حتی یطلع الفجر. (مشکوة: ۱۱۵)

[حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرتاج دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب نصف شعبان کی رات ہو تو اس رات میں نماز پڑھو اور اس کے دن میں (یعنی پندرہویں کو) روزہ رکھو، کیونکہ اللہ جل شانہ اس رات میں آفتاب چھپنے

کے وقت آسمان دنیا پر نزول فرماتے ہیں، اور (دنیا والوں سے) فرماتے ہیں کہ سنو! ہے کوئی بخشش چاہنے والا کہ میں اس کی بخشش کروں؟ سنو! ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اسے رزق دوں؟ ہے کوئی مصیبت میں گرفتار کہ میں اسے عافیت بخشوں؟ سنو! ہے کوئی ایسا اور ایسا (یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرورت اور ہر تکلیف کا نام لے کر اپنے بندوں کو پکارتا رہتا ہے) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔]

بارہ روایات آپ کو سنائیں۔

یہ رات عبادت کی ہے، رسم و رواج کی نہیں:

بعض لوگ اس رات کو مانتے ہی نہیں، کہتے ہیں کہ اس رات کی کوئی اہمیت نہیں، کوئی فضیلت نہیں ہے۔ اتنی حدیثیں تو آپ کو سنا دیں، ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، تمام روایتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رات فضیلت والی رات ہے، اس رات میں اللہ تعالیٰ ایک سال کے امور فرشتوں کو سپرد فرما دیتے ہیں، اس ایک سال میں کون جئے گا، کون مرے گا؟ نیز کس کو کتنی روزی ملے گی؟ کون پیدا ہوگا؟ غرض ایک سال کے تمام امور اس رات میں طے ہو جاتے ہیں۔ نیز یہ رات اتنی بابرکت ہے کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتے ہیں اور سوائے سات لوگوں کے تمام کی مغفرت فرما دیتے ہیں، مشرک، قطع تعلق کرنے والا، کینہ پرور، اپنی ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا، والدین کا نافرمان، شراب کا عادی، اور ناحق کسی کا قتل کرنے والے کے علاوہ تمام کی مغفرت کر دی جاتی ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کے

برابر گنہگاروں کی مغفرت کی جاتی ہے، نیز اللہ تعالیٰ ۱۴ویں کے غروب شمس سے ۱۵ویں کے طلوع فجر تک یہ ندا دیتے ہیں کہ ہے کوئی مغفرت کا چاہنے والا جس کی میں مغفرت کروں، ہے کوئی رزق کا طالب کہ میں اسے رزق دوں، ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کی تکلیف کو دور کروں، اس طرح اللہ تعالیٰ ہر ضرورت کا نام لے کر پکارتے ہیں۔ غرض یہ رات بڑی برکت والی رات ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ پر ہے کہ عبادت کی قسموں میں سے کوئی خاص عمل اس رات میں وارد نہیں ہے، صرف روایت میں یہ ملتا ہے:

قوموا لیلها و صوموا یومها

[اس کی رات میں نماز پڑھو اور دن میں روزہ رکھو۔]

لہذا اس رات میں فضیلت حاصل کرنے کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی و خوشنودی کی غرض سے خود سے جس قدر ہو سکے اتنا جاگ کر عمل کرے، عبادت کرے، زیادہ سے زیادہ نفلیں پڑھنی چاہئے اور دن میں روزہ رکھنا چاہئے، اور اللہ سے اپنی مغفرت اور رزق میں وسعت اور ہر ضرورت کو مانگنا چاہئے، دعا کرنی چاہئے، اور نہ جاگنے والوں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہئے، نیز اس دن میں روزہ رکھنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس دن نامۂ اعمال کا پرانا دفتر بند کر کے نیا دفتر شروع کیا جاتا ہے اور اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے تو جو شخص روزہ دار ہوتا ہے اس کے پرانے دفتر میں سب سے آخری عمل روزہ اور نئے دفتر میں سب سے پہلا عمل روزہ لکھا جاتا ہے، اور اللہ کی بارگاہ میں جب یہ دفتر پیش کیا جائے تو یہ بہت اچھی بات ہے کہ ہمارے دفتر میں سب سے پہلا عمل اور سب سے آخری عمل روزہ ہو۔

اس رات میں رسم و رواج نہ کیا جائے، بعض جگہ کچھ خاص عدد کے ساتھ نفلیں

پڑھی جاتی ہیں اوران کے پڑھنے کا طریقہ کا بھی الگ ہے ہر رکعت میں ایک خاص مقدار میں سورۂ اخلاص کی قرأت کی جاتی ہے، یہ بالکل غلط ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں، نفلیں جتنی چاہے پڑھ سکتے ہیں لیکن ایک خاص طریقہ کے ساتھ کہ اتنی مرتبہ ہر رکعت میں سورۂ اخلاص کی تلاوت وغیرہ اس کا حدیث میں کوئی ثبوت نہیں ہے، لہذا اس عمل کو چھوڑ دینا چاہئے۔اس رات میں ہو یا کسی اور رات میں اسلام میں رسم ورواج کی کوئی حیثیت نہیں ہے یعنی اس رات میں عبادت کرنا ہے، اس رات میں نفل عبادت کا حکم ہے، صرف جاگنا عبادت نہیں ہے، بعض لوگ کہتے ہیں چلو اس رات میں جاگنا ہی ہے تو ہم جاگ لیں گے، اور تاش لے کر بیٹھ جاتے ہیں، یا اور کوئی کھیل لے کر بیٹھ جاتے ہیں، یہاں توالحمدللہ یہ بات نہیں ہے، انڈیا، پاکستان میں جب یہ مبارک رات آتی ہے، تو نوجوان سائیکل لے کر نکل جاتے ہیں، اور گھومتے رہتے ہیں یا پھر آتش بازی کا مشغلہ اختیار کرتے ہیں یا پھر بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پندرہویں شعبان کی رات میں حلوہ کھانا ضروری ہے۔ بھائیواور دوستو! یہ حلوے کی رات نہیں ہے، جلوے کی رات ہے، اگر کوئی یہ ضروری سمجھے کہ اس رات میں حلوہ پکانا اور کھانا ہی ضروری ہے تو یہ ایک رسم ہے، بدعت ہے، یہ رات تو عبادت اوراللہ کو راضی کرنے کی ہے، ہم رسم ورواج کو نہیں مانتے، ہاں! دل بھر کر اللہ کی عبادت کرو، ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتوں کا حکم دیا وہ کریں، جن کاموں سے منع کیا ہے وہ چھوڑ دیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت:

ایک روایت میں آتا ہے، یہ بڑی طویل روایت ہے، اس کے بعد کچھ باتیں

توبہ کے متعلق اور کچھ باتیں اللہ کی رحمت کے متعلق عرض کروں گا ان شاء اللہ۔

اب وہ روایت ذرا اور وضاحت سے سماعت فرمائیں، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قالت عائشةؓ دخل على رسول الله ﷺ فوضع عنه ثوبيه ثم لم يستتم ان قام فلبسها فاخذتنى غيرةُ شديدة فظننت انه ياتى بعض صويحباتى فخرجت اتبعه فادركته بالبقيع، بقيع الغرقد يستغفر للمؤمنين و المؤمنات و الشهداء فقلت بابى و امى انت فى حاجة ربک و انا فى حاجة الدنيا فانصرفت فدخلت حجرتى ولى نفس عالٍ و لحقنى رسول الله ﷺ فقال "ما هذا النفس يا عائشة؟" فقالت: بابى و امى اتيتنى فوضعت عنک ثوبيک ثم لم تستم ان قمت فلبستهما فاخذتنى غيرة شديدة ظننت انک تاتى بعض صويحباتى حتى رايتک بالبقيع تصنع ما تصنع، قال: "يا عائشة اكنت تخافين ان يحيف الله عليکِ و رسوله بل اتانى جبريل عليه السلام فقال هذه الليلة ليلة النصف من شعبان و لله فيها عتقاء من النار بعدد شعور غنم كلب لا ينظر الله فيها الٰى مشرک و لا الى مشاحن و لا الى قاطع رحم و لا الٰى مسبل و لا الىٰ عاقٍ لوالديه و لا الىٰ مدمن خمر، قال ثم وضع عنه ثوبيه فقال لى: يا عائشة تأذنين لى فى قيام هذه الليلة" فقلت نعم بابى و امى فقال فسجد ليلاً طويلاً حتى ظننت انه قبض فقمت اُلتمسته ووضعت يدى على باطن قدميه فتحرک ففرحت و سمعته يقول فى سجوده: "أَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ

عِقَابِکَ وَ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْهُکَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ" فلما اصبح ذکرتهن له فقال یا عائشة تعلمتهن؟ فقلت نعم فقال تعلمیهن و علمیهن فان جبریلؑ علمنیهن و امرنی ان اردهن فی السجود. (رواه البیهقی فی شعب الایمان: ۳/۳۸۴)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: کہ ایک رات پندرہویں شعبان تھی اور باری میری تھی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج مطہرات تھیں، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جتنی ازواج مطہرات ہیں وہ ہماری مائیں ہیں، قرآن میں ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ (الاحزاب: ٦)

[نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی تمہاری جانوں سے بھی زیادہ پیاری ہیں، اوران کی جتنی بیویاں ہیں سب مؤمن کی مائیں ہیں۔]

ہمارے ماں باپ قربان جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات پر ۔آپ بھی سب ایک مرتبہ پڑھ لو ﴿وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ﴾ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار سے زیادہ ازواج کرنے کی اجازت تھی، اس کی حکمت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہونا اوراس کے متعلق تفصیلات پہلے آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں، اس لئے اس وقت ان تفصیلات میں نہیں جاتا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی خصوصیات تھیں، یہ بھی آپ کی ایک خصوصیت تھی، قرآن میں ہے:

خَالِصَةً لَّکَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ (الاحزاب: ٥٠)

یہ صرف آپ کے لئے خاص ہے، دیگر مؤمنین کو اس کی اجازت نہیں، اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز فرض تھی، امت پر فرض نہیں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صوم وصال تھا، یہ آپ کی خصوصیت ہے، امت کے لئے صوم وصال نہیں ہے، تو ان خصوصیات میں سے یہ بھی آپ کی ایک خصوصیت تھی کہ آپ کے لئے گیارہ بیویوں سے نکاح جائز رکھا گیا، اور یہ بھی آپ کی خصوصیت تھی کہ آپ پر باری بھی فرض نہیں تھی، آپ کا جب دل چاہے جس بیوی کے پاس جاسکتے تھے لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باری باری ہر ایک کے گھر تشریف لے جاتے تھے، دوسرے تمام مسلمانوں کے لئے چار سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں ہے۔

بیویوں میں برابری:

جس شخص نے ایک سے زیادہ نکاح کیا ہو، دو تین بیویاں ہوں تو اس پر باری مقرر کرنا ضروری ہے، ایک رات ایک بیوی کے پاس گذارے تو دوسری رات دوسری بیوی کے پاس گذارے، ایسا نہیں کے نئ کے پاس دو شب اور پرانی کے پاس ایک شب یا سارا ہفتہ نئ کے پاس اور ایک رات چلے گئے پرانی کے پاس، یہ جائز نہیں ہے۔

اسی طرح دونوں کے درمیان عدل وانصاف بھی ضروری ہے، چنانچہ اگر ایک کپڑا ایک کے لئے لائے تو دوسری کے لئے بھی ویسا کپڑا لانا ضروری ہے، کھانے کی چیز لاؤ تو دونوں کو برابر دینا ضروری ہے، غرض کچھ بھی چیز لاؤ انصاف ضروری ہے، اللہ پاک قرآن میں فرماتے ہیں:

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً (النساء: ۳)

اگر تمہیں اپنے نفس پر بھروسہ نہ ہواور یہ خوف ہو کہ تم برابری نہیں کرسکو گے عدل وانصاف نہیں کرسکو گے تو پھر ایک ہی بہتر ہے۔

حضرت تھانویؒ کا عدل وانصاف:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی دو بیویاں تھیں، عرصہ دراز تک جب پہلی بیوی سے اولاد نہیں ہوئی، پھر آپ نے دوسری بیوی کی تھی لیکن عدل وانصاف کیا تھا؟ کوئی چیز اگر بازار سے لاتے تھے تو ترازو میں تولتے تھے، کسی نے حضرت تھانویؒ سے عرض کیا آپ نے دو بیویاں کرکے اپنے مریدین کے لئے آسانی پیدا کردی، میں کہتا ہوں کہ وہ سمجھ رہے ہوں گے کہ آسان کردیا حالانکہ آپ نے ایک نمونہ قائم کردیا عدل و انصاف کا۔ کیا ایسا انصاف کوئی کرے گا؟

ان کا ایک مرید ان کے پاس آیا پوچھنے کے لئے کہ حضرت میں دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں، آپ نے پوچھا مکان کتنے ہیں؟ تو مرید نے کہا حضرت ایک مکان ہے، آپ نے فرمایا جب دوسرا مکان ہوجائے تب پوچھنے آنا، دوسرا مکان اس نے خریدلیا، پھر پوچھنے کے لئے گیا کہ حضرت دوسری شادی کرنا چاہتا ہوں، اجازت ہے؟ فرمایا کتنے مکان ہیں؟ تو اس نے کہا دو تو آپ نے فرمایا جب تیسرا مکان ہو تب پوچھنے آنا تب مرید نے کہا کیوں حضرت؟ فرمایا اگر ایک نکال دیگی تو دوسری کے گھر جائے گا، دوسری نکال دے گی تو پہلی کے گھر جائے گا، اگر دونوں نکال دیں گی تو کہاں جائے گا؟ تو بھائی ہمارے لئے تو ایک ہی بہتر ہے۔

ہم سے تو ایک کا حق بھی ادا نہیں ہوتا:

اگر ایک کا بھی ہم حق ادا کر دیں تو بہت بڑی بات ہے، آج کتنے مسلمان ایسے ہیں جو اپنی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں، بڑی بڑی عمر ہوگئی ہے، دادا اور نانا بن گئے ہیں لیکن بیویوں پر ظلم کرتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں بہت ہی تاکید فرمائی۔

استوصوا بالنساء خیرا او کما قال علیه السلام.

دیکھو، عورتوں کے بارے میں تم کو بھلائی کرنے کی وصیت کرتا ہوں۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہنا قیامت میں پوچھ ہوگی، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے جا رہے تھے، تو آپ کی زبان مبارک پر یہ جملے تھے:

الصلوة الصلوة، وماملكت ايمانكم.

دیکھو! نماز کا پورا خیال رکھنا اور تمہارے نوکر اور غلام پر ظلم مت کرنا اور فرمایا:

واتقوا النساء.

عورتوں کے بارے میں ڈرتے رہنا، ان پر ظلم مت کرنا۔ تو ہماری تو ایک ہی بیوی ہوتی ہے، اسی پر ظلم کرتے ہیں، اس کا دل دکھاتے ہیں، اس کو کیسی کیسی کڑوی سناتے ہیں حالانکہ اس نے اپنی جوانی ہم پر قربان کر دی، میرے دوستو! ہمیں بہت متوجہ ہونے اور آخرت کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔

آج دونوں سن لیں، مرد ظلم کریں وہ بھی بہت غلط ہے، اسی طرح اگر بیوی اپنے شوہر کا حق ادا نہ کرے، اپنے خاوند پر ظلم کرے یہ بھی بہت غلط ہے۔ ایک چھوٹی سی حدیث سناتا ہوں اس پر غور کرتے رہو۔ جو شخص اپنی بیوی کی زبان درازی اور اس کی تکالیف پر صبر

کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ثواب عطا فرماتے ہیں جیسا حضرت ایوب علیہ السلام نے صبر کیا۔

حضرت ایوب علیہ السلام نے کتنا صبر کیا، اٹھارہ سال تک بیمار رہے، اولاد کا انتقال ہوگیا، جانور مر گئے، بالکل خالی ہاتھ ہوگئے حتی کہ گاؤں والوں نے نکال دیا، بس وہ تھے اور ان کی بیوی تھی، وہ ان کی خدمت کرتی تھی، بیوی کا نام ہی رحمت تھا، اور وہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے رحمت تھی، ہر وقت بے چاری خدمت کرتی رہتی تھی، تو فرمایا: جو بیویوں کی تکلیف پر صبر کرتا ہے، کبھی بیوی بھی ایسی ہوتی ہے کہ منہ پھٹ، زبان دراز، اپنے شوہر کو تنگ کرتی ہے، یہ میں نہیں کہتا ہوں کہ ہمیشہ قصور صرف مرد کا ہوتا ہے بلکہ کبھی بیوی بھی نافرمان ہوتی ہے، زبان بہت چلاتی ہے، شوہر کو برا بھلا کہتی ہے، میری ماں بہنوں سے بھی یہی گذارش ہے کہ وہ بھی اپنے شوہروں کے حق کو پہچانیں اور اس بارے میں اللہ سے ڈرتی رہیں۔

نیک خواتین کے لئے بشارت:

ماں بہنوں کے لئے مسئلہ تو بہت آسان ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”المرأة إذا صلت خمسها وصامت شهرها وأحصنت فرجها و أطاعت بعلها، فلتدخل من أيّ أبواب الجنة شائت“

(مشکوٰۃ ص: ۲۸۱)

[یعنی مسلمان عورت جب پانچ وقت کی نماز پڑھ لے، رمضان شریف کے روزے رکھ لے، اور اپنی عصمت وعزت کی حفاظت کر لے، اور شوہر کی

اطاعت کرلے تو ایسی عورت کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت بیان فرمائی کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس دروازے سے وہ چاہے جنت میں داخل ہوجائے۔]

میری ماں وبہنیں! سوچئے کتنا آسان ہے۔اور دوسری ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادفرمایا:

[جوعورت پانچ وقت کی نماز پڑھ لے، ماہِ رمضان کے روزے رکھ لےاور جائز کاموں میں اپنے شوہر کی اطاعت کرلے تو فرمایا: آسمانوں میں فرشتے، فضاؤں میں پرندے، جنگل میں درندے اس عورت کے لئے مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

(معارف القرآن)

حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت آسیہ ؓ کا اجر ملے گا:

تو شوہر اگر بیوی کی تکالیف کو برداشت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ اجر عطا فرمائیں گے جو حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے صبر کی وجہ سے ملا، اور میری ماں بہنیں بھی سن لیں اگر خدانخواستہ شوہر اگر اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہے، ان کا حق ادا نہیں کرتا، اور وہ صبر کرتی رہیں اللہ تعالیٰ کے لئے اور اپنی طرف سے اپنے شوہر کے حق کی ادائیگی اور خدمت میں کوتاہی نہ کریں، فرمایا: ایسی عورت جو اپنے شوہر کے ظلم وستم کو برداشت کرتی ہے؛ لیکن طلاق نہیں لیتی ہے اس عورت کو اللہ تعالیٰ وہ اجر عطا فرمائے گا جو فرعون کی بیوی آسیہ ؓ کو اللہ نے عطا فرمایا۔ امام غزالی ؒ نے اپنی کتاب ''مکاشفۃ القلوب'' میں یہ بات لکھی ہے۔ فرعون کی بیوی آسیہ ؓ کا اللہ کے یہاں کتنا بڑا مرتبہ ہے، اس پر ایک حدیث سماعت فرمائیے۔

حضرت آسیہ ؓ کا مقام:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا بہترین خوشبو آ رہی ہے، اے جبرئیل کیا جنت آ گئی؟ فرمایا: جنت تو بہت دور ہے، یہ آسیہ کی قبر کی خوشبو آ رہی ہے، تو جو خاتون اپنے شوہر کے ظلم وستم کو برداشت کرے گی اس کو یہ اجر ملے گا اور جو چار باتیں میں نے بتائیں، جو خاتون ان چار باتوں پر عمل کرلے تو وہ اپنے شوہر سے پانچ سو برس پہلے جنت میں داخل ہوگی، اور وہاں اپنے شوہر کا انتظار کرے گی۔

(مکاشفۃ القلوب امام غزالیؒ)

حضرت خدیجہ ؓ اور حضرت عائشہ ؓ کی طرف رجحان:

ہماری بات اس پر چلی تھی کہ ازواجِ مطہرات کے یہاں شب گذاری کے لئے باری مقرر کرنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نہیں تھا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سبق دیا کہ باری باری ہر ایک کے گھر شب گذاری کے لئے تشریف لے جاتے تھے اور پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! جو عدل وانصاف مجھے کرنا ہے وہ تو میں نے کرلیا لیکن دل کا رجحان، دل کی محبت، دل کا میلان کسی کی طرف زیادہ ہوجائے تو وہ میرے اختیار میں نہیں ہے، اس پر میری پکڑ نہ کرنا، یہ روایت آپ لوگوں نے تعلیم میں سنی ہوگی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام ازواج مطہرات میں دو بیویوں سے بہت زیادہ محبت تھی، ایک حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ، دوسری حضرت عائشہ صدیقہؓ۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر محبت تھی کہ ان کے انتقال کے بعد ایک عورت آئی، وہ بات کرنے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا مجھے خدیجہ یاد آ گئی، ان کا لب ولہجہ حضرت خدیجہؓ کی طرح ہے، کچھ کھانا بناتے تھے تو حضرت خدیجہ کی سہیلیوں کے گھر بھیجتے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے کسی عورت پر رشک نہیں تھا مگر حضرت خدیجہؓ پر بڑا رشک آتا تھا کہ ان کی وفات ہونے کے بعد بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد فرمایا کرتے تھے۔

ازدیاد محبت کی حکمت:

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کبھی حضرت علیؓ سے فرمایا، کبھی حضرت فاطمہؓ سے فرمایا، جو مجھے پسند ہے کیا تمہیں پسند ہے؟ فرمایا: ہاں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں عائشہ سے محبت کرتا ہوں تم بھی عائشہ سے محبت کرو۔

(مرقات: ۱۱/ ۳۳۵)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہؓ سے محبت زیادہ تھی، اب کوئی کہے اس میں کیا حکمت تھی؟ اس میں حکمت یہ تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گیارہ ازواج مطہرات تھیں، آپ کی اولاد صرف حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے ہوئی، آپ کا خاندانی سلسلہ انہیں سے چلا، تو آپ کی نسل حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ سے چلی اور آپ کا دین چلا حضرت عائشہؓ سے۔

حضرت عائشہؓ حافظ قرآن تھیں اور دو ہزار دو سو دس حدیثوں کی حافظہ تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو بہت زیادہ سمجھتی تھیں، بہت ہی سمجھ دار تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ان کو فرماتے تھے: ''حمیرہ'' ''طاہرہ'' ''طیبہ'' اور کبھی فرماتے تھے:

خذوا من هذه الحميرة ثلث دينكم

[اس حمیرہ سے اپنے ثلث دین کو سیکھو۔]

حمیرہ پیار سے فرماتے تھے، چنانچہ بڑے بڑے صحابہ جب ان کو کوئی مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تھا تو ماں عائشہؓ کے پاس جاتے تھے اور پردہ کی اوٹ میں پوچھتے تھے اماں! یہ حدیث ہماری سمجھ میں نہیں آتی ہے، یہ مسئلہ سمجھ میں نہیں آرہا ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کا تشفی بخش جواب عنایت فرماتی تھیں، فرماتی تھیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا، تمام مفسرین اور پوری امت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کے سب سے بڑے ماہر و مفسر ''ترجمان القرآن'' حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں، لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما شاگرد ہیں حضرت عائشہؓ کے۔ تو اس نسبت سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پوری امت کی استاد ہوئیں۔ میری مائیں بہنیں غور سے سنیں، عورت بھی کتنا بڑا کام انجام دے سکتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر میں تشریف لانے کا انداز:

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس رات باری میری تھی، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد سے دیر سے تشریف لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ شریفہ یہ تھی کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تھے دروازہ اتنا آہستہ سے کھولتے تھے کہ سونے والے کی آنکھ نہ کھلے اور سلام بھی اتنا آہستہ کرتے تھے کہ جو جاگ رہا ہے وہ جواب دے دے اور جو سو رہا ہے اس کی نیند میں خلل نہ پڑے، وہ بیدار نہ ہو جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بہت خیال فرماتے تھے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیر سے تشریف لائے، دروازہ آہستہ سے کھولا، آہستہ سے سلام

کیا، میں جاگ رہی تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کپڑے اتارے، تھوڑی دیر گذرنے نہ پائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان کو پہن لیا اور باہر تشریف لے گئے، مجھ کو یہ خیال آیا کہ آپ اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی اور کے پاس جارہے ہیں اس لئے مجھے بہت غیرت آئی، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے ہوگئی، جاکر دیکھا تو آپ جنت البقیع میں مسلمان مردوں اور عورتوں کے لئے استغفار کررہے ہیں، میں نے دل میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوجائیں آپ خدا کے کام میں مصروف ہیں اور میں دنیا کے کام میں، وہاں سے واپس اپنے حجرہ میں چلی آئی اور اس آنے جانے میں میرا سانس پھول گیا، اتنے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سانس کی کیفیت ملاحظہ فرمائی تو ارشاد فرمایا: اے عائشہ! یہ سانس کیوں پھول رہا ہے؟ میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں، آپ میرے پاس تشریف لائے، اور آپ نے جلدی سے دوبارہ کپڑے پہن لئے، مجھ کو یہ خیال کر کے سخت رشک ہوا کہ آپ ازواج مطہرات میں سے کسی اور کے پاس تشریف لے جارہے ہیں اس لئے میں باہر نکلی یہاں تک کہ میں نے آپ کو بقیع غرقد میں دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عائشہ! تمہارا یہ خیال ہے کہ خدا اور خدا کا رسول تمہارا حق ماریں گے اور تمہارے ساتھ انصاف نہیں کریں گے، دراصل بات یہ ہوئی کہ میرے پاس جبرئیل امین علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا کہ یہ رات شعبان کی پندرہویں رات ہے اور خداوند عالم اس رات میں بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد کرتا ہے جو کہ قبیلۂ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتے ہیں مگر اس میں خدا

تعالیٰ مشرکین، کینہ ور، رشتے ناطے توڑنے والے، ازار ٹخنوں سے نیچے رکھنے والے، ماں باپ کے نافرمان اور شراب کے عادی لوگوں کی طرف رحمت کی نظر نہیں فرماتے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہ! کیا تم مجھ کو اجازت دیتی ہو کہ آج رات قیام کروں، میں نے کہا بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ قربان ہوں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں مشغول ہو گئے، اور آپ نے قیام کے بعد ایک طویل سجدہ کیا یہاں تک کہ مجھے خیال ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، میں نے چھونے کا ارادہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلووں پر ہاتھ رکھا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر میں زندگی کے آثار محسوس کئے تو مجھے اطمینان ہوا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِعَفْوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجْھُکَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

صبح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! تم اس دعا کو یاد کرو گی؟ میں نے عرض کیا ضرور، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس دعا کو سیکھ لو، مجھ کو یہ کلمات جبرئیل علیہ السلام نے سکھائے ہیں، اور کہا کہ سجدہ میں ان کلمات کو بار بار پڑھا کروں۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان ۳/۳۸۴)

بزرگو اور دوستو! یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت ہے، آپ نے سنا حق تعالیٰ کلب قبیلہ کی بکریوں کے بال کے مانند مخلوق کو جہنم سے آزاد کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ

اس رات میں اپنی رحمت کی نظر ان لوگوں کی طرف نہیں کرتا جو مشرک ہیں یعنی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ کی ذات میں یا اس کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ ہمیں پیدا کس نے کیا؟ اللہ نے۔ ہمیں اولاد کس نے دی؟ اللہ نے۔ رزق کس نے دیا؟ عزت کس نے دی؟ سب چیزیں اللہ پاک عطا فرماتے ہیں۔ جب ہر چیز اللہ تعالیٰ ہی عطا فرماتے ہیں تو یہ ہمارا عقیدہ ہے اور اسی کا نام توحید ہے۔ اب اگر کوئی شخص کسی پیر سے بیٹا مانگے یا کسی کی قبر پر جا کر سجدہ کرے اور ان سے عزت مانگے، بیٹا مانگے، روزی مانگے، اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کردے اور اس سے بھی اپنی مرادیں مانگنا شروع کردے تو یہ شرک ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رات میں ایسے مشرک کی مغفرت نہیں فرماتے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لاَ یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ (النساء: ۴۸)

مشرک کی اللہ تعالیٰ مغفرت نہیں کرے گا اور ان کے علاوہ اللہ جس کی چاہے مغفرت کردے گا اور وہ حاکم ہے، اسی کے اختیار میں سب کچھ ہے جس کی چاہے مغفرت کردے، اور جس کی چاہے پکڑ کرلے۔

فضلِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ جس پر اپنا فضل فرمادیں تو وہ نجات پا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی صفت عدل کی بنیاد پر قیامت میں فیصلہ کرنے لگے تو کوئی آدمی چھوٹ نہیں سکتا، پنجابی زبان میں کسی نے بہت خوب کہا ہے ______:

عدل کرے تو لٹیاں فضل کرے تو چھٹیاں

اللہ پاک اگر عدل کرے اور ایک ایک چیز کا حساب لینا شروع کردیں تو ہم برباد ہوجائیں اور فضل فرمادیں تو نجات ہوجائے۔ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر اللہ کی رحمت سے۔کسی صحابی نے عرض کیا: وانت یارسول اللہ! کیا آپ بھی؟ آپ تو سید الاولین والآخرین ہیں، امام الانبیاء، نبی الانبیاء ہیں، کیا آپ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بغیر جنت میں داخل نہیں ہوں گے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں بھی،

الا ان یتغمدنی اللّٰہ برحمتہ (مرقات: ۳۴۸/۳)

[مگر یہ کہ میرا رب مجھے بھی اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔]

عمل صالح سے فضل الٰہی متوجہ ہوتا ہے:

اس حدیث کا یہ مطلب نہ سمجھیں کہ اب عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بے شک ہمارے عمل تو کسی چیز کے قابل نہیں ہیں جب تک اللہ کا فضل شامل حال نہ ہوگا، معاملہ مشکل ہی ہوگا مگر یہ بھی ذہن میں رہے کہ عمل کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا فضل متوجہ ہوگا، اور اللہ تعالیٰ بڑے قدردان ہیں، اللہ پاک کسی بھی محنت کرنے والے کی محنت کو ضائع نہیں کرتے۔ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ. (التوبہ: ۱۲۰)

نیز دوسری جگہ ارشاد فرمایا

اَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ. (آل عمران: ۱۷۱)

[بیشک اللہ تعالیٰ مؤمنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔]

لہٰذا اس حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہ سمجھا جائے کہ جب مدار فضل الٰہی پر ہے تو پھر عمل کی کیا ضرورت؟ عمل کے اندر خوب ذوق وشوق سے لگے رہیں بلکہ اللہ پاک سے مزید توفیق مانگتے رہیں اور اعمال صالحہ کی توفیق مل جانا ہی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ پاک ان شاء اللہ اپنا فضل فرمائیں گے۔

شب براءت میں اِن لوگوں کی مغفرت نہیں ہوتی:

تو اس رات میں بے شمار لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے مگر مشرک کی مغفرت نہیں ہوتی، ﴿لا ینظر اللّٰہ فیھا الٰی مشرک﴾ شب قدر میں بھی مشرک کی بخشش نہیں ہوتی۔ روایت میں دوسرا لفظ ہے:

و لا الی مشاحن.

اسی طرح جو شخص کینہ پرور ہے، اس کی بھی اس رات میں بخشش نہیں ہوتی، دل میں کینہ رکھنا، بغض رکھنا یہ بھی بہت بڑا گناہ ہے، یہ دل کا گناہ ہے، اس کو ہم کچھ نہیں سمجھتے مگر اللہ پاک کی نظر میں بہت سنگین گناہ ہے، دل صاف ہونا چاہئے، ایسا دل جو کینہ، حسد اور بغض سے پاک ہو تو وہ بہت پسندیدہ ہے، ایک واقعہ آپ کو پہلے سنایا تھا۔

دل کی صفائی پر بارگاہ نبوی سے جنت کی بشارت کا ایک واقعہ:

ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین مثل پروانوں کے ارد گرد جمع تھے کہ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابھی تم پر ایک جنتی شخص ظاہر ہوگا، اس کو دیکھنا ہو تو دیکھ لو بہت مبارک شخص ہے۔ اس کے مبارک ہونے میں کیا شک ہوسکتا ہے جس کے بارے میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جنتی

فرمادیں۔حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک جملے اور خوشخبری کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ہمہ تن متوجہ ہوگئے۔ چنانچہ ایک صحابی تشریف لائے اور بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد مجلس مبارک برخاست ہوگئی۔

دوسرے دن پھراسی طرح مجلس مبارک لگی ہوئی تھی،اور حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی گذشتہ کل والا جملہ ارشادفرمایا کہ ابھی تم پر ایک جنتی شخص ظاہر ہوگا، چنانچہ دوسرے دن بھی وہی صحابی تشریف لائے، جب تیسرا دن ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جملہ ارشادفرمایا اور تیسرے دن بھی وہی صحابی تشریف لائے، تیسرے دن جب مجلس ختم ہوئی تو ایک صحابی حضرت عبداللہ بن عاص رضی اللہ عنہ ان کے پیچھے ہوگئے کہ دیکھیں توسہی ان کا کیا عمل ہے کہ تین دن تک حضوراقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنتی ہونے کی بشارت دیتے رہے، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے ان سے دوستی کی اور عرض کیا کہ میرے والد صاحب سے کچھ لڑائی ہوگئی ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تین چار دن تک آپ کے پاس رہوں، ان کا اصل مقصد تو ان کے اعمال دیکھنا تھے، چنانچہ انہوں نے کہا بہت شوق سے آپ رہئے، چنانچہ یہ ان کے پاس تین رات رہے، ان کا خیال تو یہ تھا کہ شاید پوری رات عبادت کرتے ہوں گے، مگر انہوں نے دیکھا کہ وہ رات کو آرام فرماتے ہیں البتہ اگر رات کو آنکھ کھل جاتی تو بستر پر لیٹے لیٹے اللہ کا ذکر کر لیتے اور اللہ اکبر کہتے اور جب فجر کی نماز کا وقت ہوتا تو نماز کے لئے تشریف لے جاتے، رات کو ان کے یہ اعمال دیکھے البتہ ایک انہوں نے خاص طور پر یہ دیکھی کہ ان کی زبان سے بجز کلمۂ خیر کے کوئی اور بات نہیں نکلتی تھی، کسی کی غیبت نہیں، جھوٹ نہیں، گالی گلوچ برا بھلا نہیں، سخت کلامی نہیں، جب تین دن گذر گئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قریب تھا کہ میں ان کے

عمل کو حقیر سمجھوں تو آخر میں نے ان سے عرض کیا بھائی! میرے اور میرے والد کے درمیان الحمدللہ کوئی رنجش نہیں ہوئی مگر بات یہ ہے کہ تین دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے تمہارے متعلق یہ بشارت سنی ”کہ ابھی تم پر وہ شخص ظاہر ہوگا جو جنتی ہے“ اور تینوں مرتبہ تم ہی ظاہر ہوئے، لہذا میرے دل میں یہ خواہش ہوئی کہ میں تمہارے ساتھ رہ کر تمہارے پوشیدہ اعمال دیکھوں تاکہ میں بھی ان اعمال میں تمہاری اقتداء کروں، بس یہی مقصد تھا مگر میری نظر میں کوئی خاص عمل نہیں آیا، اب آپ ہی بتائیں کہ وہ کونسی بات ہے؟ جس نے تم کو اس رتبہ تک پہنچایا، انہوں نے عرض کیا عمل تو اس کے سوا کچھ نہیں جو تم دیکھ چکے، جب میں ان کے پاس سے چلا تو انہوں نے مجھے آواز دی اور فرمایا کہ عمل تو اس کے سوا کچھ نہیں جو تم دیکھ چکے البتہ اتنی بات ہے کہ میں کسی مسلمان کی طرف سے اپنے دل میں کدورت اور کینہ نہیں رکھتا اور کسی نعمت پر جو اللہ تعالیٰ نے کسی بندہ کو عطا فرمائی ہو حسد نہیں کرتا۔ الحمدللہ ہر ایک کی طرف سے دل پاک صاف رہتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یہی وہ تمہاری پیاری اور مقبول خصلت ہے جس نے تم کو اس رتبہ تک پہنچایا۔

بعض روایت میں ہے کہ یہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے آپ عشرۂ مبشرہ میں سے ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔

کینہ نہ رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے:

آج ہماری حالت تو یہاں تک ہو چکی ہے کہ بیٹا باپ سے کینہ رکھتا ہے تو باپ اپنے بیٹے سے کینہ رکھتا ہے، بھائی بھائی سے بغض رکھتا ہے، ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ

علیہ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

یابنی ان قدرت ان تصبح وتمسی ولیس فی قلبک غش لاحد فافعل.

[اے پیارے بیٹے! اگر تم اس بات پر قدرت رکھتے ہو کہ تم اس حالت میں صبح وشام کرو کہ تمہارے دل میں کسی کی طرف سے کھوٹ، کینہ، کپٹ نہ ہو تو ایسا ضرور کرو۔]

پھر اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ یہ مبارک جملہ بہت غور سے سننے کے قابل ہے۔ فرمایا:

یا بنی! ذلک من سنتی.

[فرمایا: اے میرے پیارے بیٹے! یہ میری سنت ہے، میرا طریقہ ہے۔]

میرا دل ہر ایک کی طرف سے بالکل پاک صاف شفاف آئینہ کی طرح رہتا ہے، تو دل صاف رکھنے کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ میری سنت ہے، میرا طریقہ ہے،: "**ومن احب سنتی فقد احبنی**" اور جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی۔ "**ومن احبنی کان معی فی الجنۃ**" اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ یہ حدیث مشکوۃ شریف ص: ۳۰ پر ہے۔ تو کینہ، بغض اور حسد بہت بری چیزیں ہیں۔

قاطع رحم کی بخشش نہیں:

اور ارشاد فرمایا:

ولا الی قاطع رحم.

نیز اس رات میں قطع رحمی کرنے والا، رشتہ ناتہ کے تعلق کو توڑنے والا، اس کی بھی

مغفرت نہیں ہوتی، جو آدمی رشتہ ناتہ تو توڑتا ہے قرآن مجید میں اس پر لعنت آئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد عالی ہے:

وَالَّـذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَـعْـدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰـئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْءُ الدَّارِ. (الرعد:۲۵)

[اور جو خدا تعالیٰ کے معاہدوں کو ان کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جن علاقوں کے قائم رکھنے کا حکم فرمایا (یعنی صلہ رحمی کا جو حکم فرمایا ہے) ان کو قطع کرتے ہیں اور دنیا میں فساد کرتے ہیں ایسے لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہوگی]

اور دوسری جگہ قرآن کریم میں انہیں ﴿اُولٰـئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْن﴾ (البقرۃ: ۲۷) فرمایا ہے اور احادیث میں بھی اس پر بہت سخت وعید آئی ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لا يدخل الجنة قاطع رحم"

[رشتہ ناتہ کے تعلقات کو توڑنے والا وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔]

آج ہم اپنے رشتے داروں سے تعلقات توڑے ہوئے ہیں، کوئی خالہ سے بات نہیں کرتا ہے، کوئی پھوپھی سے نہیں کرتا، کوئی بھائی سے، کوئی بہن سے، بالکل قریبی رشتہ داروں تک سے قطع تعلق کئے ہوئے ہیں، بعض تو ایسے ہیں جو اپنی ماں سے تعلق توڑے ہوئے ہیں، گذشتہ ہفتہ میرا دل اس قدر دکھا، ایک بوڑھی ضعیفہ عورت میرے پاس آئیں اور کہا کہ مجھے میری اولاد ایسا برا بھلا کہتی ہے کہ میرا دل دکھ جاتا ہے، میں رونے لگتی

ہوں تو مجھے کہتے ہیں تم پاگل ہوگئی ہو، تمہیں مینٹل ہوگیا ہے، ایسا برا بھلا مجھے کہتے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے قریب ایسا وقت آئے گا کہ دوست کی عزت کی جائے گی اور باپ کو دھکے مارے جائیں گے، بیوی کی فرماں برداری کی جائے گی اور ماں کی نافرمانی کی جائے گی، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

تو اس رات میں قاطع رحم کی بھی مغفرت نہیں ہوگی، ہم نے اپنے بڑے بڑے بزرگوں کو دیکھا ہے کہ اس رات میں اپنے گھر کے چھوٹے چھوٹے بچوں سے اور گھر والی سے بھی معافی صافی کرتے ہیں کہ تیرا دل دکھا ہو تو معاف کردینا، حقیقت میں قاطع رحمی بہت بڑا گناہ ہے۔ ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا تنزل الرحمة علی قوم فیه قاطع رحم

[اللہ تعالیٰ اس قوم پر رحمت نازل نہیں فرماتا جس میں کوئی قطع رحمی کرنے والا موجود ہو۔]

جب ایک قاطع رحم کے ہونے سے پوری قوم رحمت الٰہی سے محروم رہتی ہو تو اس قوم کا کیا حال ہوگا جس میں ایک نہیں کئی ایک قاطع رحم ہوں!! اور خود اس شخص کا کیا حال ہوگا جس نے قطع رحمی کی ہے!! الامان والحفیظ۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، اور ہمیں اس سنگین گناہ سے بچنے کی مکمل توفیق عطا فرماوے۔

ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والے کی بخشش نہیں:

آگے فرمایا:

و لا الی مسبل

اسی طرح جو شخص ازار ٹخنوں سے نیچے لٹکاتا ہو، اور اس نے اس کی عادت بنا رکھی ہو اس کی بھی اس رات میں بخشش نہیں ہوتی، یہ بھی معاشرہ کا سنگین گناہ ہے، بچے سے لے کر بوڑھے تک ۹۹ر فی صد ہر مسلمان مرد اس گناہ میں مبتلا ہیں، پینٹ پتلون تو ہوتی ہی ٹخنے سے نیچے ہے، اس کو کون اوپر رکھتا ہے، شلوار بھی عموماً ٹخنے سے نیچے ہوتی ہے اور جو تہبند باندھتے ہیں تو وہ بھی ٹخنوں سے نیچے باندھتے ہیں، یہ ہمارے دین میں کبیرہ گناہ ہے، اور جب تک آدمی کا ٹخنہ ڈھکا رہتا ہے اس کو برابر اس کا گناہ ملتا رہتا ہے، اور آخرت میں اس کا عذاب یہ ہے کہ پورے کے پورے ٹخنے جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے، حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ما اسفل من الكعبين من الازار فى النار. (مشكوة)

[ازار کا جو حصہ ٹخنوں سے نیچے رہے گا وہ جہنم میں جائے گا۔] اور دنیا میں اس کا دوسرا وبال اور عذاب یہ ہے کہ شب براءت جیسی مبارک رات میں بھی اس کی بخشش نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ اس کبیرہ گناہ سے ہم تمام کی حفاظت فرمائے، آمین

والدین کے نافرمان کی بخشش نہیں:

اور فرمایا:

ولاالى عاق لوالديه

یعنی اس رات میں اس شخص کی بھی مغفرت نہیں ہوتی جو اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو۔

میرے دوستو! میں نے پہلے بھی آپ سے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ چار چیزیں قرآن

پاک میں ساتھ ساتھ بیان فرماتے ہیں:

۱......ایمان کا جہاں ذکر ہے اس کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر ہے، قرآن بار بار کہتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

۲...... جہاں کہیں اللہ کی اطاعت کا حکم دیا جاتا ہے وہیں ساتھ میں اللہ کے رسول کی اطاعت کا بھی حکم دیا جاتا ہے، فرمان خداوندی ہے:

اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ (النساء: ۵۹)

تو جہاں کہیں اطیعوا اللہ آتا ہے اسی کے ساتھ اطیعوا الرسول بھی آپ کو ساتھ ساتھ ملے گا۔

۳......اور جہاں نماز کا ذکر ہے وہاں زکوۃ کا ذکر ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ (البقرۃ: ۴۳)

۴......اور جہاں اللہ پاک نے اپنی عبادت کا حکم فرمایا ہے، اس کے ساتھ ہی والدین کی اطاعت اور فرماں برداری کا حکم فرمایا ہے، ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے کا بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِیَّاہُ

[آپ کے رب نے یہ فیصلہ کر دیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو]

وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا (بنی اسرائیل: ۲۳)

[اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو]

کہیں قرآن نے کہا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا

(البقرۃ: ۸۳)

کہیں ارشاد فرمایا:

اَنِ اشْکُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْکَ (اللقمان: ۱۴)

[میرا شکرادا کرو اور ماں باپ کا بھی شکرادا کرو۔]

توجہاں اللہ پاک اپنا احسان جتلاتے ہیں وہاں اللہ تعالیٰ ماں باپ کے احسان کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

ایک روایت میں نے پڑھی دل کانپ اٹھا، ابھی ہمارے ایک ساتھی نے انگریزی میں ایک پرچہ نکالا ہے، اس میں ماں باپ کے حقوق اور ان کی خدمت کے فوائد بیان کئے ہیں، انہوں نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر میں برکت ہو اور رزق میں برکت ہو اس کو چاہئے کہ اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرے اور ان کی خدمت کرتا رہے، کون یہ نہیں سوچتا؟ سوسال کے بوڑھے کو بھی پوچھیں گے کہ ابھی کتنی زندگی اور آپ کو چاہئے؟ تو وہ کہے گا سوسال اور مل جائیں۔

زندگی پر حرص:

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ نے مثنوی شریف میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک بڑھیا تھی، اس کی بیٹی بہت بیمار ہوگئی، وہ اس کے لئے دعاء کرتی تھی کہ اے اللہ! اس کو اچھا کردے اور کہتی تھی یا اللہ! میری بیٹی نوجوان ہے، اس نے کیا دنیا دیکھی ہے، میں تو اب بڑھیا ہو چکی ہوں اے اللہ! میری اب جتنی عمر ہے وہ میری بیٹی کو دے دے اور بجائے اس کے مجھے موت دے دے۔ آدمی کبھی محبت میں ایسی دعا کرتا ہے، بڑھیا یہ دعا کر رہی تھی کہ اتفاق سے ایک گائے گذر رہی تھی قریب میں ایک گھڑا رکھا ہوا تھا (پیتل یا تانبے کا برتن)

اس کے اندر اس نے اپنا منہ ڈالا تو اس کے سینگ اس کے اندر پھنس گئے، اور گائے گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنے لگی، وہ گھڑا اس کے سینگ میں پھنسا ہوا تھا، اب اتفاق سے وہ گائے اپنا سر دیواروں میں مارتے ہوئے اس بڑھیا کے گھر میں گھس گئی، بڑھیا نے اس کو دیکھا تو سمجھی کہ یہی ملک الموت ہے، تو بڑھیا کہتی ہے، او ملک الموت! مجھ جیسی بڑھیا کو لے کر کیا کرے گا؟ جوان تو وہ سوئی ہوئی ہے۔

تو زندگی پر حرص کی حالت یہ ہے، تو ہر آدمی عمر میں برکت چاہتا ہے، اور رزق میں برکت کا خواہش مند ہوتا ہے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ اس کی عمر میں برکت ہو تو اسے چاہئے کہ ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرے، ماں باپ کی خدمت کرے، نیز رشتہ داروں کے حقوق ادا کرے، صلہ رحمی کرے، ان کے ساتھ اچھا سلوک کرے، ہر مسلمان کو چاہئے کہ قاطع رحم نہ بنے، ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک رکھے، اور ان کی دعائیں حاصل کرے۔

اولاد پر ماں باپ اگر ظلم کریں تب بھی حسن سلوک کرو:

ایک حدیث جس نے مجھے تڑپا دیا وہ عرض کرتا ہوں، ایک صحابی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ماں باپ مجھ پر ظلم کرتے ہیں تو کیا میں پھر بھی ان کے ساتھ حسنِ سلوک کروں؟ سنئے! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نہیں، دو مرتبہ نہیں بلکہ تین مرتبہ فرمایا:

وان ظلما، وان ظلما، وان ظلما.

اگر چہ تیرے ماں باپ تجھ پر ظلم کریں، ظلم کریں، ظلم کریں تب بھی تو ان کے

ساتھ حسنِ سلوک کر۔

اس ملک میں بہت بڑا المیہ اور بہت بڑی فکر ہے بچے ماں باپ کے عموماً نافرمان ہیں۔ میں بچوں کو الحمدللہ اس پر متوجہ کرتا رہتا ہوں، مگر میں ماں باپ سے بھی عرض کرتا ہوں اس میں ماں باپ کا بھی قصور ہے، ماں باپ نے ان کو دین نہیں سکھایا، ایمان نہیں سکھایا، قرآن نہیں سکھایا، اللہ کیا ہے؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ ان کے کیا حقوق ہیں؟ کچھ نہیں سکھایا، اب جب بچوں کو کچھ نہیں سکھایا ان کو دینی تعلیم نہیں دی، تو اس کے یہ نتیجے ہیں۔

اللہ پاک ہمیں بیدار ہونے اور دین اور دینی تقاضوں کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اب تک بچوں کا معاملہ تھا اب تو بیویوں کا معاملہ بھی آرہا ہے، بہت سنگین معاملہ ہے، بہت سے گھر برباد ہوگئے، بہت سے نوجوان بچے گھر چھوڑ کر چلے گئے اور بے راہ ہوگئے، ان کو دنیا کی تعلیم تو دے دی مگر دین سے محروم رکھا۔ دنیا کی تعلیم خوب شوق سے دیں، منع نہیں ہے، اکبر الہ آبادی نے بہت عمدہ کہا ہے ____:

تم شوق سے کالج میں پھلو، پارک میں پھولو
جائز ہے غباروں میں اڑو، چرخ سے جھولو
ہاں ایک سخن اکبر عاجز کی رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اکبر الہ آبادی مرحوم نے بڑے پتے کی بات کہی ہے، بڑی بڑی ڈگریاں لے لو، دنیا کما لو مگر یہ یاد رکھو پہلے ہم مسلمان ہیں، بعد میں سب کچھ ہیں۔

ایک عبرت ناک واقعہ:

ایک ہندو کا مجھ پر فون آیا کہ میں کٹر ہندو ہوں، ایک مسلمان لڑکی میرے لڑکے سے شادی کرنا چاہتی ہے تم اسے سمجھاؤ، اس کا میرے لڑکے کے ساتھ نباہ نہ ہوسکے گا، چنانچہ میں اپنے ایک ساتھی کو لے کر تلاش کرتے کرتے اس لڑکی کے پاس پہنچا، لڑکی کو سمجھایا، شریعت کا حکم بتلایا، اس لڑکی نے جواب دیا کہ میرے لئے تو دونوں برابر ہیں۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون) اس لئے کہ مجھے دین کا تو کچھ علم ہی نہیں ہے، میں جانتی ہی نہیں کہ اسلام کیا ہے اور ہندو کیا ہے؟ (معاذ اللہ) وکیل (lawyer) تھی وہ لڑکی، اس نے کہا مجھے تو اس سے لَو (Love) ہوگیا ہے، دل اس کے ساتھ لگ گیا ہے، میں تو اسی کے ساتھ شادی کروں گی، میرے ماں باپ نے تو مجھے بتایا ہی نہیں کہ دین کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ اسلام کیا ہے؟ اللہ کیا ہے؟ رسول کیا ہے؟ چنانچہ اسی ہندو کے ساتھ اس نے شادی کی اور چار مہینے اسے انڈیا لے جایا گیا، وہ کٹر ہندو تھا، اسے ہندوستان لے گئے اور اسے ہندو بنا لائے۔ (انا للہ) ہمارے سامنے تو ایک دو واقعات آئے ہیں ورنہ اس قسم کے سینکڑوں واقعات ہوں گے، اس کے ذمہ دار ماں باپ ہیں کہ ہم نے اولاد کو دین نہیں سکھایا، ایمان نہیں سکھایا، دنیا کی چھوٹی چھوٹی باتیں ان کو سکھاتے ہیں ان کی سب چیزوں کی فکر، ان کے بینک بیلنس کی فکر ہے، مکان کی فکر ہے، دوکان کی فکر لیکن دین کی فکر نہیں ہے۔ پھر یہی اولاد ماں باپ کو کِیک (Kick) مار دیتی ہے، تو اس میں ماں باپ کا ہی قصور ہے، اگر ان کو دین سکھایا ہوتا تو یہ صورت حال نہ ہوتی۔

اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت حفاظت کا ذریعہ ہے:

اس ملک میں اولاد کو بچانے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ اللہ کا خوف اور اللہ کی محبت ہمارے اور ہمارے بچوں کے دلوں کے اندر ہو، جب اللہ کا خوف ہمارے دل میں ہوگا تو ہماری اولاد کے دل میں بھی ہوگا اور ہم اللہ کی اطاعت کریں گے تو ہمارے بچے بھی ان شاء اللہ اللہ کی اطاعت کریں گے ورنہ یہ تو آزاد ملک ہے، فریڈم (freedom) ہر چیز کی آزادی، جیسا ماحول مل گیا اس میں بہہ جائیں گے، اگر اولاد کے دل میں اللہ کی محبت ہوگی، اللہ کا خوف دل میں ہوگا اور ہم محبت الٰہی کی وجہ سے اللہ کی نافرمانی سے بچیں گے اور اللہ کے احکامات کی پابندی اور اس کی عزت کریں گے تو ہماری اولاد بھی اللہ کے احکامات کی پابندی کرے گی اور اللہ کے احکامات کی عزت کرے گی اور ساتھ ساتھ اپنے ماں باپ کی بھی عزت کرے گی، ان کی خدمت کرے گی۔

تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کا درجہ بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: اگرچہ وہ تجھ پر ظلم کریں تب بھی تب بھی تم ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ خدا کی پناہ اس حدیث پاک کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ والدین کو اپنی اولاد پر ظلم کرنے کی اجازت ہے۔ اگر ہم ماں باپ کے مطیع ہیں، خدمت گذار ہیں تو بہت بڑی نعمت حاصل ہے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرو اور مزید اطاعت و خدمت کی نیت کرو اور اگر خدانخواستہ ہم ماں باپ کے یا ان میں سے کسی ایک کے نافرمان ہیں اور وہ زندہ ہیں تو کوئی شرم کی بات نہیں، آج ان سے معافی مانگ لو، آج زندگی ہے، ان سے معافی مانگنے اور ان کو راضی کرنے اور ان کی دعائیں حاصل کرنے کا سنہرا موقعہ حاصل ہے لہذا بلا تاخیر معافی تلافی کر کے ان کو

راضی اورخوش کرلو، اللہ پاک ہمارے اس عمل سے راضی ہوں گے، دنیا کیا ہے چند دن کی زندگی ہے، ماں باپ سے معافی مانگ لو، ماں باپ کا دل تو بہت بڑا ہوتا ہے اور اولاد کے حق میں بہت ہی نرم ہوتا ہے۔

ماں باپ کا رشتہ بے غرض ہوتا ہے:

ماں باپ کا ایک رشتہ دنیا میں ایسا ہے جو بالکل بے غرض ہے، میاں بیوی کا رشتہ ہے اس میں بھی غرض ہے، بیوی کو میاں سے غرض ہے، میاں کو بیوی سے غرض، بھائی کو بھائی سے غرض؛ مگر ماں باپ کا جو رشتہ ہے وہ بالکل بے غرض ہے، ماں باپ کو اولاد سے کوئی غرض نہیں ہوتی، پہلے بھی ایک مرتبہ میں نے درس میں ایک بات کہی تھی اسے لکھ لو، ایک باپ ہوتا ہے اس کے پانچ، چھ، سات، آٹھ بچے ہوتے ہیں، گاہے دس بارہ بچے ہوتے ہیں؛ مگر وہ ایک باپ سب کی پرورش کرتا ہے، پالتا ہے پوستا ہے، پروان چڑھاتا ہے، کہاں سے کہاں ان کو پہنچاتا ہے مگر وہ چھ بچے، آٹھ اور دس بچے ایک باپ کو نہیں پالتے، لکھ لو میرا یہ جملہ اور دیکھ لو دنیا میں۔ آج دنیا میں یہ برا انقلاب کیوں ہے؟ جہالت ہے، علم نہیں ہے۔ اگر صحیح تعلیم وتربیت ہو تو کوئی بھی ایسا نہیں کرے گا، علم ہے تو ماں باپ کی قدر کرتے ہیں، غرض ماں باپ کا رشتہ بہت مقدس اور بے غرض رشتہ ہوتا ہے۔

والدین کی تربیت، تربیتِ خداوندی کا نمونہ ہے:

حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ نے اپنی مشہور تفسیر معارف القرآن میں بڑی عجیب بات والدین کے سلسلہ میں تحریر فرمائی ہے، فرماتے ہیں: والدین کی تربیت، تربیتِ خداوندی کا ایک نمونہ ہے۔

۱......والدین عالم اسباب میں بچے کے وجود کے ایک ظاہری سبب ہیں۔

۲......ماں باپ اولاد کے ساتھ جو احسان کرتے ہیں وہ کسی غرض اور عوض کے لئے نہیں ہوتا۔

۳......اولاد کی تربیت سے ماں باپ کسی وقت ملول نہیں ہوتے، بڑی بشاشت اور توجہ اور شوق سے ان کی تربیت کرتے ہیں۔

۴......اولاد کے لئے کوئی کمال ممکن ہو والدین دل وجان سے اس کی آرزو کرتے ہیں اور دوسروں کا حال یہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کو کوئی کمال حاصل ہو جائے تو اس پر حسد کرتے ہیں، اس کو گرانے اور ذلیل کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ماں باپ اس قدر مخلص ہوتے ہیں کہ وہ اپنی اولاد کے باکمال ہونے پر حسد نہیں بلکہ دل سے آرزو کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں بلکہ اپنے سے زیادہ اولاد کو باکمال اور ترقی وعروج پر دیکھنے کے خواہش منداور آرزومند رہتے ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد تعظیم والدین کا حکم دیا اور انہی وجوہ کی بناپر والدین کی تعظیم اولاد پر تمام شریعتوں میں رہی اور چونکہ یہ حق محض ماں باپ ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے ﴿وبِالْوَالِدَیْنِ﴾ میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی، اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ والدین کی تعظیم والدین ہونے کی حیثیت سے ہر حال میں واجب اور لازم ہے، ماں باپ خواہ کافر وفاجر ہوں یا منافق وفاسق ہوں، اسی وجہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آذر کی دعوت وتلقین میں ہمیشہ تلطف اور نرمی کو ملحوظ رکھا جیسا کہ سورۂ مریم میں مفصل قصہ مذکور ہے اور قرآن وحدیث میں جابجا کافر اور مشرک ماں باپ

کے ساتھ بھی حسن سلوک واحسان کا حکم دیا گیا ہے۔

حضرت کی باتیں بڑی قیمتی ہیں، ملاحظہ فرمائیں معارف القرآن ادریسی (جلد اول، ص:۱۶۹، ۱۷۰) تو میں عرض کررہا تھا کہ ایک باپ ہے وہ چھ بچے سات بچے اور آٹھ بچوں کو اکیلا پالتا ہے مگر چھ بچے مل کر ایک باپ کو نہیں پالتے، ایسا کیوں ہوتا ہے؟ علم نہیں، جہالت ہے، اگر علم ہو تو وہ ماں باپ کی قدر کرتے ہیں، ان کا احترام کرتے ہیں، میں اس سلسلہ میں آپ کو کون کون سے قصے سناؤں؟ تفسیر میں آپ کو سنایا ہے، الحمد للہ روزانہ پندرہ بیس منٹ تفسیر ہوتی ہے، اس میں تشریف رکھا کریں، دین کی بہت سی باتیں سامنے آتی ہیں۔

مسعر بن کدام کا واقعہ:

مسعر بن کدامؒ تابعین میں سے ہیں، بہت بڑے محدث ہیں، ایک دنیا ان کو مانتی تھی۔ ایران سے بغداد سے، نہ معلوم کہاں کہاں سے لوگ ان کے پاس حدیث پڑھنے آتے تھے، بڑی مخلوق ان کے درس میں شریک ہوتی تھی، یہ مسعر بن کدامؒ جب گھر سے نکلتے تھے لوگ ان کے استقبال کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے، کوئی چاہتا تھا کہ ان کے جوتے سیدھے کرے، کوئی چاہتا تھا کہ ان کا سامان اٹھائے، ایک دوسرے کے اوپر ٹوٹے پڑتے تھے؛ لیکن جب یہ گھر سے نکلتے تو ان کی بوڑھی والدہ ان کے ہمراہ ہوتیں اور یہ ان کا ہاتھ پکڑ کر دھیرے دھیرے چلتے تھے، ایک ہاتھ سے بوڑھی والدہ کا ہاتھ پکڑتے دوسرے ہاتھ میں مصلی ہوتا، جب مسجد پہنچتے تو ایک کونے میں والدہ کے لئے مصلی بچھا دیتے اور ان کی بوڑھی والدہ اس پر نماز پڑھتیں اور مسعر بن کدامؒ اپنے شاگردوں کو

حدیث پڑھانے میں مشغول ہوجاتے، جب درس سے فارغ ہوتے تو والدہ کے پاس آتے، اگر والدہ نماز میں مشغول ہوتیں تو یہ پیچھے بیٹھ کران کا انتظار کرتے، جب بوڑھی والدہ نماز سے فارغ ہوجاتیں تو ان کی جوتی اٹھاتے، مصلی بغل میں دباتے اور بوڑھی والدہ کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکلتے اور دھیرے دھیرے ان کو گھر لے جاتے تھے،لوگ ان کی خدمت کے لئے تڑپتے تھے مگر یہ اپنی والدہ کی خدمت کرتے،ان کے پاس صحیح علم تھا تب ہی تو ماں کا احترام ان کے دل میں تھا۔

حضرت اویس قرنیؒ کی فضیلت:

حضرت اویس قرنیؒ تابعین میں سب سے بہتر شخص ہیں،آپؒ قرن بستی کے رہنے والے تھے جو کہ یمن میں واقع ہے جس سے آپ قرنی کہلائے۔آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا لیکن ماں کی خدمت اور خبر گیری کی وجہ سے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکے،اور صحابی نہ بن سکے،آپ اتنے بڑے رتبہ اور شرف سے والدہ کی خدمت کی وجہ سے باز رہے،اللہ نے والدہ کی خدمت کی وجہ سے آپ کو یہ مرتبہ دیا تھا کہ وہ اللہ کے بھروسہ پر قسم کھالیں تو اللہ اس قسم کو پوری فرما دیوے،اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اویس قرنیؒ کی مدح وتعریف کی اور حضرت اویس قرنیؒ کے متعلق فرمایا:

ان رجلا یأتیکم من الیمن یقال له اویس لا یدع بالیمن غیر ام له قد کان به بیاض فدعا الله فاذهبه الا موضع الدینار او الدرهم فمن لقیه منکم فلیستغفر لکم.

ایک شخص یمن سے تمہارے پاس آئے گا جس کا نام اویس ہوگا، یمن میں اس کی والدہ کے علاوہ اس کا کوئی نہیں ہے، اس کے بدن میں سفیدی (یعنی برص کی بیماری) تھی، اس نے اللہ سے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے بدن سے سفیدی کو ختم کر دیا، ہاں صرف ایک درہم یا ایک دینار کے بقدر سفیدی باقی رہ گئی ہے، پس تم میں سے جو شخص اس (اویس) سے ملے اس کو چاہئے کہ اس سے اپنے لئے مغفرت کی دعا کرائے۔

ایک اور روایت میں حضرت عمر فاروقؓ سے مروی ہے آپ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آواز دی کہ اے عمرؓ! میں بولا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوں، جو حکم ہو بجالانے کو تیار ہوں، حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مجھ کو آواز دی تو میں نے گمان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کام سے مجھ کو کہیں بھیجیں گے، لیکن پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے یوں فرمایا: اے عمرؓ میری امت میں ایک شخص ہوگا جس کو اویس کہا جائے گا، اس کے بدن کو ایک بلا یعنی برص کی بیماری لاحق ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کی اس بیماری کو دور کر دے گا مگر اس کا کچھ داغ اس کے پہلو پر باقی رہ جائے گا تم اس کو دیکھو گے تو تمہیں اللہ یاد آ جائے گا۔ جب تم اس سے ملنا تو اس کو میرا سلام پہنچانا اور اس سے اپنے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کرنا کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے یہاں ایسا معزز اور ایسا بزرگ ہے کہ اگر اللہ کے بھروسہ پر کسی بات پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو سچی کرے وہ اللہ تعالیٰ سے اتنے زیادہ لوگوں کی شفاعت کرے گا جتنے ربیعہ اور مضر جیسے کثیر القوم

قبیلوں میں بھی افراد نہیں ہیں، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد رسالت سننے کے بعد میں نے اس شخص کی تلاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کی مگر اس شخص کو نہیں پا سکا، پھر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد خلافت میں بھی اس شخص کی ٹوہ میں رہا مگر اس تک نہیں پہنچ سکا اور پھر جب میرا عہد امارت وخلافت آیا تو میں اور زیادہ تلاش و جستجو میں لگ گیا یہاں تک کہ مختلف شہروں اور علاقوں سے جو بھی قافلے آتے تو میں ہر ایک سے یہی سوال کرتا کہ کیا تم میں کوئی شخص ایسا بھی ہے جس کا نام اویس ہو؟ قبیلہ مراد سے تعلق رکھتا ہو اور قرن کا ہو؟ اسی تلاش وجستجو کے دوران قرن سے تعلق رکھنے والے ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ امیر المؤمنین آپ جس شخص کو پوچھتے ہیں وہ میرے چچا کا بیٹا ہے، اتنے میں ایک اونٹ آتا دکھائی دیا اس پر ایسا شخص بیٹھا ہوا تھا جس نے پھٹے پرانے کپڑوں سے اپنے جسم کا کچھ حصہ ڈھک رکھا تھا، اس کو دیکھتے ہی میرے دل میں آیا کہ یہی شخص اویسؒ ہے، پھر میں اس کی طرف لپکا اور اس سے پوچھا، بندۂ خدا کیا تم وہی اویس قرنی ہو؟ اس شخص نے جواب دیا ہاں! میں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا تھا: وہ شخص بولا:

علی رسول الله السلام و علیک یا امیر المؤمنین

اس کے بعد میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ تم میرے لئے دعائے مغفرت کرو۔ اس کے بعد میرا معمول ہو گیا کہ ہر سال حج کے موقعہ پر اویسؒ سے ملاقات کرتا، اپنے احوال واسرار ان سے بیان کرتا اور وہ اپنے حال واسرار مجھ سے بیان کرتے۔

(مظاہر حق جدید: ۸۳۳/۵)

جیسی کرنی ویسی بھرنی:

اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

تدين كماتدان.

[جیسا تم کروگے ویسا تمہارے ساتھ کیا جائے گا۔]

مشہور ہے جیسی کرنی ویسی بھرنی۔ اگر ہم نے ہمارے ماں باپ کی قدر نہیں کی تو ہماری اولاد بھی ہماری قدر نہیں کرے گی۔ ماں باپ کو ستانے کا عذاب آخرت سے پہلے دنیا میں بھی ملتا ہے:

یہ تو ہے گنبد کی صدا
جو کہے وہی سنے

آواز بازگشت کو تو آپ حضرات جانتے ہی ہوں گے، بڑا گول گنبد ہوتا ہے اس میں ایک مرتبہ بلند آواز سے ایک کلمہ بولنے سے وہ کلمہ بار بار سنائی دیتا ہے، پتھروں سے ٹکرا کر آواز گونجتی رہتی ہے، اور دو بار تین بار سنائی دیتی ہے، کبھی خالی کمرہ میں بھی بلند آواز سے کوئی کلمہ کہنے سے وہ کلمہ دوبارہ سہ بارہ سنائی دیتا ہے۔ تو یہ دنیا بھی آواز بازگشت کی طرح ہے جو بولوگے وہی سنوگے، اگر تم نے تمہارے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا تو تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرے گی۔ سچ ہے ''جو بوؤگے وہ کاٹوگے''۔

جیسی کرنی ویسی بھرنی نہ مانے تو کر کے دیکھ
جنت بھی ہے دوزخ بھی ہے نہ مانے تو مر کے دیکھ

اللہ تعالیٰ میری اور آپ سب کی حفاظت فرمائے۔

ہمیشہ شراب پینے والا بھی اس رات میں محروم رہتا ہے:

روایت میں آگے ہے:

ولا الی مدمن خمر

[اور ہمیشہ شراب پینے والا] اس پر بھی اس رات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کی نظر نہیں ہوتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے شراب کا ایک قطرہ پیا اور توبہ نہیں کی جنت کی خوشبو سے محروم رہے گا اور جنت کی خوشبو سے محروم ہو گیا تو اس کو جنت کیسے ملے گی؟ تو شراب پینا بھی حرام، شراب بیچنا بھی حرام، شراب کے سلسلہ میں آٹھ آدمیوں پر لعنت آئی ہے۔ نچوڑنے والے پر، بیچنے والے پر، سپلائی کرنے والے پر، اس کا حساب کتاب لکھنے والے پر، اس کا گواہ بننے والے پر، خریدنے والے پر، پینے والے پر، آٹھ آدمیوں پر لعنت آئی ہے، ہمارے کتنے مسلمان بھائی ہوٹلیں لے کر بیٹھے ہیں جن میں شراب فروخت کرتے ہیں اور ان کے ہوٹلوں میں شراب پی جاتی ہے۔ (اناللہ) اللہ پاک ہدایت فرماویں۔ تو جو آدمی ہمیشہ شراب نوشی کرتا ہے اس مبارک رات میں اس کی بھی مغفرت نہیں ہوتی۔

حلال گوشت کا بورڈ لگا کر حرام گوشت بیچنا:

اس کے ساتھ ساتھ میرے وہ دوست بھی سن لیں جو حرام گوشت بیچتے ہیں، یہ بھی بہت سنگین گناہ ہے، بلکہ شراب بیچنے سے زیادہ سنگین گناہ ہے، اس لئے کہ شراب کو سب حرام اور گناہ سمجھتے ہیں، تو شراب بیچنے والے کو تو سب برا سمجھتے ہیں مگر جو لوگ حلال گوشت کا بورڈ لگا کر حرام گوشت بیچتے ہیں اور مسلمانوں کے پیٹ میں حرام گوشت پہو

نچاتے ہیں، وہ بھی سخت لعنت کے مستحق ہیں۔ حرام گوشت کھانا کھلانا دونوں حرام ہیں، ہمارے پیٹ میں حرام جائے گا تو اس کے اثرات آئیں گے، عبادتیں قبول نہیں ہوں گی، دعائیں قبول نہیں ہوں گی، چاہے بھول سے جائے اثرات تو آئیں گے، وہ بھی آج کی اس مبارک رات میں توبہ کریں، یہ صرف لالچ ہے اور ایمان کی کمزوری ہے ورنہ حلال سے بھی اللہ تعالیٰ رزق پہونچاتا ہے، جو ہمارے مقدر میں ہے وہ ان شاء اللہ مل کر رہے گا، یقین ہونا چاہئے، کچھ آگے پیچھے دیر ہوگی مگر جو مقدر کا ہوگا مل کر رہے گا۔

ملک الموت کا خطاب:

حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ملک الموت جب کسی کی روح قبض کرنے کے لئے آتا ہے تو وہ اس کو کہتا ہے میں مشرق و مغرب، شمال و جنوب میں گھوم کر آیا، اب تیری مقدر کا ایک دانہ بھی نہیں،

الا وان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها او کما قال علیه الصلوة والسلام.

[کسی نفس کو موت نہیں آتی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی روزی پوری کر لیتا ہے۔]

تو رزق پورا ہونے سے پہلے موت بھی نہیں آتی۔ آپ نے کسی کی سکرات کی حالت دیکھی ہے؟ وہ بہت عبرت کا وقت ہوتا ہے، گھر والے اس کے منہ میں زمزم ڈالتے ہیں، شہد والا پانی ڈالتے ہیں، کبھی وہ پی لیتا ہے اور کبھی کبھی وہ باہر نکال دیتا ہے، آپ نے اس پر غور کیا جو قطرے اس کے مقدر کے تھے وہ پانی کے قطرے اس کے پیٹ میں چلے گئے اور جو پانی کے قطرے اس کے مقدر کے نہیں وہ باہر نکال دیتا ہے، اور کبھی آپ نے

دیکھا ہوگا سکرات کے وقت سانس کبھی تیزی سے چلتا ہے، کبھی نارمل بھی رہتا ہے، یہ سانس تیزی سے چلتا ہے اس پر آپ نے غور کیا؟ جو سانس اس کے مقدر میں پورے کرنا ہیں وہ سانس پورے کرلیتا ہے، وقت کم ہے تو اللہ تعالیٰ تیزی کے ساتھ چلا کر سانس بھی پوری کراتا ہے، ایک ایک سانس پورا ہوتا ہے ایک ایک قطرہ پورا ہوتا ہے، ایک ایک دانہ پورا ہوجاتا ہے، تو ہم کیوں حرام گوشت کسی کو کھلائیں یا شراب کا کاروبار کریں۔ حلال راستہ سے رزق حاصل کریں، حلال رزق کے بھی بے شمار راستے ہیں۔

شراب پینے کا گناہ:

ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمی جنت میں داخل نہ ہوں گے۔"**مد من الخمر**" [ہمیشہ شراب پینے والا]" **و قاطع الرحم**" [اور رشتہ ناتہ کو توڑنے والا] "**ومصدق السحر**" [اور جادو کو سچ جاننے والا۔]
(مرقات: ۷/۲۲۰)

نیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من شرب الخمر فی الدنیا فمات و هو یدمنها لم یتب؛ لم یشربها فی الآخرة. (مرقات: ۷/ ۲۰۹)

[جو شخص شراب پیتے پیتے مرگیا اور شراب سے توبہ نہیں کی تو وہ شخص جنت کی شراب طہور سے محروم کردیا جائے گا۔]

نیز دوسری روایت میں ہے ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نہر غوطہ سے پلائے گا، صحابہ نے پوچھا:" **وما نهر الغوطه؟ یا رسول الله!** " [نہر غوطہ کیا چیز ہے؟] تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ جہنم میں ایک نہر ہے جو زانیہ فاحشہ عورتوں کی

شرم گاہ سے نکلے گی، اس کی بدبو سے جہنم والے تکلیف محسوس کریں گے، وہ پانی شراب پینے والوں کو پلایا جائے گا۔

(الترغیب الترھیب)

ایک حدیث قدسی میں ہے کہ میرے رب عز و جل نے اپنی عزت کی قسم کھا کر فرمایا:

و حلف ربی عز و جل بعزتی لا یشرب عبد من عبادی جرعة من خمر الا سقیته من الصدید مثلها، و لا یترکها من مخافتی الا سقیته من حیاض القدس. (مرقات: ۷/۲۱۹)

[کہ میرے بندوں میں جو کوئی بندہ شراب کی جتنی چسکی پیئے گا اتنی ہی چسکی اسے جہنمیوں کا پیپ پلاؤں گا، اور جو بندہ میرے ڈر سے شراب کو چھوڑ دے گا میں اسے حیاض قدس سے پلاؤں گا۔]

دینی مجالس کی برکات:

دینی مجالس بڑی بابرکات ہوتی ہیں، اس کی برکت سے بہت سی دین کی باتیں سننے میں آتی ہیں، الحمدللہ روزانہ تفسیر بھی ہوتی ہے اس میں شرکت کرتے رہیں، اس سے بھی ان شاء اللہ بہت فائدہ ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ کوئی جنید بغدادی قرآن وحدیث کی باتیں سنائے تو ہی فائدہ ہو بلکہ مجھ جیسا ناکارہ انسان بھی سنائے تو قرآن وحدیث کی باتیں ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے فائدہ پہنچاتے ہیں، الحمدللہ تفسیر سن کر اور یہ بیانات سن کر تقریباً دس بھائیوں نے میرے ہاتھ پر شراب سے توبہ کی ہے، والدین کے حقوق بیان کئے تھے، ایک بھائی بعد میں مجھ سے ملے، انہوں نے بتایا کہ کل رات بے

قراری میں گذری، نیند نہیں آئی، میں اپنی والدہ کوستاتا تھا، ان کی نافرمانی کرتا تھا، ان سے معافی مانگی اور ان کو خوش کیا اور الحمدللہ وہ خوش ہوگئی، تو بھائیو! اگر ہمارے درس میں کسی ایک شخص کو بھی ہدایت مل جائے تو ان شاء اللہ اللہ پاک ہم سب کی مغفرت فرمادیں گے اور دینی مجالس جس میں صرف اللہ کے لئے بیٹھنا ہوتا ہے، اللہ پاک ایسی مجالس پر فخر فرماتے ہیں اور فرشتوں سے خطاب کرکے فرماتے ہیں دیکھو مختلف خاندان کے لوگ صرف میری محبت پر جمع ہوئے ہیں، ان کی کوئی دنیوی غرض نہیں ہے، جاؤ میں نے سب کی مغفرت کردی، فرشتے عرض کرتے ہیں یا اللہ ان میں ایک شخص محض تماشائی بن کر آیا تھا اللہ پاک فرماتے ہیں یہ ایسے مبارک لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بھی محروم نہیں رہتا جاؤ اس کی بھی بخشش کردی لہذا ضرور شرکت کیا کریں یہاں آپ کو دین سیکھنے ملے گا۔

مسجد میں آؤ گے تو قرآن ملے گا، نبی کا فرمان ملے گا:

آپ گھر پر جاؤ گے تو خاندان ملے گا، دوکان جاؤ گے تو سامان ملے گا، مسجد میں آؤ گے تو قرآن ملے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ملے گا (اللہ تعالیٰ ہماری مسجدوں کا ماحول ایسا ہی پرنور پاکیزہ بنادے۔ آمین) اور ملے گا تو کوئی مسلمان ملے گا اور مسلمان جب اللہ کے لئے آپس میں ملتے ہیں اور ایک دوسرے سے مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے جدا ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرمادیتا ہے۔
(مظاہر حق: ۴/۳۴۵)

حضرت جعفرؓ کو اللہ کی طرف سے سلام:

تقریباً ایک گھنٹہ ہورہا ہے، مجھ سے کہا گیا تھا کہ ایک گھنٹہ بیان ہو تو کیا اب ختم کردوں؟ ویسے تو میں بھی بہت تھکا ہوا ہوں مگر اللہ پاک کی طرف سے دماغ میں بہت سی

باتیں آرہی ہیں، اگر آپ حضرات خوشی سے کہیں تو کچھ اور سناؤں، کل بھی چھٹی کا دن ہے (مجمع میں سے آواز آئی کہ ضرور سنایئے، جزاکم اللہ) اللہ پاک ہمارے اس بیٹھنے کو قبول فرمائے، ہمیں اور ہماری اولاد کو دین نصیب فرمائے، ہمارے گھروں کو جنت کا نمونہ اور ہمارے بیوی بچوں کو ہمارے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک بنادے اور ہم سب کو حسن خاتمہ نصیب فرمائے، ماشاء اللہ آپ حضرات شوق سے سننے کے لئے تیار ہیں اللہ پاک ہم سب کو عمل کی بھی توفیق عطا فرمائے، ایک مرتبہ سب درود شریف پڑھ لیں۔

حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ بہت بڑے صحابی ہیں، سب سے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے تشریف لے گئے تھے، جب خیبر فتح ہوا تو آپ تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو دیکھ کر فرمایا کہ میں بیان نہیں کرسکتا ہوں کہ مجھے آج زیادہ خوشی فتح خیبر کی ہے یا جعفر کی آمد کی ہے، اندازہ لگایئے کہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا کیا مقام ہوگا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوۂ موتہ میں بھیجا تھا، غزوۂ موتہ میں حضرت جعفرؓ شہید ہوگئے، جمادی الثانی ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمیر ازدی کو دعوت اسلام کا خط دے کر حاکم بصریٰ کے پاس بھیجا تھا، وہ دمشق کے قریب موتہ کے مقام پر پہنچے تو بلقاء کے رئیس شرحبیل بن عمرو غسانی نے انہیں شہید کر دیا اور سفیر کا قتل ایک سنگین اور قبیح جرم تھا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتقام لینے کے لئے تین ہزار مجاہدین کا لشکر روانہ فرمایا، اس لشکر کے امیر حضرت زید بن حارثہ کو مقرر فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود ان کو رخصت کرنے تشریف لے گئے اور الوداع کے وقت ارشاد فرمایا: اگر زید شہید ہوجائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر لشکر

ہوں گے اگر وہ بھی شہید ہوجائیں تو عبداللہ بن رواحہ قیادت سنبھالیں گے اگر وہ بھی شہید ہوجائے تو مسلمان جس کو چاہیں امیر بنالیں، چنانچہ یہ تین ہزار کا لشکر موتہ پہنچا عیسائیوں کا ٹڈی دل ایک لاکھ کے قریب تھا، مگر مسلمان اللہ کے بھروسہ پر ٹوٹ پڑے، حضرت زیدؓ نے کمال درجے کی استقامت وشجاعت کے مظاہرہ کرتے ہوئے دور تک دشمنوں کی صف میں گھستے چلے گئے، حضرت زید کے سینے میں ایک نیزہ لگا اور وہ شہید ہوگئے، حضرت جعفرؓ نے آگے بڑھ کر علم اسلام تھام لیا، حضرت جعفرؓ لڑتے رہے لیکن کافر بہت زیادہ تھے، لڑتے لڑتے ان کا ایک ہاتھ شہید ہوگیا تو جھنڈا فوراً دوسرے ہاتھ میں لے لیا مگر گرنے نہ دیا، اس کے بعد دوسرا ہاتھ بھی شہید ہوگیا تو دونوں بازوؤں سے جھنڈا تھام لیا اور منہ سے مضبوط پکڑ لیا اور اس کے بعد جام شہادت نوش فرمایا۔

جس وقت شہید ہوئے ہیں ان کے بدن پر نوے (۹۰) سے زیادہ زخم تھے، جب وہ شہید ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے جعفر کو دو بازو عطا فرمائے ہیں جن سے وہ اڑ رہے ہیں، اس مناسبت سے ان کا لقب ہوگیا، "**ذو الجناحین**"، اور آپ کو جعفر طیار بھی کہتے ہیں۔

تو یہ جعفر طیارؓ بڑے رتبہ والے صحابی ہیں، ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جعفر کو سلام کہلواتے ہیں، کیا مقدر جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے، کیسے مقدر والے تھے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو جعفر کی چار باتیں بہت پسند ہیں، اللہ تعالیٰ میرے اندر اور آپ حضرات کے اندر بھی وہ باتیں پیدا فرمادے، آمین۔

اللہ کو حضرت جعفرؓ کی چار باتیں پسند ہیں:

اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ کو بلایا اور فرمایا اے جعفر تم تو بڑے سعادت مند ہو، میرے پاس جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تھے اور اللہ نے آپ کو سلام کہا ہے بہت خوش ہوئے خوشی کے مارے رونے لگے کہ اللہ نے مجھے سلام بھیجا ہے۔فرمایا: ہاں، اللہ نے سلام بھیجا ہے اور فرمایا جعفر! تمہاری چار باتیں اللہ کو بہت محبوب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو وہ چار باتیں حضرت جبرئیل علیہ السلام نے بتادی تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ سے فرمایا: اے جعفر! وہ چار باتیں کونسی ہیں؟ تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ میرے اور میرے مولیٰ کے درمیان راز تھا مگر جبرئیل علیہ السلام نے آپ کو وہ چار باتیں بتادی ہیں تو میں بھی عرض کر دیتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا ہیں؟

چار باتیں:

نمبر۱......عرض کیا اسلام لانے سے پہلے بھی میں نے کبھی کسی بت کے آگے ماتھا نہیں ٹیکا، غیر اللہ کے سامنے سر نہیں جھکایا، غیر اللہ کی عبادت نہیں کی اس لئے کہ مجھے یقین ہے کہ یہ بت نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔تو زمانہ جاہلیت میں بھی میں نے کفر اور شرک نہیں کیا۔نمبر۲...... میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لئے کہ جھوٹ میں رسوائی ہے۔نمبر۳...... میں نے کبھی کسی عورت کو بری نگاہ سے نہیں دیکھا، کبھی بھی بد نگاہی کا ارتکاب نہیں کیا، جب کبھی میرے سامنے کوئی عورت آئی تو میری غیرت یہ کہتی ہے کہ ہو سکتا ہے یہ میری بہن ہو، یہ میری بیٹی ہو، یہ میری ماں ہو اور مجھے یہ غیرت ہوتی کہ اگر کوئی

میری ماں کو میری بہن کو میری بیٹی کو کوئی بری نظر سے دیکھے تو کیا میں اسے برداشت کروں گا؟ ظاہر ہے کہ میری غیرت اس کو برداشت نہیں کرے گی۔تو میری غیرت یہ بھی برداشت نہیں کرتی کہ میں کسی کی ماں، بہن، بیٹی کو بری نظر سے دیکھوں۔نمبر۴...... زمانہ جاہلیت میں بھی میں نے کبھی شراب نہیں پی اس لئے کہ شراب عقل کو ڈھانک دیتی ہے، شراب کو عربی میں خمر بھی کہتے ہیں، خمار کے معنی اوڑھنی جو عورتیں اپنے سر پر اوڑھتی ہے جس کی وجہ سے سر ڈھنک جاتا ہے اسی طرح شراب بھی عقل کو ڈھانپ لیتی ہے، یہ چار باتیں ہیں، ان کی بنیاد پر اللہ کا سلام آیا، یہ واقعہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے معارف القرآن میں روح البیان کے حوالہ سے نقل فرمایا ہے۔

جنت کی شراب طہور:

تو ہمیشہ شراب پینے والے کی اس رات میں بخشش نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جنت میں شراب عطا فرمائیں گے، جس نے یہاں صبر کیا اسے جنت کی شراب ملے گی، جنت کی شراب کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَسَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا (الدھر: ۲۱)

اللہ پاک نے جو جملہ ارشاد فرمایا اس پر قربان جایئے، اس جملہ میں کیا لذت ہے [ان کا رب ان کو شراب طہور پلائے گا۔] رب کے ہاتھ سے ملے گی، دنیا کی شراب عقل کو ڈھانک لیتی ہے، کس قدر بدبودار ہوتی ہے، شراب پینے کے بعد کیا کیا واقعات پیش آتے ہیں، وہ دنیا والوں کے سامنے ہیں، باپ نے شراب پی اور نشہ میں مست ہو کر بیٹی پر دست درازی کر ڈالی، بیٹا شراب سے مست ہو کر آیا باپ کو چاقو مار دیا، اگر کوئی شراب پی

کر پڑا ہو تو اس کے منہ سے ایسی بدبو آتی ہے کہ سر میں درد ہو جاتا ہے، طبیعت مچل جاتی ہے۔ لیکن جنت کی شراب جب ملے گی اور رب کے ہاتھ سے ملے گی اور جنتی جب اس شراب کو پیئے گا تو اس سے اللہ کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہی چلا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی حدیث بیان کر رہا تھا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے فرمایا: آج کی رات نصف شعبان کی رات ہے، بے شمار لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رات جہنم سے خلاصی اور نجات عطا فرماتا ہے۔ اے عائشہ! اگر تم اجازت دو تو آج رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں گذار دوں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: ”نعم بابی وامی“ میرے ماں باپ آپ پر قربان جائیں، ضرور آپ عبادت کریں، چنانچہ آپ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا طویل سجدہ کیا، اتنا طویل سجدہ کیا...... بزرگو! غور کیجئے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کا حال ہے۔

حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ فرماتے ہیں:

حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ فرمایا کرتے تھے میں نے ایک حسین دیکھا، مایہ نازنین دیکھا، رحمۃ للعالمین دیکھا، راحۃ للعاشقین دیکھا، میں نے شمس الضحی، نور الہدی دیکھا تو میرا دل چاہا کہ میں ان کے روضہ پر جا کر میں ان سے کچھ مانگوں لیکن جب ان کی سیرت پڑھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پوری رات کھڑے ہوتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے مانگتے ہیں تو میرے دل نے کہا جب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب سے مانگتے ہیں تو تو بھی خدا سے مانگ۔

تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور اتنا طویل سجدہ کیا کہ فرماتی ہیں:

فسجد ليلا طويلا حتى ظننت انه قبض.

مجھے گمان ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح تو پرواز نہیں ہوگئی، پھر میں نے ہاتھ سے ٹٹولا تو زندگی کے آثار محسوس کیے تو مجھے اطمینان ہوا۔

نصف شعبان کی دعا:

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات میں بہت طویل نماز پڑھی، بہت طویل سجدہ فرمایا اور سجدہ میں یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ أَعُوْذُ بِعَفُوِکَ مِنْ عِقَابِکَ وَ أَعُوْذُ بِرِضَاکَ مِنْ سَخَطِکَ وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ جَلَّ وَجُهُکَ، لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ.

(ترجمہ) [اے اللہ میں تیری سزا سے تیری عفو کی پناہ مانگتا ہوں اور تیری ناراضگی سے تیری رضامندی کی اور تجھ سے (یعنی تیرے عذاب اور عقاب وقہر سے) تیری ہی پناہ چاہتا ہوں، تیری ذات بزرگ و برتر ہے، تیری شایانِ شان میں تیری تعریف بیان نہیں کرسکتا ہوں بس تو ایسا ہی جیسا خود تو نے اپنی تعریف بیان فرمائی ہے۔]

اس دعا کے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ اس رات کو میں نے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ میں یہ دعا مانگتے ہوئے سنا، صبح میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دعا کا تذکرہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عائشہ! تم یہ دعا سیکھ لو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ، مجھے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ دعا سکھائی ہے اور کہا ہے کہ میں یہ دعا (نفل نماز کے) سجدہ میں بار بار پڑھا کروں۔

(ما ثبت بالسنہ)

نام بگاڑنا اور اس کی اصلاح کا طریقہ:

یہ طویل حدیث آپ کے سامنے عرض کی، اس میں چھ افراد کا ذکر ہے جن کی اس رات بخشش نہیں ہوتی، نیز ایک روایت پہلے گذر چکی، وہ روایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ہے، وہ فرماتے ہیں کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ان اللّٰہ تعالیٰ لیطلع فی لیلۃ النصف من شعبان فیغفر لجمیع خلقہ الا اثنین مشاحن وقاتل نفس.

(مرقات: ۳/۳۴۹، مسند احمد ۲/۱۷۶، الترغیب والترھیب ۲/۱۱۹)

[اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب (اللہ) اپنی مخلوق پر نظرِ رحمت فرماتے ہیں، پس سب بندوں کی مغفرت فرمادیتے ہیں، مگر دو قسم کے آدمیوں کی مغفرت نہیں ہوتی، ایک مشرک اور دوسرے قاتل کی جو کسی کو ناحق قتل کردے اس کی مغفرت نہیں ہوتی۔]

اس روایت میں مزید ایک شخص کا ذکر ہے:

وقاتل نفس.

کسی کو ناحق قتل کرنے والے کی بھی اس رات بخشش نہیں ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۰/ ذی الحجہ ۹ ھ کو بمقام منیٰ ارشاد فرمایا:

فان دمائکم و اموالکم و اعراضکم، حرام علیکم کحرمة یومکم هٰذا، فی بلدکم هذا، فی شهرکم هٰذا. (اخرجه مسلم: ۱۶۷۹)

[بلاشبہ تمہارے خون، تمہارے مال و متاع اور تمہاری عزتیں تم پر ایسے ہی محترم ہیں جیسے آج کا یہ دن، جیسے تمہارا یہ شہر اور جیسے یہ مہینہ محترم ہے۔

بہر حال یہ رحمت اور برکت والی رات ہے، اللہ کی ایک رحمت بھی ہم کو مل جائے تو ہمارا بیڑا پار ہے، اللہ بڑا رحیم ہے، بڑا غفار ہے، اللہ کی عجیب عجیب صفات ہیں، اللہ کی ایک صفت ہے ''شکور''۔

اور میرے دوستو! آپ میری بات بری نہ مانیں میں نے پہلے بھی آپ سے عرض کیا تھا اور آج پھر کہتا ہوں ناموں کو مت بگاڑو، خاص کر وہ نام جن کی اللہ کے ساتھ نسبت ہے، جو اللہ کی خاص صفت ہے، اس کے ساتھ عبد کا لگانا ضروری ہے۔ جیسے عبدالشکور اس کو صرف شکور مت کہو، عبدالغفار اس کو صرف غفار مت کہو عبدالستار اس کو صرف ستار مت کہو اس لئے کہ ستار اللہ کا نام ہے، غفار اللہ کا نام ہے اور پھر بعض تو غفار کو بگاڑ دیتے ہیں ستار کو بھی بگاڑ دیتے ہیں، فاطمہ کو فطی، فاطری پتہ نہیں کیسا کیسا بولتے ہیں، عبدالغنی کسی کا نام ہے تو اس کو صرف غنی مت کہو غنی تو اللہ کا نام ہے، قرآن میں اللہ پاک فرماتے ہیں:

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْهُ بِهَا (الاعراف: ۱۸۰)

''اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے اسماء ہیں ان مبارک ناموں سے اللہ کو پکارو۔''

اور جو عبدالغفار، عبدالرحمٰن، عبدالستار، عبدالشکور یہاں بیٹھے ہیں ان سے میں کہوں گا کہ اگر کوئی آپ کا نام بگاڑتا ہے تو آپ اس کی اصلاح کریں، اگر کوئی عبدالستار

کے بجائے صرف ستار کہے تو آپ اسے کہہ دیں بھائی میرا نام عبدالستار ہے ستار نہیں ہے، لہذا مجھے عبدالستار کہا کرو اور ایک طریقہ یہ بھی ہے جب آپ ان کو نام صحیح پکارنے کے لئے کہہ چکے پھر بھی وہ غلط نام سے پکارتا ہے تو آپ اس کو جواب ہی مت دو اور اس کو بتا دو اگر آپ میرا پورا نام پکارو گے تو میں جواب دوں گا، ان شاء اللہ اس طرح آپ تین چار مرتبہ کہیں گے اور اس طرح عمل کریں گے تو ان کی اصلاح ہو جائے گی۔ گھر میں بچوں کو بھی سکھاؤ کہ پورا نام پکاریں اور گھر میں بچے آپس میں بھی ایک دوسرے کے نام بگاڑ کر بولتے ہیں تو ان کی تربیت کرو اور غلط نام بولتے ہوں تو ان کی اصلاح کرو۔

اللہ کا ایک نام ''شکور'' ہے اس کے معنیٰ اور ایک واقعہ:

تو اللہ کا ایک نام ''شکور'' ہے، شکور کہتے ہیں اس ذات کو جو نیکی کرنے والوں کو بہت بڑھا چڑھا کر اجر عطا فرمائے، چھوٹی سی چھوٹی نیکی کا بھی بہت قدرداں ہو، ہم نے صرف دو رکعت پڑھی مگر پتہ نہیں اللہ پاک اس کا کتنا اجر عطا فرمائیں گے۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب مرقاۃ میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے:

ایک شخص کا انتقال ہو گیا، انتقال کے بعد ایک شخص نے اس کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کیا حال گذرا، انہوں نے کہا میرے پاس تو کوئی بڑے عمل نہیں تھے، بہت گناہ میں زندگی گذاری، جب میرے گناہ اور برے اعمال سامنے آئے تو اللہ نے وزن کیا تو اس میں نیکیاں بہت کم تھی اور برائیاں بہت زیادہ تھیں تو برائیوں کا پلہ بھاری ہو گیا میں نے کہا اب تو میں مر گیا اس لئے کہ گناہ اور برائیاں بہت زیادہ تھیں اتنے میں ایک چھوٹی سی مٹی کی تھیلی آئی اور نیکی کے پلڑے میں رکھ دی گئی جس کی وجہ سے نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا، اللہ

پاک نے فرمایا جاؤ اس کو جنت میں داخل کردو میں نے کہا اللہ اکبر! یہ چھوٹی سی مٹی کی تھیلی سے میری نجات ہوگئی، یہ کون سی نیکی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فلاں مسلمان بھائی کی نماز جنازہ میں تو شریک ہوا تھا اور قبرستان گیا تھا اور تین مٹھی مٹی قبر میں ڈالی تھی، تمہارا مٹی ڈالنا ہمیں پسند آ گیا اور اسی کا یہ اجر تم کو دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ ایسا شکور ہے، معلوم نہیں کون سی نیکی اللہ کو پسند آ جائے اور وہی چھوٹا سا عمل نجات کا اور مغفرت کا ذریعہ بن جائے۔

(مرقاۃ ۵/ ۸۵ بحوالہ کشکول معرفت حکیم اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ)

آج رات کتنی عبادت کریں؟

اب آج کی رات عبادت کرنی ہے، کتنی عبادت کرنی ہے؟ وہ ہر شخص کی اپنی ہمت اور طاقت پر ہے اور ذوق وشوق پر ہے، اللہ پاک سے توفیق طلب کریں انہی کی توفیق سے ہم کچھ کرسکتے ہیں، اگر کوئی زیادہ عبادت نہیں کرسکتا ہے تو ہم سب ایک کام تو ضرور کریں کہ فضول اور لایعنی باتوں سے بچیں، خصوصاً غیبت، چغل خوری اور لغو بے کار باتوں، ایران توران سے بچیں اور اگر کچھ نہیں کرسکتا تو اللہ کے فضل سے عشاء کی نماز باجماعت پڑھی، صبح کی نماز بھی باجماعت پڑھ لے گا تو پوری رات کا ان شاء اللہ ثواب مل جائے گا اور اگر کچھ ہمت ہے تو روزانہ عشاء کی جتنی رکعات پڑھنے کا معمول ہے آج چار آٹھ رکعت زیادہ پڑھ لے، بہترین وقت اٹھ کر پڑھنا ہے اور تہجد کا وقت بہت ہی نورانی وقت ہے لیکن کبھی شیطان بہکاتا ہے کہ صبح اٹھ کر پڑھ لیں گے، آنکھ نہ کھلی تو ایسا نہ ہو کہ رات کو بھی کچھ نہ کیا اور صبح بھی کچھ نہ کرسکے، لہٰذا سونے سے پہلے کچھ عبادت کرلیں اور رات کو آنکھ کھل جائے تو اس وت بھی کچھ عبادت کرلیں، ہمت ہو تو صلوۃ التسبیح پڑھ لیں۔

صلوۃ التسبیح کی فضیلت:

یہ اس رات کا کوئی مخصوص عمل نہیں ہے، مگر چونکہ حدیث میں اس کی بہت ہی فضیلت آئی ہے اور پڑھنے کی ترغیب بھی ہے لہذا اگر ہمت اور شوق ہو تو اس رات میں ایک مرتبہ ضرور صلوۃ التسبیح پڑھ لیں۔

مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے عباس! اے میرے چچا! کیا میں تم کو ایک عطیہ دوں جس میں دس خوبیاں ہیں، اگر تم وہ عمل کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے چھوٹے گناہ، بڑے گناہ، خلوت میں کیئے ہوئے گناہ، جلوت میں کیئے ہوئے گناہ، اگلے پچھلے، قدیم جدید، نئے پرانے، دانستہ اور نادانستہ غرض ہر قسم کے گناہ معاف فرمادیں اور وہ عمل اور عطیہ یہ ہے کہ تم چار رکعت نماز پڑھو۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ (الحمد شریف) پڑھو اور اس کے بعد کوئی سورت پڑھو اس کے بعد کھڑے ہونے کی حالت میں رکوع سے پہلے پندرہ مرتبہ یہ کلمات پڑھو:

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"

(یہ تیسرا کلمہ ہے) اس کے بعد رکوع کرو اور رکوع کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ یہی کلمات پڑھو، پھر رکوع سے سر اٹھاؤ اور کھڑے کھڑے قومہ میں دس مرتبہ پڑھو پھر سجدہ کرو اور سجدہ کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ پڑھو، پھر سجدہ سے سر اٹھاؤ اور جلسہ میں بیٹھ کر دس مرتبہ پڑھو، پھر دوسرا سجدہ کرو اور سجدہ کی تسبیح کے بعد سجدہ میں دس مرتبہ پڑھو، پھر دوسرے سجدے سے اٹھ کر بیٹھ جاؤ اور بیٹھ کر دس مرتبہ یہ کلمات پڑھو۔

اس کے بعد دوسری رکعت بھی اسی طرح پڑھو، ایک رکعت میں کل پچھتر (۷۵)

مرتبہ یہ کلمات پڑھے جائیں گے، اسی طرح باقی رکعتوں میں پڑھو، پہلے اور دوسرے قعدہ میں التحیات سے پہلے یہ تسبیح پڑھی جائیگی، اس طرح چار رکعات میں کل تسبیحات تین سو مرتبہ ہوجائیں گی۔

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہوسکے تو یہ نماز روزانہ پڑھو، یہ نہ ہوسکے تو جمعہ کے دن میں یعنی آٹھ دن میں ایک مرتبہ پڑھو، یہ بھی نہ ہوسکے تو سال میں ایک مرتبہ یہ نماز پڑھو، اگر یہ بھی نہ ہوسکے تو عمر میں ایک مرتبہ تو پڑھ ہی لو۔
(رواہ ابوداؤد، مشکوۃ شریف ص ۱۱۷)

صلوۃ التسبیح کے کچھ مسائل:

بزرگو! ہر رکعت میں یہ تسبیحات پچھتر (۷۵) مرتبہ ہوگی، یہ تسبیحات زبان سے ہرگز شمار نہ کرے، اگر زبان سے شمار کرنا شروع کردے گا تو نماز ہی فاسد ہوجائے گی، اسی طرح اپنی انگلیوں پر اس طرح بھی شمار نہ کرے جس طرح ہم تسبیح فاطمی عام طور پر نمازوں کے بعد انگلیوں پر شمار کرتے ہیں، اگر کوئی اس طرح شمار کرے گا تو مکروہ ہوگا، بہتر طریقہ یہ ہے کہ ہماری انگلیاں جس طرح ہوں ان کو اسی حالت پر رہنے دیں اور ہر تسبیح کے وقت ایک ایک انگلی اسی جگہ دباتا رہے۔

اس نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد اختیار ہے کہ جو سورت چاہے پڑھے کوئی سورت متعین نہیں ہے، بعض روایات میں ہے کہ پہلی رکعت میں اذا زلزلت یعنی سورۂ زلزال، دوسری رکعت میں سورہ والعادیات، تیسری رکعت میں سورۂ نصر یعنی اذا جاء نصر اللہ اور چوتھی رکعت میں سورۂ اخلاص یعنی قل ھواللہ احد پڑھے اور بعض روایات میں **الھٰکم التکاثر**، سورۂ عصر، سورۂ کافرون اور سورۂ اخلاص پڑھنا بھی آیا ہے، اگر کسی جگہ تسبیح پڑھنا

بھول جائے یا کم پڑھے تو دوسرے رکن میں مکمل کرلے مگر قومہ اور سجدوں کے درمیان جلسہ میں نہ پڑھے، مثال کے طور پر رکوع میں بھول گیا تو پہلے سجدہ میں پڑھ لے، پہلے سجدہ میں بھول گیا تو دوسرے سجدہ میں پڑھ لے، یہ مسائل فتاویٰ رحیمیہ جلد چہارم ص:۴۳۱۔۴۳۲ پر ہیں۔

صلوۃ التسبیح کا دوسرا طریقہ:

صلوۃ التسبیح کا ایک طریقہ اوپر بیان ہوا، دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلی رکعت میں ثناء کے بعد قراءت سے پہلے پندرہ مرتبہ یہ کلمات پڑھے یعنی

"سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ"

اگر اس کے ساتھ

"وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ"

بھی ملالیں تو ملا سکتے ہیں، پہلے جو طریقہ بیان کیا ہے اس میں بھی یہ کلمات ملا سکتے ہیں، اس کے بعد سورۂ فاتحہ اور سورت پڑھے، پھر دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھے، پھر رکوع میں دس مرتبہ پھر رکوع سے اٹھ کر سمع اللہ لمن حمدہ ربنا لک الحمد کہہ کر قومہ میں دس مرتبہ پھر سجدہ میں جائیں گے اور سجدہ کی تسبیح سبحان ربی الاعلی پڑھ کر دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں گے، ۵۵ ہوگئیں، پھر اللہ اکبر کہہ کر اٹھیں گے اور دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں گے ۶۵ ہوگئیں اس کے بعد دوسرا سجدہ کریں گے اور سجدہ کی تسبیح کے بعد دس مرتبہ یہ تسبیح پڑھیں گے ۷۵ مرتبہ ہوگئی۔ اس طرح ایک رکعت میں ۷۵ مرتبہ پڑھنا ہے، اس طریقہ میں پہلی اور تیسری رکعت میں دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر تسبیح پڑھنا نہیں ہوگی،

اسی طرح دوسری اور چوتھی رکعت میں التحیات سے پہلے پڑھنے کی ضرورت نہ ہوگی، پہلی رکعت پوری کر کے جب دوسری رکعت کے لئے اٹھیں تو قرأت سے پہلے پندرہ مرتبہ پھر قرأت کے بعد رکوع سے پہلے دس مرتبہ، اس طرح چار رکعتیں پڑھنا ہے، دونوں طریقوں میں سے جس طریقہ کے مطابق پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

اس رات کی خصوصیت:

تو بھائیو! یہ رحمت کی رات ہے، اس رات کی خصوصیت یہ ہے کہ رحمت کا نزول اور اللہ پاک کی طرف سے مانگنے والوں کے لئے عطاؤں کا اعلان غروب آفتاب کے بعد ہی سے شروع ہوجاتا ہے اور یہ اعلان پورے سال روزانہ رات کے آخری حصہ میں بھی ہوتا ہے مگر اس رات میں غروب کے بعد ہی سے شروع ہوجاتا ہے، اعلان ہوتا ہے: "**هل من مستغفر فاغفر له**" [ہے کوئی مغفرت کا طالب کہ میں اس کی مغفرت کردوں] "**هل من مسترزق فارزقه**" [ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق عطا کردوں] "**هل من مبتلى فاعافيه**" [ہے کوئی مصیبت زدہ کہ میں اس کی مصیبت دور کردوں اور وہ عافیت طلب کرے اور میں اس کو عافیت دے دوں] کیا ہے کوئی ایسا؟ کیا ہے کوئی ایسا؟ رات بھر اسی طرح رحمت کا دریا بہتا رہتا ہے، پوری رات کسی بھی وقت کھڑے ہوجاؤ خالی ہاتھ نہ جاؤ گے، یہاں تک کہ صبح صادق ہوجائے۔

تو دوستو! آج کی رات کو ہم غنیمت سمجھیں، اپنے گناہوں پر اللہ پاک سے صدق دل سے توبہ کریں، ہم تو بہت گنہگار ہیں، چلتے پھرتے گناہ کرتے رہتے ہیں، تو ہم توبہ کریں۔

جیسا گناہ ویسی توبہ:

اور توبہ کس طرح کریں؟ تو فرمایا جیسا گناہ ویسی توبہ، اگر کسی کو ہم نے سب کے سامنے ذلیل کیا ہے تو سب کے سامنے اس سے معافی مانگیں، اگر کسی کا مال لے لیا ہے تو اس کا مال واپس کریں، خالی توبہ توبہ کرلیں تو یہ کافی نہ ہوگا، جو مال لیا ہے اور جو حق دبایا ہے وہ ادا کرنا ہوگا، اسی طرح اگر نمازیں قضا ہوگئی ہیں تو نمازوں کی قضا کریں، روزے چھوٹ گئے ہیں ان کی قضا کریں، توبہ کرنے سے نماز قضا کرنے، روزہ قضا کرنے کا جو گناہ ہوا ہے وہ ان شاء اللہ معاف ہوجائے گا مگر نماز، روزہ کی قضا کرنا ہوگی۔

مثال کے طور پر اگر کوئی حکومت کا جرم کرلے اور اس جرم کی وجہ سے اس پر مثلاً دس ہزار پاؤنڈ کا جرمانہ ہوا، اب وہ کورٹ میں جا کر کہے کہ میں دس ہزار ایک ساتھ نہیں دے سکتا، مجھے مہلت دی جائے تو اسے مہلت دے دی جاتی ہے مگر دس ہزار تو بہر حال ادا کرنا ہوتے ہیں۔

تو آج کی رات ہم سچی توبہ کریں، توبۃً نصوحا جسے کہا جاتا ہے کہ آدمی کو ندامت ہو، شرمندگی ہو، افسوس ہو، مثال کے طور پر کسی کو چوری کی عادت ہو تو اولاً چوری چھوڑ دے اور پھر دل میں سچی ندامت ہو اور آئندہ کے لئے اس گناہ کو چھوڑنے کا پکا ارادہ ہو، عزم بالجزم ہو اور جن جن کا مال چوری کیا ہے ان کو مال بھی واپس کردے، استعمال کرلیا ہو تو اس کی قیمت ادا کردے یا یہ کہ اس سے معاف کرالے یا کچھ دے دلا کر صلح کی شکل اختیار کرے، بہر حال حقوق العباد ہونے کی وجہ سے سب کا حق بھی ادا کردے، اسی طرح جو گناہ بھی ہو اس پر اسی طرح سے توبہ کرے اور اگر گناہ کا تعلق حقوق اللہ سے ہو تو اس وقت

توبہ کی تین شرطیں ہیں، اور اگر حقوق العباد سے ہے تو چار شرطیں ہیں۔

توبہ کی شرطیں:

اللہ کے حقوق میں پہلی شرط یہ ہے کہ اس گناہ سے الگ ہوجائے۔

ان يقلع عن المعصية.

یہ نہیں کہ گناہ بھی کرتا جارہا ہے اور توبہ توبہ بھی کررہا ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ اس پر دل سے ندامت ہو۔

ان يندم عليها.

اور ندامت کی حقیقت یہ ہے کہ دل میں دکھن اور غم پیدا ہوجائے کہ ہائے میں نے کیسی غلط حرکت کرڈالی، اپنے محسن اور پالنے والے، کروڑہا نعمتوں کے عطا کرنے والے مالک کی نافرمانی کرڈالی، دل میں غم پیدا ہوجائے، شرمندگی ہوجائے تو اس کو ندامت کہتے ہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ

ان يغرم عزما جازما ان لا يعود اليها.

پختہ عزم کرے کہ یا اللہ اب یہ گناہ نہیں کروں گا، یہ تین شرطیں حقو اللہ سے متعلق گناہ کی ہیں اور حق العبد ہو تو بندے کا حق بھی ادا کردے یا معاف کرائے اور وہ دل سے معاف کردے تب وہ گناہ معاف ہوگا۔

توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے:

اس کے بعد اگر خدانخواستہ پھر سے وہ گناہ ہوجائے تو دوبارہ توبہ کرے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم گناہ کر کے توبہ کرتے کرتے تھک جاؤ گے لیکن اللہ

تعالیٰ معاف کرنے سے نہیں تھکیں گے، جنت کے آٹھ دروازے ہیں، سات دروازے بند ہوتے ہیں لیکن توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اللہ پاک اتنا غفار اور رحیم ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سو رحمتیں ہیں:

اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے، میں آپ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے متعلق بھی سنانا چاہتا تھا مگر وقت بہت ہو چکا ہے، صرف ایک حدیث آپ کو سنا دیتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان للّٰه مائة رحمة

[اللہ کی اصول رحمت سو ہیں]

انزل منها رحمة واحدة

اللہ نے ان میں سے ایک رحمت دنیا میں نازل فرمائی اور اس ایک رحمت کو پوری مخلوق میں تقسیم فرمایا۔ انسان، جنات، درندے، سمندر میں رہنے والی مخلوق سب کو ایک رحمت تقسیم کی، سب کو اس رحمت میں سے حصہ ملا ہے، کتنا کتنا ملا ہوگا؟ ذرہ، ذرہ۔ فرمایا:

انزل منها رحمة واحدة بين الجن والانس والبهائم والهوام

اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فبها يتعاطفون وبها يتراحمون وبها تعطف الوحش على ولدها

فرمایا: اس ایک رحمت میں سے جو حصہ ان کو ملا ہے اس کا نتیجہ ہے کہ درندہ جس کا کام ہی پھاڑ کھانا ہے لیکن وہ بھی اپنے بچہ پر رحم کرتا ہے، ایک سانپ بھی اپنے بچہ سے محبت کرتا ہے، ایک بچھو بھی اپنے بچہ سے محبت کرتا ہے، اس پر رحم کرتا ہے کیونکہ جو حصہ اس

کو رحمت کے ایک حصہ کی تقسیم سے ملا ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے۔اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

واخر اللّٰہ تسعا وتسعین رحمة

[اور اللہ نے ننانوے (حصے) رحمتیں اپنے پاس رکھی ہیں۔]

ترحم بها عباده یوم القیٰمة

[اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں پر ننانوے رحمتیں نچھاور کرے گا۔]

یہ بخاری شریف و مسلم شریف اور مشکوۃ شریف ص:۲۷۰ کی روایت ہے۔تو اللہ کی رحمت بے پایاں ہے اور ہماری سعادت مندی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو رحیم اور اللہ کے رسول جو ہمیں ملے ہیں وہ بھی رحیم ہیں، اللہ پاک نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ (البقرة: ۱۴۳)

[بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت ہی شفیق (اور نہایت) رحم کرنے والا ہے۔]

اور اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ارشاد فرمایا:

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَؤُوْفٌ رَّحِيْمٌ (التوبه: ۱۲۸)

[رسول صلی اللہ علیہ وسلم مؤمنین پر بہت ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔]

یارب تو کریم ورسول تو کریم
صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

یارب آپ بھی کریم ہیں اور آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کریم ہیں، اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہم دو کریم کے درمیان ہیں، اللہ پاک کی رحمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایئے جو آپ کی خدمت میں پہلے بھی عرض کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید نازل فرمایا اور حکم فرمایا کہ یہ قرآن عربی لغت پر آپ تلاوت کیجئے، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! قرآن مجید سات لہجوں میں پڑھنے کی اجازت عطا فرما دیجئے، اللہ پاک سے دعا مانگتے رہے، مانگتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: دو لہجوں میں پڑھنے کی اجازت ہے، دو لغت میں قرآن کی تلاوت کی اجازت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست فرمائی کہ یا اللہ! سات لہجوں میں تلاوت کی اجازت عطا فرما دیجئے، اللہ نے فرمایا: اچھا تین تین لہجوں میں تلاوت کی اجازت ہے، اس کے بعد بھی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مانگتے رہے، مانگتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جاؤ ہم نے آپ کی دعا قبول کر لی، سات لہجوں میں قرآن مجید کی تلاوت کرو، اسی کو فرمایا: "**انزل علی سبعة احرف**" [قرآن کریم سات لغات پر نازل ہوا ہے۔] سب کے لئے قرآن کی تلاوت کرنا آسان ہو گیا۔ اور اللہ پاک کو ایسا رحم آیا۔

جو کسی پر رحم کرتا ہے اللہ کو اس پر بہت پیار آتا ہے:

اور یہ طے شدہ بات ہے کہ جو کسی پر رحم کرتا ہے، کسی بھی مخلوق پر شفقت کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کو اس پر رحم آتا ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

[تم رحم کرو زمین والوں پر تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔]

اس حدیث کے ترجمہ کو کسی نے شعر میں کیا خوب پرو دیا ہے، فرمایا ـــــــ:

تم رحم کرو اہل زمیں پر

خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

آپ حضرات نے ایک واقعہ سنا ہوگا کہ ایک فاحشہ عورت تھی، اپنے کوٹھے سے نکل کر جارہی تھی، دیکھا کتا پیاس سے مر رہا ہے، زبان نکالے ہوئے ہے، مائی کو اس کتے پر رحم آیا، جوراب کو نکالا اور اپنے دوپٹے سے باندھا، کنویں میں ڈالا، پانی نکالا، کتے پہ ڈالا، اس کو پلایا، اللہ کی رحمت جوش میں آئی او اللہ نے اس فاحشہ کی مغفرت فرمادی، تو جو کسی پر بھی رحم کرتا ہے اللہ کو اس پر بے حد پیار آتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے امت پر آسانی اور ترحم کے خاطر اللہ پاک سے دعا مانگی کہ اے اللہ! سات لہجوں میں قرآن پڑھنے کی اجازت عطا فرمادیجئے، تو اللہ کتنا خوش ہوا ہوگا کہ میں اپنے بندوں پر رحم کرنے والا ہوں تم بھی اپنی امت پر اس قدر رحم کرنے والے ہو کہ تم مانگتے رہے، مانگتے رہے، مانگتے رہے یہاں تک کہ ہم نے تم کو سات لہجوں پر قرآن پڑھنے کی اجازت دے دی، ہم کو تمہاری یہ ادا اتنی پسند آئی کہ ہم آپ کی تین دعا قبول فرمائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت:

میں سات لہجے والی حدیث بیان کررہا تھا کہ اللہ کو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا ایسی پسند آئی کہ اللہ پاک نے آپ کو تین مقبول دعائیں عطا فرمائیں، دعا کا ڈھنگ اور طریقہ بھی آنا چاہئے، ہم اور آپ تو یہ دعا مانگیں گے کہ یا اللہ! کار بہت پرانی ہوگئی ہے، نئی دلا دے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کیا تھی؟ تین تین مہینے تک چولہا نہیں جلتا تھا، حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اپنے ہاتھ سے چکی پیستی تھیں، ہتھیلیوں میں گٹے پڑ جاتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر کیا تھا؟ کھجور کی چھال کا بچھونا تھا____:

معراج کی وہ رات آئی عفو وکرم کی وہ بات آئی
جبرئیل امین ہے سر پہ کھڑے اور اللہ کا مہمان سوتا ہے
شاہِ حجاز و ملکِ عرب اس پر تواضعِ شاہِ امم
بستر ہے کھجوروں کی چھالوں کا اور ختم رسولاں سوتا ہے

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر مبارک میں تو بستر بھی نہ ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا آپ کی تین دعائیں مقبول ہیں، آپ مانگ لو۔

اب دیکھئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا دعا مانگی؟ اپنی امت کو یاد رکھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت پر شفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما رہے ہیں، نزع کا عالم ہے مگر زبان مبارک پر یارب امتی ہے ____:

نزع میں احساس کا عالم یاد جو آئی امت عاصی
چشم مبارک ہوگئی پرنم صلی اللہ علیہ وسلم
راہ میں جس نے کانٹے بچھائے گالیاں دیں پتھر برسائے
اس پر چھڑکی پیار کی شبنم صلی اللہ علیہ وسلم
اللہ اللہ روز قیامت سب کی زبان پر نفسی نفسی
چھوڑ کے دامن جائیں کہاں ہم صلی اللہ علیہ وسلم

تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین مقبول دعائیں عطا ہوئیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین مقبول دعائیں:

دعا کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک اٹھائے اور دعا فرمائی۔

اللھم اغفر لامتی

[اے اللہ میری امت کو بخش دے] ایک دعا اپنی امت کے لئے مانگ لی، دوسری دعا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے مانگ سکتے تھے مگر دوبارہ پھر یہی دعا فرمائی:

اللھم اغفر لامتی

اور فرمایا تیسری دعا کو میں جمع رکھتا ہوں قیامت کے دن تیسری دعا اپنی امت کے لئے مانگوں گا۔

ہماری بدحالی:

میرے دوستو! اپنی شادیوں کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو ہم دھکے دے رہے ہیں، گھروں میں سے دھکا دے رہے ہیں، بزنس اور تجارت میں سے دھکا دے رہے ہیں، ہماری خوشیوں میں، غمی میں ناچ گانے کرائے جاتے ہیں، کیا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ جن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ہر وقت یاد کیا، کیا آج ہم اپنی شادیوں میں غمی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو یاد کرتے ہیں یا آپ کی سنتوں کو فٹ بال بناتے ہیں؟ افسوس! جس ذات نے اپنی امت کے لئے اس قدر مانگا آج ہم اپنی شادیوں میں سب کو خوش کررہے ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض کررہے ہیں اللہ پاک کو ناراض کررہے ہیں۔

ہم ارادہ کریں:

تو آج اس مبارک رات میں توبہ کریں، ہم اس وقت مسجد میں ہیں، اللہ کے گھر میں ہیں، سچے دل سے توبہ کریں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بیٹا دیا ہے، بیٹی دی ہے، مال

ودولت دی ہے، شادی کا موقع آتا ہے، ہم عہد کریں کہ سنت کے مطابق ان شاء اللہ نکاح کریں گے، ناچ گانوں اور ویڈیو وغیرہ سے مکمل پرہیز کریں گے، اللہ پاک نے مال عطا فرمایا ہے، اپنی حیثیت کے مطابق ولیمہ کریں، ولیمہ سنت ہے مگر اس ولیمہ میں بھی غرباء کو ضرور یاد کریں، انڈیا، پاکستان، بنگلہ دیش میں کتنے غرباء ہیں، اپنے رشتہ داروں کو یاد کریں، تو بتلائیے آپ سب حضرات اپنے بیٹے وبیٹیاں، پوتے نواسے وغیرہ کی شادی سنت کے مطابق کریں گے، اس کا ارادہ کرتے ہیں (مجمع سے آواز آئی، ان شاء اللہ) اللہ قبول فرمائے اور توفیق عطا فرمائے۔

ایک بات یاد رکھیں:

اور میرے دوستو! ایک بات یاد رکھیں، آپ کچھ بھی کرلیں، عمدہ سے عمدہ شاندار دعوت کردیں، فائیو اسٹار (Five Star) ہوٹل میں کھلائیں، دس آئٹم رکھ دیں لیکن دنیا والوں کی زبانوں کو آپ بند نہیں کرسکیں گے، چنانچہ ایک شخص نے بڑی شاندار دعوت کی اور واپسی میں ہر ایک کو پیسے بھی دئے اور اپنے آدمیوں کو کہا کہ چھپ کر ان لوگوں کی باتیں سننا، وہ سمجھ رہا تھا کہ میری بڑی واہ واہ ہوگی مگر کسی نے کہا بریانی بڑی اچھی تھی؛ مگر اس میں گوشت کچا تھا، کسی نے کہا گوشت کم تھا، کسی نے کچھ کہا، کسی نے کچھ اور کہا۔ تو تعریف کیا ہوتی اس نے تو یہی سنا کہ لوگ عیب نکال رہے ہیں، دیکھ لیا آپ نے آپ دنیا والوں کی زبان بند نہیں کرسکتے اس لئے بھائیو! میری بات نوٹ کرلو ایک زمانہ تھا کہ لوگ کھلا کر خوش ہوتے تھے اب لوگوں کی یہ حالت ہے کہ کھا کر بھی خوش نہیں ہوتے الا ماشاء اللہ۔ اس لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ ہم سنت کے مطابق ولیمہ کریں، سیدھا سادا ولیمہ کریں اور

فضول خرچی سے بچیں اور یہی پیسے کسی غریب کو دے دیں کہ اس سے بزنس کرلو، اپنے گھر کا انتظام کرلو، اپنے بیٹے بیٹی کو دے دو آئندہ زندگی میں ان کو کام آئے گا، فضول خرچی سے کیا فائدہ؟ بس اب ایک شعر پر اپنی بات ختم کرتا ہوں______:

لوگ سمجھیں مجھے محروم وقار و تمکین
وہ نہ سمجھیں کہ میری بزم کے قابل نہ رہا

تو لوگ ہمیں کچھ بھی سمجھ لیں لیکن ہمیں تو بس یہ فکر رہنا چاہئے کہ ہم اللہ پاک کی نظر میں قابل بن جائیں، اللہ ہم سے راضی ہو جائے، اللہ کو راضی کرنے کی فکر رہے، اللہ پاک ہم سب کو اپنی رضا اور عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

۹

تقویٰ کی حقیقت اور اس کے ثمرات

(قسط اول)

لغت میں تقویٰ کا معنی ہے بچنا، اجتناب کرنا۔ کس چیز سے بچنا؟ کس چیز سے اجتناب کرنا؟ گناہوں سے بچنا، جن باتوں کے ارتکاب سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے ان تمام باتوں سے اجتناب کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ اس میں سب چیزیں آگئیں چاہے وہ نافرمانی عبادات کی قبیل سے ہو یا معاملات کی قبیل سے ہو، چاہے وہ نافرمانی معاشرہ کی قبیل سے ہو یا معاش کی قبیل سے ہو، چاہے وہ نافرمانی کھانے پینے کی قبیل سے ہو یا پہننے اوڑھنے اور لباس کی قبیل سے ہو، ہر بات میں یہ خیال کرنا کہ کہیں مجھ سے پیش آمدہ امر میں اللہ کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی۔

نیز وہ تمام اوامر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بندوں پر ضروری کئے ہیں ان کا ادا نہ کرنا بھی معصیت ہے، اس لئے تقویٰ کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام اوامر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بندوں پر ضروری کئے ہیں ان کو بجالانا اور ہر اس چیز سے بچنا جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک پسندیدہ نہیں، یہ تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ کی اصطلاحی تعریف ہے۔

﴿ ۹ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقویٰ کی حقیقت اوراس کے ثمرات

(قسط اول)

اَلۡـحَـمۡـدُ لـلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَـعُـوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَـنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیّـدَنَـاوَ شَـفِیۡـعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبارَکَ وَتَـعَـالٰی عَـلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ٥ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

یٰاَیُّھَـا الَّـذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلۡتَنۡظُرۡ نَفۡسٌ مَّا قَدَّمَتۡ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ. (الحشر: ۱۸)

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر شخص دیکھ بھال لے کہ کل (قیامت) کے واسطے اس نے کیا ذخیرہ بھیجا ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ کو تمہارے اعمال کی سب خبر ہے۔]

وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اتق المحارم تکن اعبدالناس. او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

(مرقات:۹/۳٦٧)

[اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمام منہیات سے بچو، تم لوگوں میں سب سے زیادہ عبادت گزار بن جاؤ گے۔]

صدق الله مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم و نحن علی ذلك لمن الشاهدین و الشاکرین و الحمد للّٰه رب العالمین۔

وہی طاعت حق ہے وہی مقصد دین ہے
جو راستہ کہ نقش قدم پہ تیرے بنایا گیا ہو

صراط مستقیم اور دین حق پر وہی لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے، وہی راستہ اور وہی طریقہ حقیقت میں صراط مستقیم ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وخلفاء راشدین اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین تھے۔

عمل کی نیت سے سننا:

بزرگو اور عزیز دوستو! یہ آیت سورۂ حشر کی ہے جو اس وقت میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہے، ان شاء اللہ اس کا مفہوم اور مطلب اور اس سے متعلق کچھ تفصیلات پیش کرنے کی کوشش کروں گا، اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے اور ایسی باتیں زبان پر جاری فرمائے جو ہم سب کے لئے مفید و نافع ہو اور ہدایت کا ذریعہ بنے اور اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کی مغفرت اور نجات فرمائے۔ آمین۔

باتیں تو وہی پرانی ہوں گی جو آپ حضرات اپنے امام صاحب اور دیگر علماء کرام سے سنتے رہتے ہیں لیکن ایک بات ذہن نشین کرلیں کہ ہم اور آپ یہ نیت کر کے بیٹھیں بلکہ ہر دینی مجلس میں یہی نیت کر کے شرکت فرمایا کریں کہ جو باتیں ہم سنیں اگر ان پر ہمارا

عمل ہے تو ہم اس پر الحمدللہ کہیں، اللہ پاک کا شکر ادا کریں کہ اللہ نے اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے تو اللہ تعالیٰ اور زیادہ توفیق عطا فرمائیں گے:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (الابراهیم: ۷)

[اگر تم شکرگزاری کروگے تو میں تم پر اپنی نعمتوں کو اور بڑھاؤں گا۔]

اور اگر عمل نہیں ہے تو ہم سب یہ نیت کریں کہ ان شاء اللہ آج سے اور ابھی سے ہم اس پر عمل کریں گے۔

بیان کا مقصد:

بقول حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھلیوی رحمہ اللہ کہ بیان کا اصل مقصد عمل کرنا ہے 'واہ واہ' کرنا نہیں۔ آج کل ہماری طبیعت ایسی ہو چکی ہے کہ جیسے زبان کے چٹکھارے ہوتے ہیں ایسے کان کے بھی چٹکھارے ہوتے ہیں، ہمیں کان کا چٹکھارا ہو گیا ہے، کہ بیان جوشیلہ ہو، سریلی آواز میں دو چار اشعار پڑھ دئے، تو ہم کہتے ہیں کہ بیان بہت اچھا تھا، لیکن بیان کرنے والے کی باتوں کی طرف ہمارا دھیان نہیں جاتا، بیان میں کہی گئی باتوں سے ہم عبرت حاصل نہیں کرتے، ہم دیکھتے ہیں کہ وعظ کہنے والے کی آواز کیسی ہے؟ گلا کیسا ہے؟ تو ''گلے'' سے ''گلہ'' نہیں ہے، اگر آواز اچھی ہے، اشعار سنا دئے، ذرا ترنم سے بیان کیا تو واہ واہ کرتے ہیں، ہمیں ''واہ واہ'' کی ضرورت نہیں، ہمیں تو ''آہ آہ'' کی ضرورت ہے کہ سن کر ہمارے دل میں کچھ تڑپ پیدا ہو جائے۔

سننے والوں کی مختلف نیتیں ہوتی ہیں، ایک نیت یہ ہوتی ہے کہ لوگ بیٹھے ہیں، چلو ہم بھی بیٹھ جاتے ہیں، ان شاء اللہ یہ بیٹھنا بھی ثواب سے خالی نہیں۔ بعض کی نیت

فضیلت حاصل کرنا ہوتی ہے، یہ نیت بھی اچھی ہے، مبارک ہے۔بعض کی نیت ہوتی ہے ''امتحان لینا'' کہ دیکھیں بیان کرنے والے یہ صاحب کتنے پانی میں ہے، یہ نیت ''بری نیت'' ہے۔

سب سے بہترین نیت یہ ہے کہ ہم سب یہ نیت کریں کہ ہم جو بات بھی سنیں گے اس پر عمل کریں گے، اور اس کو دوسروں تک پہنچائیں گے۔عمل کی نیت سے جو سنتا ہے اس کی توجہ بھی سننے کی طرف ہوتی ہے۔اس کو ایک مثال سے سمجھاؤں، آپ کے گھر میں ایک ملازم کام کرنے والا ہے، بازار سے سودا وغیرہ لاتا ہے، آپ کے گھر مہمان آگئے، آپ نے اس کو کہا کہ بھائی! بازار جاؤ اور فلاں فلاں سامان مثلاً گوشت، مرچ، ادرک وغیرہ وغیرہ لے آؤ، تھوڑی دیر کے بعد مہمان سے پوچھو کہ میزبان نے کیا کیا منگوایا؟ وہ تفصیل نہیں بتلا سکے گا، اور اس خادم سے پوچھو کہ میزبان نے کیا کیا سودا منگوایا؟ تو وہ خادم تفصیل سے تمام چیزیں بتلا دیگا۔ دونوں میں فرق کیوں ہوا؟ وجہ یہی تھی کہ مہمان کو اس پر عمل نہیں کرنا ہے تو توجہ سے نہیں سنا اور اس خادم کو عمل کرنا ہے، سامان لا کر دینا ہے اس لئے وہ توجہ سے سنتا ہے۔

اسی طرح اگر ہم عمل کی نیت سے سنیں گے تو جسم کے ساتھ دل و دماغ بھی حاضر رہے گا اور اگر عمل کا قصد نہیں ہے تو پھر ہمارا جسم تو یہاں ہوگا مگر دل و دماغ بازار میں یا کسی اور جگہ ہوگا۔لہذا یہ نیت کرلو کہ ان شاء اللہ یہاں جو بھی دینی باتیں سنیں گے اس پر ہم عمل کریں گے بلکہ ہر دینی مجلس میں یہی نیت کر کے شرکت کیا کرو تو ہماری اس نیت کی وجہ سے ان شاء اللہ، اللہ پاک ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائیں گے۔

﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ بڑا پیارا خطاب ہے:

بزرگو اور دوستو! جو آیت میں نے تلاوت کی ہے اس میں سب سے پہلی چیز جو اللہ پاک نے ارشاد فرمائی وہ ہے: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ [اے ایمان والو!] اس خطاب پر آپ نے غور فرمایا، اللہ رب العزت نے جب ''اے ایمان والو!'' فرمایا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک مجھ کو اور آپ تمام کو ڈائرکٹ خطاب کر رہا ہے اور خطاب بھی بڑے پیارے انداز میں فرمایا، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب قرآن میں کہیں بھی ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب ہوتا ہے تو میں اپنے کانوں کو چوکنا کر لیتا ہوں اس لئے کہ یہ پیارا خطاب صرف ایمان والوں سے کیا ہے، اگلی امتوں کو ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے خطاب نہیں کیا۔ اگلی امتیں مثلاً بنی اسرائیل سے اگر خطاب فرماتے تو اس طرح خطاب فرماتے ''یٰاَیُّھَا الْمَسَاکِیْنُ'' [اے مسکینو!] ہماری بات سنو، لیکن ہمیں خطاب فرمایا ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ یہ بڑا پیارا انداز خطاب ہے۔

مفسرین کرام نے اس بات کو اس طرح سمجھایا ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو نام لے کر خطاب کر کے کہے کہ خالد! میری بات سنو، عبداللہ! یہ کام کرو، شاہد! پانی لاؤ، اس میں وہ لطف نہیں جو اس میں ہے کہ یوں کہے ''بیٹا! ذرا یہ کام کرو۔'' بیٹے کے لفظ میں جو پیار ہے وہ نام لینے میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو ماں باپ کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔ حقیقت میں ماں باپ ایک ایسی نعمت ہے جو زندگی میں فقط ایک ہی مرتبہ حاصل ہوتی ہے، ماں باپ کا سایہ بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھنے کی

توفیق عطافرمائے۔

تومیں آپ سے یہ عرض کررہاتھا کہ اپنے بیٹے کونام لے کرخطاب کرنے میں وہ لطف وپیارنہیں جو بیٹا کہہ کرخطاب کرنے میں ہے،تو ''بیٹا'' کہہ کر پکارنا یہ پیار کا انداز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کچھ رشتے بھی ایسے بنائے ہیں اور کچھ نام بھی ایسے بنائے ہیں کہ ان الفاظ میں پیار ہے، ماں غصہ میں اپنی بچی کو ماررہی ہے اور بچی ''ماں ماں'' کہہ کر پکار رہی ہے کہ امی جان!اب ایسانہیں کروں گی تو ماں کا ہاتھ مار سے رک جاتا ہے،تو ماں کے لفظ میں اتنا پیار ہے کہ ماں کے لفظ پر ہر ماں کا ہاتھ مار سے رک جاتا ہے۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے محدث گذرے ہیں، پہلے ہندوستان میں تھے، جب پاکستان بنا تو پاکستان تشریف لے گئے پاکستان میں کوئی ان کو حضرت کہتا کوئی شیخ الاسلام کہتا وغیرہ وغیرہ۔ بڑے بڑے القاب سے ان کو خطاب کیا جاتا تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ کراچی آنے کی دوغرض ہوتی تھیں ایک مفتی محمد شفیع صاحبؒ سے ملاقات اور نمبر دو مفتی محمد شفیع صاحب کی والدہ جو میری ممانی ہوتی تھیں ان کی خیر خبر لینا۔ وہ مجھے بیٹا کہہ کر آواز دیتی تھیں، یہ لفظ مجھے بڑا پیارا لگتا، یہ لفظ سننے کے لئے سفر کرکے کراچی آیا کرتا تھا،تو اسی طرح آپ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ مؤمنین کو قرآن میں خطاب کرتا ہے: ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یہ ایسا پیارا لفظ ہے جیسا کہ مشفق ماں باپ اپنے بچے کو ''اے میرا بیٹا، اے میری بیٹی'' کہہ کر خطاب کرتے ہیں، یہ بھی ویسا ہی پیارا خطاب ہے۔

تقویٰ اور اس کی حقیقت:

اس کے بعد ارشاد فرمایا: ﴿اِتَّقُوا اللّٰہَ﴾ [اللہ سے ڈرو۔] تقویٰ کی اضافت جب اللہ تعالیٰ کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا معنی ہوتا ہے ''ڈرنا''، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے سے ڈرتے رہنا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اپنی ذات سے ڈرایا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا ڈرانا ایسا نہیں ہے جیسا ہم دشمن سے ڈرتے ہیں، سانپ سے ڈرتے ہیں، بچھو سے ڈرتے ہیں، آگ سے ڈرتے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا ڈرانا رحمت وشفقت کے ساتھ ہے کہ ان چیزوں سے بچو تا کہ تم کو جنت ملے اور جنت میں میرا دیدار اور رضامندی تم کو عطا کروں۔

قیامت وجہنم سے ڈرانا بھی نعمت ہے:

آپ نے کبھی قرآن کریم کی اس آیت میں غور کیا ہے:

فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ.

[سوا ے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کے منکر ہو جاؤ گے۔]

سورۂ رحمٰن میں یہ آیت ہے۔ اس سورت کو عروس القرآن (قرآن کی دلہن) کہا گیا ہے، کیونکہ اس کو ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ سے سجایا گیا ہے، اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کہ [اے انسانو اور جناتو! تم میری کون کون سی نعمتوں کو ٹھکراؤ گے اور انکار کرو گے۔]

اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں بہت سی نعمتیں ذکر کی ہیں، اور ہر نعمت کے بعد ﴿فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ فرمایا ہے، یہ تو سمجھ میں آنے والی بات ہے، لیکن

دوسرے رکوع میں عذاب کا ذکر کیا ہے، وہاں بھی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ذکر کیا اور کہیں قیامت کا ذکر کیا ہے تو اس کے بعد بھی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ کا ذکر کیا، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاِذَا انْشَقَّتِ السَّمَاءُ فَكَانَتْ وَرْدَةً كَالدِّهَانِ.

[جب آسمان پھٹ جائے گا اور ایسا سرخ ہو جائے گا جیسے سرخ چمڑا۔]

اس آیت میں قیامت کا تذکرہ ہے، اس کے بعد بھی ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ ذکر کیا ہے۔ اس کے بعد ہے:

فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖۤ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ.

[اس دن یعنی قیامت کے دن کسی انسان یا جنات کو اس کے گناہ کے بارے میں پوچھیں گے نہیں، جب ہمارے سامنے پیشی ہو گی۔]

یہ بظاہر نعمت نہیں ہے پھر بھی اس کے بعد ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ﴾ کا ذکر فرمایا۔ کیوں نہیں پوچھیں گے؟ اس دن ہم مجرموں کو ان کے چہرے سے پہنچان لیں گے:

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِىْ وَالْاَقْدَامِ.

[ہم مجرموں کو ان کے چہروں سے پہچان لیں گے کہ دنیا میں کیا کیا کر کے آئے ہیں، پس انہیں سر کے بالوں سے اور پاؤں سے پکڑ لیا جائے گا۔]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سر کے بالوں کو پیر میں باندھ دیں گے اور پکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اور بعض مفسرین نے فرمایا کہ کسی کو سر کے

بال سے پکڑ کر گھسیٹا جائے گا، کسی کو ٹانگیں پکڑ کر یا کبھی اس طرح، کبھی اس طرح لیکن آگے پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ﴾ اب یہاں بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ کہتا ہے اے جن وانس! تم میری کون کون سی نعمتوں کو ٹھکراؤ گے؟

تو بات یہ ہے کہ یہ انداز ہے، ڈرانا ہے شفقت کے ساتھ کہ اے میرے بندو! تم دنیا سے ایسے اعمال کر کے نہ آنا کہ کل قیامت کے دن تمہارے سر کے بال پکڑ کر یا پیر پکڑ کر جہنم میں ڈال دئے جاؤ، ایسے اعمال کر کے مت آنا، تو بتلایئے جہنم سے بچ جانا نعمت ہے یا نہیں؟ بہت بڑی نعمت ہے تو یہاں بظاہر ڈرایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ ڈرانا شفقت کے ساتھ ہے۔ جیسے باپ اپنے بیٹے کو یا استاذ شاگرد کو کہے اگر تم یہ حرکت کرو گے تو تمہاری پٹائی ہوگی، تو بظاہر یہ ڈرانا ہے مگر حقیقت میں اس کو بری حرکت سے اور اس کے بعد مار سے اس کو بچانا ہے اور محفوظ رکھنا ہے۔

سب سے پہلے تقویٰ کی وصیت، سلف صالحین کا طریقہ:

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ﴾ یہ آیت آج میں نے اس لئے منتخب کی کہ ہمارے سلف صالحین کا معمول رہا ہے کہ ایک دوسرے کی ملاقات پر تقویٰ کی وصیت فرماتے تھے، " اوصیکم اولا بتقوی اللّٰہ" سب سے پہلے تقویٰ کی وصیت کرتے تھے تاکہ ذہن میں تقویٰ آجائے اور دل ودماغ تقویٰ کی طرف متوجہ ہوجائیں لیکن ہمیں تقویٰ کا مفہوم معلوم نہیں۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ ہمیں تقویٰ کا صحیح مفہوم اور معنی معلوم ہوجائے۔

ہمارے ہندوستان سے ایک حاجی صاحب حج کرنے گئے تھے، ان کے پاس ایک بہت خوب صورت لوٹا تھا، اتفاق سے ایک مرتبہ تھک کر کسی عرب کے مکان کے اوٹلے پر بیٹھ گئے، مکان کا مالک جو عرب تھا وہ آیا، اس نے اپنے دروازے کے پاس حاجی صاحب کو بیٹھا ہوا دیکھا تو اس نے کہا ''یا حاجی رح رح رح'' [بھاگو یہاں سے] وہ حاجی بوڑھا تھکا ہوا تھا۔ اس نے کہا تھوڑی دیر بیٹھنے دو، اس عربی نے کہا اچھا بیٹھو لیکن یہ لوٹا مجھے دے دو۔ وہ بڑا خوبصورت لوٹا تھا اسے پسند آ گیا۔ اب حاجی صاحب کو لوٹا دینا نہیں تھا اور وہاں بیٹھنا بھی تھا، عربی زبان تو اچھی طرح آتی نہیں تھی تو حاجی صاحب نے کہا ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ یہ سن کر اس عربی نے کہا ''معافی معافی'' اس لئے کہ وہ تقویٰ کا مفہوم جانتے تھے، یہ آیت سنی ﴿اِتَّقُوا اللّٰهَ﴾ سنا تو اس عرب کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور فوراً معافی مانگنے لگا۔

حضرت داؤد طائی کی نصیحت:

حضرت داؤد طائیؒ بہت بڑے درجہ کے بزرگ گذرے ہیں، ان سے کسی نے کہا حضرت کچھ نصیحت فرمایئے، انہوں نے لمبی چوڑی تقریر نہیں کی بلکہ فرمایا اتق اللّٰہ، اتق اللّٰہ. [اللہ سے ڈرو، اللہ کا تقویٰ اختیار کرو] بس یہی نصیحت ہے، خدا کرے ہمارے اندر بھی تقویٰ آجائے، میں نے بھی اس آیت کا انتخاب کیا کہ اس مسجد (مسجد ہدایت سورت) میں متقیوں کے ایک شیخ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب جے پوریؒ برسہا برس تک اپنے قول سے اپنے عمل سے تقویٰ کا بیان کرتے رہے، بار بار کرتے رہے۔ اور کوئی

مسلمان اللہ کا ولی بن نہیں سکتا جب تک کہ اس کے اندر تقویٰ نہ ہو، تقویٰ بہت بنیادی چیز ہے، ہر ایک اللہ پاک سے دعا کرے کہ اللہ پاک ہمیں تقویٰ کی دولت نصیب فرمائے؛ آمین۔ جس کو تقویٰ مل گیا اس کا بیڑا پار ہو گیا، ماشاء اللہ، اس کے بڑے فضائل ہیں۔

تقویٰ کا مفہوم:

لغت میں تقوی کا معنی ہے بچنا، اجتناب کرنا۔ کس چیز سے بچنا؟ کس چیز سے اجتناب کرنا؟ گناہوں سے بچنا، جن باتوں کے ارتکاب سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے ان تمام باتوں سے اجتناب کرنے کا نام تقویٰ ہے۔ اس میں سب چیزیں آ گئیں چاہے وہ نافرمانی عبادات کی قبیل سے ہو یا معاملات کی قبیل سے ہو، چاہے وہ نافرمانی معاشرہ کی قبیل سے ہو یا معاش کی قبیل سے ہو، چاہے وہ نافرمانی کھانے پینے کی قبیل سے ہو یا پہننے اوڑھنے اور لباس کی قبیل سے ہو، چاہے وہ نافرمانی کاروبار کی قبیل سے ہو یا رہن سہن کی قبیل سے ہو، ہر بات میں یہ خیال کرنا کہ کہیں مجھ سے پیش آمدہ امر میں اللہ کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی، گھر میں خوشی کا موقعہ آ گیا تو سب سے پہلے یہ خیال کرے کہ اس خوشی کے پروگرام میں اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی، اگر غمی کا موقعہ آ گیا تو بھی اس بات کا خیال رکھنا کہ اس غمی کے موقعہ پر کوئی اللہ یا اس کے رسول کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی ہے، ہر امر میں اس بات کا خیال رہے کہ مجھ سے کہیں اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم تو نہیں ٹوٹ رہا ہے، اس کا نام تقویٰ ہے۔

نیز وہ تمام اوامر جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں پر ضروری

کیئے ہیں ان کا ادا نہ کرنا بھی معصیت ہے، اس لئے تقویٰ کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے کہ تمام اوامر جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بندوں پر ضروری کیئے ہیں ان کو بجالانا اور ہر اس چیز سے بچنا جو اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں، یہ تقویٰ ہے اور یہی تقویٰ کی اصطلاحی تعریف ہے۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:

المتقون اتقوا ما حرم اللّٰه عليهم و ادوا ما فرض اللّٰه عليهم.
(جامع العلوم والحکم: ص: ۱۵۸)

[متقی وہ حضرات ہیں جو محرمات سے بچتے ہوں اور تمام فرائض کو ادا کرتے ہوں۔]

ستر نبی کے برابر عمل بھی کم معلوم ہوں گے:

تقویٰ کی اصطلاحی تعریف تو آپ حضرات کے سمجھ میں آ گئی ہوگی، اس کو ایک مثال سے سمجھا دوں، تا کہ واضح طور پر ہماری سمجھ میں آ جاوے، کہا جاتا ہے:

تمثیل سے تفہیم میں تسہیل ہوتی ہے

تو ایک مثال پیش کرتا ہوں اور مثال بھی صحابی کے قول سے پیش کرتا ہوں:

حضرت کعب بن احبارؓ مسلمان ہوئے، تورات کے حافظ تھے، یہودیوں کے امام تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بہت گہری دوستی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ پاک نے ان کو بہت علم دیا تھا، تورات کے بھی عالم تھے، اسلام قبول کرنے کے بعد دین اسلام کے بھی عالم بن گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان سے کبھی کبھی سوال بھی کیا کرتے تھے اور ان کی باتیں بڑے شوق سے سنتے تھے، ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے کعب! اللہ سے ڈرائیے۔ تو حضرت کعب

ؓ نے فرمایا: اے امیر المؤمنین کیا آپ نے قرآن نہیں پڑھا؟ فرمایا: قرآن تو پڑھا ہے مگر تم سے کچھ سننا چاہتا ہوں تو فرمایا سنو! اے عمر آخرت کے لئے جتنا عمل کر سکتے ہو کرلو، قیامت کے دن ایک شخص ستر نبی کے برابر بھی عمل لے کر آئے گا تو اس کو اپنے اعمال کم معلوم ہوں گے، اس دن کے مقابلہ میں اس کو اپنے اعمال چھوٹے معلوم ہوں گے اور قیامت کے دن ایک ایسی آواز آئے گی کہ وہ آواز سن کر ہر نبی اپنے گھٹنوں کے بل گر جائیں گے اور ہر ایک کی زبان پر ہوگا:

یا رب نفسی یارب نفسی یارب نفسی

اس کے بعد فرمایا جہنم سے ایک سوراخ مشرق کی جانب رائی کے دانہ کے برابر کھول دیا جائے گا جس کی وجہ سے مغرب میں رہنے والا انسان اس کی تپش اور گرمی سے گھل جائیگا۔

کسی موقع پر اللہ کا حکم نہ ٹوٹے، یہی تقویٰ ہے:

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے پوچھا اے کعب! تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گذر ہوا ہوگا جو کانٹو سے پر ہو، حضرت عمرؓ نے فرمایا، کئی بار ہوا ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا، ایسے موقع پر آپ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لیا اور نہایت احتیاط سے بچتا بچاتا چلا، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے اس لئے دنیا میں اس طرح چلنا اور زندگی گذارنا چاہئے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ الجھے، اسی کا نام تقویٰ ہے، اور یہی تقویٰ والی زندگی ہے۔

تقویٰ کے بغیر ولایت ممکن نہیں:

اور کسی ولی کو بلا تقویٰ ولایت نہیں مل سکتی، اس لئے قرآن مجید میں فرمایا:

اِنْ اَوْلِيَاؤُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ (الانفال: ۳۴)

اس آیت کی بعض حضرات نے یہ تفسیر کی ہے کہ اللہ کے ولی صرف متقی اور پرہیزگار لوگ ہی ہو سکتے ہیں۔

(معارف القرآن ۴/ ۲۲۹)

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. لَهُمُ الْبُشْرٰى فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ

(الیونس: ۶۲، ۶۳، ۶۴)

[یاد رکھو اولیاء اللہ کو نہ کسی ناگوار چیز کے پیش آنے کا خطرہ ہوگا اور نہ کسی مقصد کے فوت ہو جانے کا غم ہوگا اور اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کی، ان کے لئے دنیا میں بھی خوشخبری ہے اور آخرت میں بھی۔]

(معارف القرآن ۴/ ۵۴۶)

اب ذرا ہم اپنا بھی جائزہ لیں، ہم اپنے آپ کو متقی سمجھتے ہیں، اور تقویٰ کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز سمجھتے ہیں، الحمد للہ ہماری نمازیں وقت پر ہو رہی ہیں، یہ اللہ کا بڑا احسان ہے، روزے اور دیگر عبادات بھی حسن و خوبی کے ساتھ ہو رہے ہیں یہ بھی اللہ کا بڑا احسان ہے، لیکن کیا ہم ان عبادات کے ساتھ ان باتوں سے بھی بچتے ہیں جن سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے منع فرمایا ہے؟ اگر نہیں بچتے تو ہمارے اندر تقویٰ نہیں ہے۔ کیا ہمارا ہمارے عزیز

واقارب کے ساتھ معاملہ صحیح ہے؟ کیا ہم کاروبار میں اس بات کا خیال کرتے ہیں کہ کوئی اللہ کو ناراض کرنے والی بات پیش نہ آوے، اگر نہیں کرتے تو ہمارے اندر تقویٰ نہیں ہے۔ کیا ہماری شادی بیاہ ناچ گانے اور لہو ولعب کے بغیر ہوتی ہے؟ شادی بیاہ میں ناچ گانے، کھیل تماشے کرنا جائز نہیں ہے، یہ امور ممنوع ہیں، لمبے لمبے جبے اور عبا، قبا اور عمامہ پہننے کا نام تقویٰ نہیں ہے، یہ لباس پہننا اچھی بات ہے، فضیلت کی بات ہے، لیکن کچھ لوگوں نے اسے ہی تقویٰ سمجھ لیا ہے یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ صحیح یہ ہے کہ انسان اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرام کی ہوئی چیزوں سے اپنے آپ کو بچائے۔ نیز تمام فرائض کو بحسن و خوبی انجام دے، گھر والوں کے ساتھ پڑوسیوں کے ساتھ عزیز واقارب کے ساتھ حسن اخلاق کے ساتھ رہے، ان کے حقوق کو ادا کرنا بھی فرائض وواجبات میں سے ہے، اس لئے ان باتوں کو نظر انداز کر کے محض نماز، روزہ کا اہتمام کرنے کی بنا پر کوئی شخص حقیقی معنیٰ میں متقی نہیں بن سکتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

لیس تقوی الله بصیام النهار و لا بقیام الیل و لکن تقوی الله ترک ما حرم الله و اداء ما افترض الله.

(جامع العلوم والحکم: ص:۱۵۸)

[دن میں روزے رکھنا اور راتوں کو تہجد پڑھنے کا نام تقویٰ نہیں ہے، بلکہ تقویٰ نام ہے اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچنا اور اور اللہ نے جو چیزیں بندوں پر فرض کی ہیں اسے ادا کرنا]

گناہ چھوڑے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا:

ہمارا حال یہ ہے کہ ہم اعمالِ حسنہ تو کر لیتے ہیں، ماشاء اللہ ہماری زندگی میں نماز

ہے، روزہ ہے، حج ہے، زکوۃ ہے، غرباء، فقراء، مساکین کی مدد ہے وغیرہ کارِ خیر کر لیتے ہیں، یہ اعمال یقیناً مبارک ہیں، اللہ پاک قبول فرمائیں؛ لیکن ہم گناہوں سے نہیں بچتے اور جب تک گناہوں سے نہیں بچیں گے، تقویٰ حاصل نہیں ہوسکتا، گناہوں کو چھوڑنے کا نام ہی تقویٰ ہے، تمام گناہوں سے اجتناب اس میں آ گیا، بدنگاہی، بدکلامی ہو، غیبت ہو، جھوٹ ہو، وغیرہ وغیرہ۔ یاد رکھو جس طرح نماز پڑھنے کا حکم ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (البقرہ: ۴۳)

اسی طرح زبان کی حفاظت کا بھی اللہ نے حکم دیا ہے، ارشاد فرمایا:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا. (الاحزاب: ۷۰)

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صحیح بات کہو۔]

معلوم ہوا زبان کی حفاظت کرنا بھی ضروری ہے، کسی کی غیبت کر لی، کسی کو طعنہ دے دیا، کسی کو اوپر چڑھا دیا، کسی کو نیچے گرا دیا، کسی کو ذلیل و بے عزت کر دیا، یہ سب چیزیں گناہ ہیں اور حرام ہیں، ان تمام باتوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے تب ہمارے اندر تقویٰ آئے گا۔

لفظ ''مگر'' غیبت کا دروازہ ہے:

پہلے تو اکثر عورتوں کی مجالس غیبت کی مجالس ہوتی تھیں، اب تو مردوں کی مجالس بھی غیبت سے پُر ہوتی ہیں، نیز ایک قابل غور بات یہ ہے کہ ہماری غیبت کا آغاز سامنے والے کی تعریف سے ہوتا ہے، اس کی بہت تعریف کرتے ہیں، فلاں تو بہت اچھا ہے، اس کے اندر یہ خوبی ہے یہ خوبی ہے مگر......، جہاں ''مگر'' آیا، بات کا رنگ بدلا اور وہیں سے

غیبت شروع ہوجاتی ہے، اسی لئے میں کہتا ہوں یہ لفظ ''مگر'' یہ غیبت کا دروازہ ہے۔

جب اللہ رب العزت نے بصیغۂ نہی ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ [اور تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی غیبت نہ کرے] فرمایا ہے، تو بتلائیے کہ غیبت کرنا حرام ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سود کھانا حرام ہے، شراب پینا حرام ہے، خنزیر (سوّر) کا گوشت کھانا حرام ہے اسی طرح غیبت کرنا بھی حرام ہے اور جس طرح غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح غیبت کا سننا بھی حرام ہے۔ ہم سن کر لطف لیتے ہیں، مزہ حاصل کرتے ہیں اور اس پر دل میں گاہے گاہے خوش بھی ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس طرح کرتے ہیں تو یہ زبان سے حرام کام کا ارتکاب ہوا، اسی طرح گالی گلوچ کرنا بھی غلط ہے۔ بعضوں کا تو تکیہ کلام ہی گالی ہوتا ہے۔ اپنی اولاد تک کو گالی دے دیتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ خاص کر عورتیں بات بات پر طعنہ دیتی ہیں، کوستی رہتی ہیں، یہ سب باتیں بہت غلط اور گناہ ہیں۔

زبان پر کنٹرول:

ہم جس زبان سے اللہ کا ذکر کرتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، اللہ کی حمد وثنا کرتے ہیں پھر اسی زبان کو غیبت، گالی گلوچ اور جھوٹ میں مبتلا کریں تو یہ تو وہی مثال ہوئی جو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے بیان کی ہے کہ جس چمچہ سے کھانا نکالیں اچھی اچھی نعمتیں نکالیں اسی چمچہ کو گندگی اور نجس چیزوں میں استعمال کریں تو کس قدر بری اور غلط بات ہے۔

اللہ رب العزت نے زبان کو صحیح استعمال کرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے، ایک

جگہ ارشاد فرمایا: ﴿وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا﴾ (البقرہ:۸۳) [اور لوگوں سے اچھی بات کہو۔]

آج کل زبان کو کنٹرول کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے، تہجد پڑھ لینا آسان ہے۔ حضرت مولانا سید ابرار احمد صاحب دھلیویؒ مثال دیا کرتے تھے کہ ایک شخص تہجد گذار ہے، رات کو چار بجے سے بیدار ہوا اور اشراق تک تلاوت، نماز، ذکر میں مشغول رہا اور ایک دوسرا آدمی جو فجر کی نماز کے لئے اٹھا، فجر کی نماز جماعت کے ساتھ ادا کی اور پھر اپنے کام کاج میں مشغول ہو گیا اور ظہر کی نماز میں مسجد میں دونوں آئے، اس تہجد گذار نے اشراق سے ظہر تک اپنے کو غیبت گالی گلوچ میں مشغول رکھا اور اس دوسرے شخص نے غیبت، جھوٹ وغیرہ سے اپنی حفاظت کی تو اللہ تعالیٰ کے یہاں مرتبہ اور مقام اس فرض ادا کرنے والے کا بڑھ جائے گا کیونکہ اشراق پڑھنا فرض نہیں تھا اور غیبت سے بچنا فرض تھا۔

لغویات کا خمیازہ:

علامہ ابن جوزیؒ نے ''بحر الدموع'' میں ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ بیمار ہو گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیمار پرسی کے لئے تشریف لے گئے، جب ان کے پاس پہنچے تو ارشاد فرمایا کہ اے کعب! خوش ہو جاؤ، تو ان کی ماں نے کہا اے کعب! جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش خبری سنائی تو تمہیں جنت کی خوش خبری ہو۔ حالانکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت نہیں دی تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ کون ہے اللہ کے متعلق اتنے یقین کے ساتھ کہنے والی؟ عرض کیا میری ماں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے کعب کی ماں

تمہیں یہ کس نے بتلایا ہے؟ ہوسکتا ہے کعب نے کوئی فضول بات کی ہو، (اور اس کی وجہ سے وہ جنت سے محروم ہوجائیں۔)

(مرقات:۹/۷۹)

اللہ اکبر! بزرگو اور عزیز دوستو! بہت غور کرنے کا مقام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لغو اور بے ہودہ بات کے نقصان اور مضرت کو کس قدر اہمیت سے ارشاد فرمارہے ہیں اور ہمارا ذہن بھی اس طرف متوجہ نہیں ہوتا، اللہ ہی ہمیں معاف فرمائے، صبح سے شام تک بے کار اور بے ہودہ اور لغو باتوں میں وقت گذارتے ہیں، ہمیں اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنا چاہیئے اور اپنی زبان کی مکمل حفاظت کرنا چاہیئے، غیبت، جھوٹ، گالی گلوچ، طعنہ زنی تو یقیناً بری چیزیں ہیں، لغو اور بے ہودہ باتوں سے بھی اپنی زبان کی حفاظت کرنا چاہیئے، اسی کا نام تقویٰ ہے اور اللہ پاک ہم سے ایسی ہی پاکیزہ زندگی چاہتے ہیں، اللہ پاک ہمیں تقویٰ نصیب فرمائے۔ ان شاء اللہ زندگی رہی تو تقویٰ کے متعلق مزید باتیں دوسری مجلس میں عرض کروں گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

﴿ ۱۰ ﴾

تقویٰ کی حقیقت اوراس کے ثمرات

(قسط دوم)

اللہ پاک نے ارشادفرمایا: ﴿اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال:۲۹)
[اگرتم اللہ سے ڈروگےاورتقویٰ اختیارکروگےاورتقویٰ کواپناشعار بناؤگےتو تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقًا اور وجدانًا حق اور باطل میں فرق کرلیا کروگے۔] اس کے بعداسی آیت میں ارشادفرمایا:

وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

[اوراللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیوں کودور کردے گا،تمہارے گناہوں کا کفارہ کردے گا اورتمہاری مغفرت کر دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے] تمہارے وہم وگمان سے بڑھ کر دیتا ہے، یہ تقویٰ کے برکات اور فضائل ہیں، لہذا ضرورت ہے کہ ہم صفتِ تقویٰ اختیارکریں اورمتقی بن کرزندگی گذاریں۔

﴿۱۰﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقویٰ کی حقیقت اوراس کے ثمرات

(قسط دوم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ!

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ٥ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ٥

وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا. وَیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ وَمَنۡ یَّتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسۡبُہٗ (الطلاق: ۲،۳)

[جوآدمی تقویٰ اختیار کرے گا ہم تکالیف میں اس کے لئے نجات کا راستہ نکال دیں گے، اوراس کوایسی جگہ سے رزق عطا فرمائیں گے جہاں سے اس کو ملنے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوگا، اور جو اللہ پر توکل کرلیتا ہے اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک لمن الشاھدین و الشاکرین و الحمد للّٰہ رب العالمین۔

تقویٰ پر اللہ کے وعدے:

بزرگو اور عزیز دوستو! تقویٰ کے متعلق بات ہو رہی تھی، آج بھی ان شاء اللہ تقویٰ سے متعلق کچھ عرض کرنا ہے، اللہ پاک مفید باتیں زبان پر جاری فرمائے، قبول فرمائے اور ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

پہلے بھی بتلایا تھا کہ مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئے، اب تقویٰ اختیار کرنے پر کیا ملے گا؟ قرآن مجید میں پانچ وعدے اللہ تعالیٰ نے متقیوں کے لئے بیان فرمائے ہیں:

۱......﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا.﴾ [جو آدمی تقویٰ اختیار کرے گا ہم تکالیف میں اس کے لئے نجات کا راستہ نکال دیں گے] اور یہ بالکل عام ہے دنیا کی سب مشکلات ومصائب کے لئے بھی راستہ نکال دیں گے، اور آخرت کی تمام مشکلات ومصائب سے بھی بچنے کا راستہ نکال دیں گے۔

تو خلاصہ یہ ہے کہ گناہوں سے بچنے پر دنیا وآخرت کی ہر مشکل ہر تکلیف ہر مصیبت سے نجات کا راستہ نکال دیں گے، ایک تاجر شخص اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اگر دیانت داری سچائی اور تقویٰ کے ساتھ تجارت کرتا ہے تو نفع کم ملتا ہے اور دوسرا تاجر جھوٹ اور فریب سے کام لیتا ہے، حلال حرام کی تمیز نہیں کرتا اور غلط طریقہ سے تجارت کرتا ہے تو بظاہر نفع زیادہ ملتا ہے مگر وہ تقویٰ والی تجارت ہی بہتر ہے چاہے اس میں نفع کم معلوم ہوتا ہے، اللہ پاک اس میں برکت عطا فرماتے ہیں، اس کے بڑے بڑے کام چٹکیوں میں حل ہو جاتے ہیں، اور آخرت کا نفع تو اسکے لئے یقینی ہے نیز جھوٹ والی دھوکہ والی حرام والی تجارت چھوڑ کر سچائی و دیانت والی اور حلال طریقہ والی تجارت اختیار کرنا ہی تقویٰ کی

علامت ہے۔

اللہ پاک اس میں برکت ڈال دیتے ہیں اور اس کے دوسرے مصائب اور مشکلات کو دور فرما دیتے ہیں اور اگر تقویٰ سے ہٹا اور حرام روزی اختیار کی تو ملے گا اتنا ہی جتنا مقدر میں ہے مگر حرام اختیار کرنے کا گناہ ہوگا، اللہ پاک ناراض ہوں گے، تکالیف اور فکروں میں مبتلا ہو جائے گا، لہذا روزی حاصل کرنے میں حرام طریقہ سے بچنا چاہئے۔

روزی آدمی کو تلاش کرتی ہے:

روزی آدمی کو اس طرح تلاش کرتی ہے جس طرح موت انسان کو تلاش کرتی ہے اور جب تک انسان کے مقدر کی روزی ختم نہیں ہوتی اس کو موت بھی نہیں آتی۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

الا وان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقها فاتقوا اللّٰه واجملوا فی الطلب وتوکلوا علیه.

[یاد رکھو! آگاہ ہو جاؤ کسی کو اس وقت تک موت نہیں آتی جب تک کہ جو رزق اس کے مقدر میں ہے پورا نہ کرے، لہذا تم تقویٰ اختیار کرو اور روزی کے حاصل کرنے میں نیک راستہ اختیار کرو اور اللہ پر پورا بھروسہ کرو۔]

ملک الموت میت کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہتے ہیں کہ میں نے اس کی روزی کم نہیں کی، مشرق سے مغرب تک اور شمال سے جنوب تک میں گھوما لیکن اس کے مقدر کا ایک دانہ بھی اب کہیں بھی باقی نہیں تھا، جو اس کے مقدر میں تھا وہ کھا چکا ہے نہ میں نے اس کا ایک دانہ کم کیا نہ پانی کم کیا، لہذا جو مقدر کا رزق ہے وہ انسان کو مل کر ہی رہتا

ہے، جب یہ طے شدہ بات ہے تو اللہ سے ڈرتے رہو اور حلال اور صحیح طریقہ سے رزق طلب کرو اور اللہ ہی پر توکل کرو، جو قسمت میں ہے وہ ان شاء اللہ مل جائے گا۔

آپ نے دیکھا ہوگا جب کسی کی موت کا وقت آتا ہے تو سانس بہت تیز ہو جاتی ہے، آپ نے کبھی اس پر غور کیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اللہ پاک نے اس کی تقدیر میں جتنے سانس لکھے ہیں وہ مقدار پوری کرنا ہوتی ہے جب تک وہ مقدار پوری نہ کرے موت نہیں آتی، تو گویا مقدار پوری ہونے کے لئے سانس کی رفتار تیز ہو جاتی ہے اور چمچہ چمچہ زمزم یا پانی اس کے منہ میں ٹپکاتے ہیں جو مقدار اس کی تقدیر میں ہوتی ہے وہ پیتا ہے اور جو قطرہ اس کے مقدر میں نہیں ہوتا وہ منہ سے باہر نکل جاتا ہے، تو جو مقدر میں ہے وہ مل کر رہے گا، اس لئے تجارت میں بھی تقویٰ اختیار کرنا چاہئے، بعض لوگ تجارت میں دھوکہ دیتے ہیں اور بعض تو جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، خوب سن لو جو لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر تجارت کرتے ہیں تو ان کی تجارت میں برکت تو کیا ہوگی اللہ تعالیٰ کل قیامت کے دن ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، شفقت اور نرمی سے بات نہیں کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے۔

تقویٰ کی برکت:

ابن خریف رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد صاحب کپڑوں کی تجارت کیا کرتے تھے، ایک مشہور دلال (agent) احمد بن حبیب تھا، میرے والد نے اس کو ایک تھان بیچنے کے لئے دیا اور اس کو بتا دیا کہ کپڑے میں فلاں جگہ عیب اور نقصانی ہے، جب تم کسی کو بیچو تو یہ عیب گاہک کو بتا دینا، وہ دلال تھان لے کر نکلا، ایک شخص کو وہ کپڑا پسند آ گیا، اسے دلال

سے خرید لیا، شام کو دلال نے آکر اس کی قیمت میرے والد کے حوالہ کردی۔

ابن خریف ؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد نے اس دلال سے پوچھا کہ کیا تم نے اس خریدار کو کپڑے کی نقصانی (عیب) بتلادی تھی؟ اس دلال نے کہا او ہو، میں تو بتلانا بالکل ہی بھول گیا، میرے دماغ سے یہ بات بالکل نکل گئی، میرے والد نے پوچھا تم نے کس شخص کو وہ تھان بیچا، دلال نے کہا بغداد کی طرف ایک قافلہ جارہا تھا اس قافلہ کے ایک شخص کو بیچا ہے اور قافلہ تو نکل چکا ہے، میرے والد نے ایک تیز رفتار گھوڑا لیا اور اس قافلہ کی تلاش میں نکلے، کافی دور جاکر اس قافلہ سے ملاقات ہوئی اور تحقیق کرنے کے بعد اس خریدار سے فرمایا بھائی! آپ نے جو تھان خریدا ہے اس میں تو عیب ہے اور میرا دلال آپ کو وہ عیب بتانا بھول گیا تھا، آپ اپنی قیمت واپس لے لو اور وہ کپڑے کا تھان مجھے واپس دے دو، وہ خریدار بڑا متاثر ہوا، کبھی ان کو دیکھتا اور کبھی کپڑا دیکھتا، بالآخر وہ خریدار اس سچائی اور امانت داری پر فدا ہوگیا اور اس نے اسلام قبول کرلیا اور میرے والد کے پاس سے رقم لے کر پھینک دی اور دوسری رقم اپنے پاس سے ادا کی اور کہا کہ پہلی رقم (جعلی) کھوٹے سکے تھے، آپ کی سچائی اور امانت داری کی بنیاد پر اب میں آپ سے وہی عیب دار تھان خریدتا ہوں اور اب کھرے سکے آپ کو ادا کرتا ہوں، دیکھا آپ نے سچائی اور تقویٰ کی بنیاد پر کس قدر فائدہ ہوا، خریدار کے اسلام قبول کرنے کا سبب بھی ہوا اور مالک کو حلال طیب رقم (کھرے سکے) بھی مل گئی، یہ ہے تقویٰ کی برکت۔

تقویٰ پر بے گمان روزی کا وعدہ:

تقویٰ پر دوسرا وعدہ اور اس کی دوسری برکت یہ ہے:

وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

[اس کو ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتے ہیں جہاں سے اس کو ملنے کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔]

اور رزق سے مراد اس جگہ ہر ضرورت کی چیز ہے خواہ دنیا کی ہو، خواہ آخرت کی، تو مؤمن متقی کے لئے اللہ تعالیٰ کا وعدہ اس آیت میں ہے کہ اس کی ہر مشکل کو بھی آسان کر دیتا ہے اور اس کی ضرورت کا بھی تکفل فرماتا ہے اور ایسے راستوں سے اس کی ضروریات کو مہیا کر دیتا ہے جہاں سے اس کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔

ایک واقعہ:

ایک بزرگ گذرے ہیں محمد عبدالباقی؛ بہت بڑے اللہ کے ولی گذرے ہیں وہ حج کے سفر میں تھے، دوران حج ان کے اخراجات ختم ہوگئے اور فاقے ہونے لگے اتفاقاً ایک دن حرم پاک سے اپنی قیام گاہ کی طرف آرہے تھے راستہ میں ایک تھیلی پڑی ہوئی ملی، تھیلی اٹھائی گھر آکر دیکھا تو اس میں ایک بہت قیمتی ہار تھا، ہیروں کا بہت خوبصورت ہار تھا، سوچا کہ کسی بندی کا ہار ہے جو کھو گیا ہے، ان شاء اللہ مالک کو تلاش کر کے پہنچاؤں گا اور اپنی طاقت بھر کوشش کروں گا، اتنے میں انہوں نے ایک آواز سنی کہ اس قسم کا ایک ہار گم ہو گیا ہے جس کو ملا ہو وہ فلاں تک پہنچا دے تو اس کو دس ہزار درہم کا انعام دیا جائے گا، اس زمانہ کے دس ہزار آج کے لاکھوں کے برابر ہوں گے، اس سے اندازہ لگاؤ کہ وہ ہار کتنا قیمتی ہوگا؟ یہ آواز سن کر محمد عبدالباقی گھر سے باہر نکلے اور ساری علامات پوچھ کر وہ ہار اس کے مالک کے حوالہ کر دیا اور غائب ہوگئے۔ انعام بھی نہیں لیا، مالک نے بہت دعائیں دیں

کہ ہار بھی مل گیا اور اس نے انعام بھی نہیں لیا، وہ خدا کا بندہ دعائیں دیتا ہوا اپنے وطن چلا گیا۔

حج کا زمانہ گذار کر حضرت محمد عبدالباقی ؒ ایک کشتی میں سوار ہو کر اپنے وطن کی طرف لوٹ رہے تھے کہ کشتی موجوں میں پھنس کر ٹوٹ گئی اور تمام مسافر ادھر ادھر ہو گئے، مولانا محمد عبدالباقی بھی ایک تختہ کا سہارا لئے ہوئے کنارے پہنچے اور ایک جنگل میں جا پہنچے، قریب میں ایک دیہات تھا وہاں مسجد میں پہنچے، تلاوت شروع کر دی، نماز میں مشغول ہو گئے، تلاوت اور نماز کے بعد مسجد کی صاف صفائی میں مشغول ہوئے لوگوں نے مسافر سمجھ کر ان کی خدمت کی مگر بعد میں لوگوں نے اندازہ لگایا کہ یہ تو لکھے پڑھے مولانا معلوم ہوتے ہیں ان سے تمام حالات معلوم کئے، جب لوگوں کو حقیقت حال معلوم ہوئی تو لوگوں نے کہا کہ ہمارے امام صاحب کا انتقال ہو گیا ہے، ہمیں امام کی ضرورت ہے آپ یہیں اطمینان سے قیام فرمائیں، ہم آپ کو اپنا امام بناتے ہیں، آپ ہمارے امام بن کر رہیں، ہوتے ہوتے لوگوں کو ان سے انسیت اور محبت ہو گئی ہر ایک آپ کو چاہنے لگا لوگوں نے آپ کے اخلاق حسنہ دیکھ کر سوچا کہ امام صاحب کے پیروں میں بیڑی ڈال دی جائے تاکہ امام صاحب یہیں رہیں اور مضبوطی کے ساتھ کام کرتے رہیں، اب محلّہ والوں نے مولانا محمد عبدالباقی کے نکاح کے لئے مشورہ کیا، مولانا صاحب نے فرمایا اگر کوئی نیک لڑکی مل جائے گی تو ضرور شادی کر لیں گے، ایک سنت ادا ہو جائے گی۔ محلّہ والوں نے کہا ہمارے سابق امام صاحب کی لڑکی ہے جو بہت نیک صالحہ ہے، آپ اس سے نکاح کر لیں۔ فرمایا کہ اچھی بات ہے لڑکی کو ایک مرتبہ دیکھ لوں، ایک مرتبہ دیکھ لینا جائز ہے،

بلکہ فرمان نبوی کے مطابق یہ ایک مرتبہ کا دیکھنا زوجین کی محبت میں اضافہ کرتا ہے۔

ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ فلاں انصاریہ لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فانظر الیها فان فی اعین الانصار شیئا (مرقات: ۶/۲۵۰)

[اپنی مخطوبہ کو ایک مرتبہ دیکھ لو اس لئے کہ انصار کی آنکھوں میں کچھ ہے۔]

ایک دوسری حدیث میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے آپؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے نکاح کا پیغام بھیجا، تو مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو نے لڑکی کو (ایک مرتبہ) دیکھ لیا ہے، میں نے کہا نہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فانظر الیها فانه احری ان یؤدم بینکما (مرقات: ۶/۲۵۶)

[ایک مرتبہ دیکھ لو، اس لئے کہ یہ محبت میں بڑھوتری کا باعث ہے۔]

ایک دوسری روایت میں ہے کہ ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ فلاں انصاریہ لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "هل رأیت" کیا تم نے دیکھا کہا نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک مرتبہ دیکھ لو کہ وہ لڑکی کنویں پر پانی بھرنے کے لئے جارہی ہے، اس زمانے کا جیسا پردہ ہوگا اس پردہ کے ساتھ پانی بھرنے گئی ہوگی، وہ صحابی رسول دیکھنے کے لئے ایک درخت کے پیچھے چھپ گئے اور دیکھنے لگے، اچانک اس خاتون کی نگاہ بھی ان پر پڑ گئی، وہ باحیا لڑکی تھی، بول اٹھی:

الا تستحی وانت صاحب رسول الله صلی الله علیه وسلم

تم کو شرم نہیں آتی چھپ کر مجھے دیکھتے ہو حالانکہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہو، ان صحابی رسول نے فرمایا: امرنی رسول الله صلی الله علیه وسلم، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھنے کا حکم فرمایا ہے، یہ سن کر وہ خاموش ہو گئیں۔

لہذا نکاح کے لئے ایک مرتبہ دیکھ لینا جائز ہے، رشتہ منظور ہو تو فبہا ورنہ کوئی حرج نہیں۔

بلا نکاح صرف منگنی ہو جانے پر لڑکے لڑکی کا آپس میں ملنا حرام ہے:

اتنا تو جائز ہے لیکن اس کے بعد جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے کہ منگنی ہو جانے اور رشتہ طے ہو جانے کے بعد لڑکا اور لڑکی بے تکلف ایک دوسرے سے ملتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ دونوں تنہا گھومنے پھرنے بھی جاتے ہیں خلوت بھی ہوتی ہے حالانکہ ابھی نکاح نہیں ہوا ہے، صرف رشتہ ہوا ہے، نکاح کا وعدہ ہوا ہے، تو نکاح سے پہلے اس طرح ملنا جلنا بالکل حرام ہے اور سخت گناہ ہے۔

تو مولانا صاحب کو بھی ان کی اس جائز خواہش اور مطالبہ کی وجہ سے لڑکی دکھانے کے لئے لے گئے، جب مولانا صاحب وہاں پہنچے اور لڑکی کو دیکھا تو اتفاق سے اس کے گلے میں ایک خوبصورت ہار تھا، مولانا صاحب لڑکے کے بجائے اس ہار کو غور سے دیکھنے لگے، لڑکی کو تعجب ہوا اور محلّہ والوں کو پتہ چلا تو وہ بھی تعجب کرنے لگے، بعد میں مولانا صاحب نے کہا کہ نکاح کی بات بعد میں ہوگی پہلے میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ ہار اس کے پاس کہاں سے آیا؟ مولانا صاحب کے اصرار پر اس لڑکی نے بتایا کہ یہ میرے والد کا

ہار تھا اور یہ ہار مکہ میں گم ہوگیا تھا اور میرے والد نے اعلان کیا تھا کہ جو شخص وہ ہار لا کر دے گا اس کو دس ہزار درہم بطور انعام دوں گا مگر وہ ہار ایک ایسے نیک اور امانت دار شخص کے پاس سے ملا کہ اس نے پوری امانت کے ساتھ ہار دے دیا اور انعام بھی نہیں لیا۔ اسی وقت سے میرے والد نے عزم کیا تھا کہ اگر پتہ چل گیا تو اس امانت دار شخص سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دوں گا، اس کی تلاش میں تھے کہ ان کا انتقال ہوگیا اور ان کی کوشش اور تمنا پوری نہ ہوسکی، یہ باتیں سن کر امام صاحب نے فرمایا:

قدرت الٰہی کا کرشمہ:

اللہ اکبر! وہ ہار مجھے ہی ملا تھا اور میں نے ہی الحمد للہ مالک تلاش کر کے وہ ہار مالک تک پہنچایا تھا، آج میں نے وہ ہار دیکھا تو مجھے وہ پورا واقعہ یاد آ گیا اس لئے میں نے پوچھا کہ اس لڑکی کے پاس یہ ہار کس طرح آیا؟ لڑکی نے یہ سن کر کہا الحمد للہ میرے والد کی تمنا اور دعا پوری ہوگئی اور اللہ پاک نے کس انداز سے پوری کی، اللہ پاک کی قدرت کا یہ یقیناً عجیب وغریب کرشمہ ہے، اللہ پاک کو اگر کوئی کام منظور ہوتا ہے تو اس کے اسباب کس انداز سے مہیا فرماتے ہیں، انسان کی عقل حیران رہ جاتی ہے، بے شک اللہ پاک بڑی قدرت والے ہیں، چنانچہ نکاح ہوگیا، اگر پہلے ہار دبا لیتے اور مالک تک نہ پہنچاتے تو حرام تھا اب تو کیا کہنا بیوی کا ہار ہے گویا اپنا ہی ہار ہے، نکاح کے بعد اللہ کے فضل سے صاحب اولاد ہوگئے، دو بچے ہوئے ایک لڑکا ایک لڑکی، اس کے بعد بیوی کا انتقال ہوگیا۔

﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ کا نمونہ:

اس کے بعد بیوی کا انتقال ہوگیا، کچھ دنوں کے بعد ایک لڑکی کا انتقال ہوگیا اور

پھر کچھ دنوں کے بعد دوسرے بیٹے کا بھی انتقال ہوگیا، اور اب پورے ہار کے مالک یہ جناب مولانا محمد عبدالباقی بن گئے، اللہ رب العزت نے کس طریقہ سے ان کو ان کے تقویٰ کی برکت سے ہار کا مالک بنایا، آپ نے غور کیا، بے شک اللہ پاک کا وعدہ ﴿وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ سوفی صد سچا وعدہ ہے، اب مولانا محمد عبدالباقی بوقت ضرورت اس قیمتی ہار کا ایک موتی بیچتے اپنا بھی گذران چلاتے اور فقراء ومساکین کا تعاون بھی کرتے، مسجد مدرسہ کا بھی دل کھول کر تعاون کرتے، مولانا عبدالباقی صاحب نے تقویٰ اختیار کیا تو اللہ پاک نے تقویٰ کی بنیاد پر اپنا وعدہ پورا کر کے دکھلا دیا اور اللہ تعالیٰ ان کے لئے سنگین حالات میں بھی کافی ہوا اور ان کے لئے پریشانی سے نکلنے کا راستہ بھی مہیا فرمایا، دریا میں بے سہارا ایک تختہ پر ہیں اس نازک اور ہلاکت کی جگہ میں اللہ نے حفاظت فرمائی اور عافیت کے ساتھ ساحل پر پہنچایا، پھر بستی میں پہنچایا رہائش اور ٹھکانہ کا انتظام فرمایا اور عجیب وغریب کرامتی انداز سے نکاح بھی کرادیا اور روزی بھی پہنچادی، بے شک ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ سچا وعدہ ہے، جو اللہ پر توکل کرتا ہے یقیناً اللہ اس کے لئے کافی ہے۔

تقویٰ کے برکات اور مزید تین وعدے:

اس کے بعد اللہ پاک نے تقویٰ پر تیسرا وعدہ فرمایا:

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق: ۴)

[یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کام میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔]

یعنی دنیا وآخرت کے کام اس کے لئے آسان ہوجاتے ہیں، ہر شخص یہی چاہتا ہے کہ میرا

ہر کام آسان ہو جائے، مجھے کوئی مشکل پیش نہ آئے، اللہ پاک ہر کام میں میری مدد فرمائیں، تو دوستو! تقویٰ اختیار کرو گے تو ان شاء اللہ تمہاری یہ سب تمنائیں اللہ پاک پوری فرمائیں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تقویٰ پر چوتھا اور پانچواں وعدہ بیان فرمایا:

وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یُکَفِّرۡ عَنۡہُ سَیِّاٰتِہٖ وَیُعۡظِمۡ لَہٗۤ اَجۡرًا (الطلاق: ۵)

[جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیں گے اور اس کا اجر بڑھا دیں گے۔]

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے جو فضائل و برکات بیان فرمائے ہیں ان کا خلاصہ پانچ چیزیں ہیں: ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ متقی کے لئے دنیا وآخرت کے مصائب ومشکلات سے نجات کا راستہ نکال دیتے ہیں، دوسرا یہ کہ اس کے لئے رزق کے ایسے دروازے کھول دیتے ہیں جن کی طرف اس کا دھیان بھی نہیں جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ اس کے سب کاموں میں آسانی پیدا فرما دیتے ہیں، چوتھا یہ کہ اس کے گناہوں کا کفارہ کر دیتے ہیں۔ پانچواں یہ کہ اس کا اجر بڑھا دیتے ہیں۔ اور ایک دوسرے مقام پر تقویٰ کی یہ برکت بھی بتلائی گئی ہے کہ متقی کو وہ بصیرت عطا ہوتی ہے جس سے وہ حق و باطل میں فرق کر لیتا ہے، حق اور باطل میں فرق کو آسانی سے پہچان لیتا ہے۔ اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

﴿اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا﴾ (الانفال: ۲۹)

اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور تقویٰ اختیار کرو گے اور تقویٰ کو اپنا شعار بناؤ گے تو

تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں نور ڈال دے گا جس سے تم ذوقاً اور وجداناً حق اور باطل میں فرق کرلیا کروگے اور اس کے بعد اسی آیت ہی میں ارشاد فرمایا:

وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ.

(الانفال: ۲۹)

اور اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری برائیوں کو دور کردے گا، تمہارے گناہوں کا کفارہ کر دے گا اور تمہاری مغفرت کردے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔ تمہارے وہم وگمان سے بڑھ کر دیتا ہے۔

ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ صرف اسی ایک آیت پر عمل کرلیں تو وہ ان کے لئے کافی ہوجائے پھر اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت کی تلاوت فرمائی:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(مرقات: ۹/۴۹۶)

حضرت ابودرداءؓ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے:

يقول المرأ فائدتي و مالي

و تقوى اللّٰه افضل ما استفادا

یعنی لوگ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، حالانکہ سب سے بہتر سرمایہ تقویٰ ہے۔

(معارف القرآن: ۲/۲۴۲)

یہ تقویٰ کے برکات اور فضائل ہیں، لہذا ضرورت ہے کہ ہم صفت تقویٰ اختیار کریں اور متقی بن کر زندگی گزاریں۔

حقیقت تقویٰ کیا ہے؟

تقویٰ نام ہے اسلام کی ساری تعلیمات پر عمل کرنے کا، صرف نماز پڑھنے کا نام تقویٰ نہیں ہے، اور صرف روزہ رکھنے کا نام تقویٰ نہیں ہے، تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان پورے دین کی پابندی کرے، اس میں عقائد اور ایمانیات بھی آ گئے، عبادات اور معاملات بھی اس میں شامل ہے، اخلاقیات اور معاشرت بھی اس میں داخل ہے، ان ساری چیزوں کے مجموعہ کا نام تقویٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آل عمران: ۱۰۲)

[اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے (ایسا) ڈرا کرو (جیسا) ڈرنے کا حق ہے۔]

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حق تقویٰ یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت ہر کام میں کی جائے، کوئی کام طاعت کے خلاف نہ ہو اور اللہ کو ہمیشہ یاد رکھیں کبھی بھولیں نہیں اور اللہ کا شکر ہمیشہ ادا کریں کبھی ناشکری نہ کریں۔

(معارف القرآن:۲/ ۱۲۷)

کبھی آدمی کو شکایت ہوتی ہے اور سوچتا ہے کہ میں تو تقویٰ اختیار کرتا ہوں مگر مجھے تو رزق نہیں ملتا حالانکہ تقویٰ پر رزق کا وعدہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ کی شرط ہم سے فوت ہو رہی ہے، تقویٰ کے شرائط اللہ نے بیان فرمائے ہیں ان کو اختیار کرنا ضروری ہے، اگر ان میں کوئی شرط فوت ہوگی تو نتیجہ اور ثمرہ مرتب نہ ہوگا۔ قاعدہ ہے:

إذا فات الشرط فات المشروط.

[شرط فوت ہوگی تو مشروط بھی فوت ہو جائے گا۔]

اَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (البقرہ: ۴۰)

[تم مجھ سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کرو میں تم سے کئے ہوئے وعدے کو پورا کروں گا۔]

شرائطِ تقویٰ:

اللہ تعالیٰ نے پارہ ”سیقول“ میں شرائطِ تقویٰ کو بیان فرمایا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

وَلٰـكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (البقرہ: ۱۷۷)

[لیکن (اصلی) کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ کی ذات وصفات پر ایمان لائے، قیامت کے دن پر ایمان لائے، فرشتوں، اللہ کی کتابوں اور اللہ کے پیغمبروں پر ایمان لائے] اس میں ایمانیات آ گئے، یہ تمام باتیں بنیادی ہیں اور عقائد وایمانیات سے ان کا تعلق ہے۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ

[اور وہ شخص مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں (اپنے حاجت مند) رشتہ داروں کو اور نادار یتیموں کو اور دوسرے غریب محتاجوں کو اور (بے خرچ) مسافروں کو اور

(لاچاری میں) سوال کرنے والوں کو اور (قیدی اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں۔]

اس میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا تذکرہ ہے، ارشاد فرمایا: اور وہ شخص مال دیتا ہو اللہ تعالیٰ کی محبت میں اپنے حاجت منداور ضرورت مند رشتہ داروں کو اور یتیموں کو یعنی جن بچوں کا باپ ان کے بچپن اور نابالغ ہونے کی حالت میں فوت ہو گیا ہو اور ان یتیموں کے پاس مال نہ ہو، نادار اور محتاج ہوں، ایسے یتیموں کو مال دینا اور ان کی ضرورت کو پوری کرنا بہت فضیلت اور ثواب کا کام ہے، احادیث مبارکہ میں اس کے بڑے فضائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ اسی طرح اپنا مال دیتا ہو مسکینوں اور (لاچار) مسافروں کو اور سوال کرنے والوں اور قیدی اور غلاموں کی گردنوں کے چھڑانے میں بھی مال خرچ کرتا ہو، کوئی شخص قرض بھی پھنسا ہوا ہو اور س کی وجہ سے پریشان ہو اس کو قرض کے بوجھ سے چھڑانے میں مال دینا یہ بھی بڑے ثواب کا کام ہے۔ اس میں مالیات یعنی انفاق فی سبیل اللہ کا بیان آ گیا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿وَاٰتَی الْمَالَ﴾ کے ساتھ ﴿عَلٰی حُبِّهٖ﴾ فرمایا، اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ ﴿حُبِّهٖ﴾ کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو۔ اس وقت اس کے معنی یہ ہوں گے مال خرچ کرنے میں کوئی اپنی غرض نہ ہو، نام ونمود مقصود نہ ہو بلکہ اخلاص کامل کے ساتھ صرف اللہ جل شانہ کے ساتھ محبت کی بنیاد پر اپنا مال خرچ کرتا ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ ﴿حُبِّهٖ﴾ کی ضمیر مال کی طرف راجع ہو۔ اس وقت اس کا مطلب یہ ہوگا مال کی محبت کے باوجود اللہ کے لئے مال خرچ کرتا ہوا اپنی محبوب چیز دیتا ہو، یہ اعلی

درجہ ہے اور اللہ کو بہت پسند ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ

[ہرگز تم خیر کامل کو حاصل نہیں کرسکو گے جب تک تم اپنی پیاری چیز کو خرچ نہ کرو۔]

اپنے پاس موجود مال میں جو اچھی چیز ہو وہ صدقہ کرنا چاہئے، بے کار اور ردی چیز جو اپنے کسی کام کی نہ رہی ہو تو کہتا ہے کہ مسجد میں دے دو، کسی فقیر مسکین کو دے دو، اچھا مال کون سا ہے اور ردی مال کون سا ہے اس کا بھی قرآن نے ایک اصول بیان کیا ہے، قرآن پاک میں ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبۡتُمۡ وَمِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَكُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ وَلَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَلَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ

(البقرہ:۲۶۷)

[اے ایمان والو اپنی کمائی میں سے اور جو کچھ ہم نے تمہارے لئے زمین سے نکالا ہے اس میں سے عمدہ چیزوں کو چھانٹ کر اس میں خرچ کرو اور ردی چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کردو حالانکہ وہ چیزیں اگر تمہارے حق کے بدلہ میں تمہیں دی جائیں تو تم ہرگز قبول نہیں کرو گے بجز اس کے کہ کسی وجہ سے چشم پوشی کر جاؤ۔]

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی ردی چیزیں مت دو کہ اگر تم کو کوئی ایسی چیز دے تو تم کو ناگواری ہو اور تم اس کو لینا پسند نہ کرو، ﴿اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ﴾ الّا یہ کہ تم چشم پوشی

کر جاؤ۔ بادل ناخواستہ اس چیز کو قبول کرو ایسی چیز دوسروں کو بھی مت دو، جو مال اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی دوسروں کے لئے بھی پسند کرو، اور جو چیز اپنے لئے پسند نہیں ہے وہ دوسروں کے لئے بھی پسند نہ کرو، نکمی چیز جو کسی کام کی نہ رہی ہو مت دو، مال اور کسی چیز کی محبت کے باوجود اس کو خرچ کرنا، اس کا صدقہ وخیرات کرنا یہ کمال درجہ ہے۔

کھیر کا واقعہ:

حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ ایک خاتون نے مؤذن صاحب کے لئے کھیر بھیجی، مؤذن صاحب نے خوش ہو کر بچے سے پوچھا کہ کیا بات ہے کہ آج تمہاری امی جان نے اتنی ساری کھیر بھیجی، بچہ نے کہا بات یہ ہے کہ اس کھیر میں کتے نے منہ ڈال دیا تھا، مؤذن صاحب کو غصہ آیا، پیالہ اٹھا کر پھینکا تو پیالے کے دو ٹکڑے ہو گئے، بچہ رونے لگا تو مؤذن صاحب نے کہا ایسی کھیر لاتا ہے اور پھر روتا ہے تو، بچے نے کہا چلو کچھ نہیں یہ تو بھیا کی ٹٹی، پاخانہ صاف کرنے کا پیالہ تھا۔

تو یہ ہے کہ نکمی اور ردی چیز مؤذن صاحب کو دی، تو قرآن نے خرچ کرنے کا ایک اصول بتا دیا کہ مال کی محبت ہوتے ہوئے مال خرچ کرنا یہ تقویٰ کی علامت ہے، یہ متقی کی نشانی ہے۔

نماز وزکوۃ کی اہمیت:

آگے فرمایا:

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ

[اور نماز کی بھی پابندی کرے اور زکوۃ بھی پابندی سے پوری پوری ادا کرے۔]

نماز کی کیا اہمیت ہے اور قرآن وسنت میں اس کی کس قدر تاکید ہے؟ آپ حضرات بارہا بیانوں میں، تعلیم میں سنتے رہتے ہیں، اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ عبادت وقت پر نماز کا پڑھنا ہے، قیامت کے دن سب سے پہلے نماز ہی کی پوچھ ہوگی۔

روز قیامت کے جاں گداز بود
اولین پرشش نماز بود

نماز دین کا ستون ہے، نماز مؤمن کی معراج ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، سجدہ کی حالت میں بندہ کو اللہ کا سب سے زیادہ قرب نصیب ہوتا ہے، ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اقرب ما یکون العبد من ربه وھو ساجد.

جس حالت میں بندہ اپنے رب کے سب سے قریب ہوتا ہے وہ سجدہ کی حالت ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی جبیں نیاز کو خاک آلود کرنا، اپنی عبدیت کو ظاہر کرنا، اللہ پاک کی عظمت و کبریائی بیان کرنا یہ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے، نماز میں یہ چیزیں بندہ کو حاصل ہوتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نماز کی بنیاد پر انسان کو ایمان کی سند ملتی ہے، یہی نماز قیامت کے دن اس کے لئے برہان اور رحمت ہوگی، جس کی زندگی میں نماز کی پابندی ہے اور جماعت و تکبیر اولیٰ کا اہتمام ہے وہ بہت بڑا سعادت مند شخص ہے، اللہ پاک ہماری زندگیوں میں نمازوں کی پابندی اور خشوع وخضوع کی کیفیت اپنے فضل سے عطا فرمائے، آمین۔ زکوۃ کی بھی بڑی اہمیت ہے وہ بھی الحمدللہ آپ جانتے ہیں اور سنتے رہتے ہیں۔

ایفاءعہد دائمی ہونا چاہئے:

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا

[اور وہ جب وعدہ کرتے ہیں تو کئے ہوئے وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔]

اس میں معاملات آ گئے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وہ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں، جو عہد حدودِ شرع میں رہتے ہوئے کسی سے کیا وہ پورا کرتا ہو، آیت کے اسلوب میں غور فرمایئے، ابھی تک ماضی کے صیغہ سے شرائط تقویٰ بیان فرمائے، اب اسلوب بدل کر اسم فاعل کا صیغہ ارشاد فرمایا اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایفاء عہد دائمی ہونا چاہئے، اتفاقی طور پر کوئی معاہدہ پورا کردے تو اس طرح فاجر وفاسق بلکہ کافر بھی گاہے اپنا وعدہ اور عہد پورا کرتا ہے، ہمیں یہ صفت دائمی طور پر اپنے اندر پیدا کرنی چاہئے اور جو وعدہ کیا ہوا سے پورا کرنا چاہئے، یہ ہے تقویٰ لیکن ہمارا حال ایسا نہیں ہے، شادی کی دعوت کے کارڈ میں لکھا ہے کہ ظہر کے بعد دو بجے نکاح ہوگا اور چار بجے تک کوئی نظر نہیں آتا ہے، یہ بھی وعدہ خلافی ہوئی، ہم دوستوں سے ملنے کا وعدہ کرتے ہیں اور پھر وعدہ پر پہنچتے نہیں، یہ بھی غلط ہے، اس میں وعدہ خلافی بھی ہوتی ہے، اور اکثر ہماری وجہ سے دوسرے کے کام میں خلل بھی پڑتا ہے، وہ ہمارے انتظار میں ہوتا ہے، کبھی اپنا ضروری کام چھوڑ کر انتظار کرتا ہے اور ہم وعدہ کے مطابق نہ پہنچیں تو بتایئے اس کو کس قدر کلفت ہوگی اور اس کا کتنا نقصان ہوگا؟ لہٰذا جو وعدہ کیا ہو اس کے پورا کرنے کا خوب اہتمام کرنا چاہئے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: ”**العدۃ دین**“ وعدہ ایک قرض ہے، جیسے قرض ذمہ میں باقی ہوتا ہے ایسے ہی کیا ہوا وعدہ بھی ذمہ پر باقی رہتا ہے جس کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے، اس پہلو سے اخلاقیات بھی اس میں آ گئے کہ تقویٰ کے حصول کے لئے ہمارے اخلاق بھی عمدہ ہونا چاہئے۔

صبر بہت بڑی نعمت ہے:

اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

[اور صبر کرنے والے ہیں سختی میں اور تکلیف میں اور اللہ کے لئے دشمن سے لڑائی کے وقت۔]

اس میں اخلاقیات کی تعلیم فرمائی کہ سختی اور تکلیف کے وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنے دیتے اور زبان پر شکوہ شکایت کے الفاظ نہیں آنے دیتے، صبر ایک ایسا ملکہ ہے اور اس میں ایسی قوت ہے کہ جس شخص کو صبر کی حقیقت نصیب ہو جائے اسے بہت بڑی نعمت مل گئی اور صبر کی توفیق کے نتیجہ میں مذکورہ اعمال میں مدد لی جا سکتی ہیں، جب یہ صفات زندگی میں اتر گئیں اور ہمارے اندر یہ صفات پیدا ہو گئیں تو اب اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ.

[یہی لوگ سچے ہیں اور یہی لوگ متقی ہیں۔]

الغرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفت بیان کی ہیں، جو تفصیل کے

ساتھ آپ حضرات نے سنیں، جب یہ تمام صفات زندگی میں آئیں گے تو تقویٰ زندگی میں آئے گا۔ان صفات میں ایمانیات بھی آگئے، عبادات بھی آگئی، معاملات بھی آگئے، اخلاقیات بھی آگئے، غرض تقویٰ یہ ہے کہ ہر پیش آمدہ امر میں اس بات کا خیال کرے کہ اس میں اللہ اور رسول کی مرضی کیا ہے؟ اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق اپنی پوری زندگی گزارے ہر اوامر کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق ادا کرے اور تمام منہیات سے اپنے آپ کو پورا پورا بچائے، اسکا نام تقویٰ ہے۔

تقویٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کا حاکم بنا کر بھیجا، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب چھوڑنا نہیں چاہتے تھے، اس لئے مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ تقریباً گیارہ مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں تمہیں یمن کا حاکم بنانا چاہتا ہوں تب فرمانے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کا حکم ہے تو میں راضی ہوں ورنہ میں آپ کی رفاقت چھوڑنا نہیں چاہتا ہوں، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حاکم بنا کر روانہ فرمایا اور اس شان سے روانہ فرمایا کہ خود بنفس نفیس حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کے کنارے تک ان کو رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے اور حال یہ ہے کہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سواری پر سوار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدل تشریف لے جا رہے ہیں، اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی نصیحتیں فرمائیں، یہ بھی ارشاد فرمایا: اے معاذ! اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا آئندہ جب تم مدینہ آؤ گے تو مجھے نہیں پاؤ گے؟ اور

تمہارا گذر میری قبر پر ہوگا، یہ سن کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ زاروقطار رونے لگے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان اولی الناس بی المتقون من کانوا وحیث کانوا.
(مشکوۃ شریف ص ۴۴۶)

[اے معاذ! مجھ سے قریب وہی شخص ہوگا جو متقی ہوگا، جو بھی ہو اور جہاں بھی ہو۔]

چاہے کسی نسل کا ہو اور چاہے جس ملک کا ہو، مجھ سے قریب وہی ہوگا جو متقی ہوگا۔ لہذا معلوم ہوا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب بھی تقویٰ سے نصیب ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں تقویٰ کی صفت سے متصف فرمائے اور ہمیں تقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے، تقویٰ پر خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی موقوف ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

۱۱

تقویٰ کی حقیقت اور اس کے ثمرات

(قسط سوم)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اللہ پاک کے قول ﴿ولباس التقویٰ ذالک خیر﴾ کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

''اور تقویٰ یعنی ایمان کا لباس جسم کے لباس سے بڑھ کر ضروری ہے اور ظاہری لباس باطنی لباس یعنی تقویٰ کی فرع ہے۔''

اس لئے جس شخص میں جس قدر اور جتنا ایمان کا لباس یعنی تقویٰ ہوگا اتنا ہی جسم کا لباس باقی رہے گا اور جتنا ایمان کا لباس یعنی تقویٰ اتر جائے گا جسم کا لباس بھی اتر جائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ باطن میں تقویٰ خوب جما ہوا ہو، باطن میں جس قدر اللہ کا خوف ہوگا، جس قدر خشیت ہوگی جس قدر تقویٰ ہوگا ظاہر میں اس کا اثر معلوم ہوگا اور دل میں جس قدر تقویٰ ہوگا ہر کام عمدگی کے ساتھ ہوگا۔

﴿ ۱۱ ﴾

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تقویٰ کی حقیقت اوراس کے ثمرات

(قسط سوم)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَاھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّآاِلٰہَ اِلَّااللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیۡعَنَاوَحَبِیۡبَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّداً عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَ اَھۡلِ بَیۡتِہٖ وَاَھۡلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡمًا کَثِیۡراً کَثِیۡراً...... اَمَّا بَعۡدُ !

فَاَعُوۡذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ ۝ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَاتَمُوۡتُنَّ اِلَّا وَاَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ.
(آل عمران:۱۰۲)

[اے ایمان والو! اللہ سے ایسا ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے، اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دو۔]

یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوۡنُوۡا مَعَ الصّٰدِقِیۡنَ. (التوبہ: ۱۱۹)

[اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للّٰہ رب العالمین۔

تقویٰ، خوف اور خشیت:

بزرگو اور عزیز دوستو! تقویٰ کے متعلق گفتگو چل رہی تھی، تقویٰ کے متعلق عارف باللہ حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خان صاحب نے بڑی اچھی اور عمدہ بات بیان فرمائی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

"باری تعالیٰ نے ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ﴾ میں مؤمنوں کو تقویٰ کا حکم فرمایا ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے احکام کے خلاف کرنے سے بچتے رہنا، ڈرتے رہنا، شرماتے رہنا، اس کو دوسرے مقام پر بعنوان خوف ﴿وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ اور تیسرے مقام پر بعنوان خشیت ﴿اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا﴾ تعبیر فرمایا۔ لہٰذا ہر وقت، ہر حال میں تقویٰ کا لحاظ ہو۔"

حضرت کے اس ملفوظ گرامی سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور خوف الٰہی اور خشیت الٰہی تینوں کا مقصد ایک ہی ہے، کسی موقعہ پر لفظ تقویٰ سے بیان فرمایا اور کسی موقعہ پر لفظ خوف سے اور کسی وقت خشیت سے اس حقیقت کو آشکارا فرمایا، مقصد یہ ہے کہ انسان ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف کرنے سے بچتا رہے، ڈرتا رہے اور شرماتا رہے، جب کسی انسان کے اندر یہ صفت پیدا ہوگی تو گناہوں سے بچتا رہے گا اور احکام خداوندی پر عمل پیرا رہے گا۔

بلا تقویٰ ایمان عریاں ہے:

اس کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

’’تقویٰ کیوں ضروری ہے؟ اس لئے کہ تقویٰ ایمان کا لباس ہے، بلا تقویٰ ایمان عریاں ہے، جیسے جسم بلالباس عریاں ہے۔‘‘

کتنی عجیب بات حضرت نے بیان فرمائی، حضرت کے الفاظ پر غور فرمایئے، کتنے عمدہ الفاظ ہیں کہ تقویٰ ایمان کا لباس ہے جس طرح انسان کے لئے لباس ضروری ہےاور لباس کے بے شمار ظاہری اور باطنی فائدے ہیں اور لباس انسان کے لئے بے حد ضروری ہے اسی طرح ایمان کے لئے تقویٰ بمنزلہ لباس کے ہے، ایمان کے لئے تقویٰ کا لباس بے حد ضروری ہے، تو جس طرح جسم لباس کے بغیر عریاں ہے اسی طرح ایمان تقویٰ کے بغیر عریاں ہے، اس کے بعد حضرتؒ نے حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے بیان القرآن سے ایک حوالہ نقل فرمایا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے اللہ پاک کے قول ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ (الاعراف:۲۶) کی تفسیر میں تحریر فرمایا ہے:

’’اور تقویٰ یعنی ایمان کا لباس جسم کے لباس سے بڑھ کر ضروری ہے اور ظاہری لباس باطنی لباس یعنی تقویٰ کی فرع ہے‘‘ اس لئے جس شخص میں جس قدر اور جتنا ایمان کا لباس یعنی تقویٰ ہوگا اتنا ہی جسم کا لباس باقی رہے گا اور جتنا ایمان کا لباس یعنی تقویٰ اتر جائے گا جسم کا لباس بھی اتر جائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ باطن میں تقویٰ خوب جما ہوا ہو، باطن میں جس قدر اللہ کا خوف ہوگا، جس قدر خشیت ہوگی، جس قدر تقویٰ ہوگا؛ ظاہر میں اس کا اثر معلوم ہوگا اور دل میں جس قدر تقویٰ ہوگا ہر کام عمدگی کے ساتھ ہوگا۔ عبادت بھی اعلیٰ درجہ کی ہوگی، اخلاص وللّٰہیت بھی ہوگی، امانت بھی ہوگی، دیانت داری بھی ہوگی، عقائد بھی

صحیح ہوں گے، معاملات بھی درست ہوں گے، اور معاشرت بھی اچھی ہوگی اور اخلاق بھی اعلیٰ ہوں گے۔‘‘

غرض جب دل میں حقیقی تقویٰ کی صفت پیدا ہوگی تو اس کا اثر زندگی کے تمام شعبوں میں آئے گا، تو اپنے اندر تقویٰ کی حقیقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

تقویٰ کے چار درجے:

امام غزالیؒ نے تبلیغ دین میں تقویٰ کے چار درجات تحریر فرمائے ہیں، ایک رسالہ ہے ’’اکابر کا تقویٰ‘‘ اس میں اس مضمون کا اختصار بیان فرمایا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں تقویٰ کے چار درجے ہیں:

پہلا درجہ:

جن چیزوں یا جن باتوں کی حرمت پر تمام علماء دین اور فقہاء شریعت کا فتویٰ ہے ان کا استعمال نہ کرنا، یہ تقویٰ کا پہلا درجہ ہے، کیوں کہ ان کے استعمال سے آدمی فاسق بن جاتا ہے، یہ تو عام مؤمنین کا تقویٰ کہلاتا ہے۔

دوسرا درجہ:

تقویٰ کا دوسرا درجہ صلحاء کا تقویٰ ہے یعنی مشتبہ چیز سے بھی پرہیز کرنا کیونکہ علماء شریعت نے ظاہری حالت دیکھ کر اگرچہ مشتبہ چیز کو حلال کہا ہے مگر چونکہ اس میں حرمت کا احتمال ہے اور اسی وجہ سے وہ چیز مشتبہ کہلاتی ہے اس وجہ سے صلحاء اس اشتباہ کی وجہ سے اس کو بھی استعمال نہیں کرتے اور مشتبہ چیزوں سے بھی بچتے ہیں۔

تیسرا درجہ:

تقویٰ کا تیسرا درجہ اتقیاء کا تقویٰ ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مسلمان جب تک خطرہ والی چیزوں میں مبتلا ہونے کے اندیشہ سے بے خطرہ چیزوں کو بھی ترک نہیں کرے گا اس وقت تک اتقیاء کے درجہ کو نہ پہنچے گا۔

چوتھا درجہ:

تقویٰ کا چوتھا درجہ یہ ہے کہ جس چیز کے کھانے سے عبادت وطاعت پر قوت حاصل نہ ہو اس سے پرہیز کرنا، یہ تقویٰ کی سب سے اعلیٰ قسم ہے، البتہ یہ درجہ تو چونکہ آسان نہیں ہے اس لئے کوشش یہ کرو کہ اتقیاء یا صلحاء کا تقویٰ حاصل ہو جائے، مشتبہ چیز سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ، اور اگر کسی جائز کام کرنے سے ناجائز کام میں پڑنے کا اندیشہ ہو تو اس جائز کام کو بھی چھوڑ دو، اور سب سے آسان عام مؤمنین والا تقویٰ ہے، اس سے کم درجہ نہیں ہے، اتنی کوشش تو سب کو کرنی چاہئے کہ اللہ کی تمام حرام کی ہوئی چیزوں سے ہر حال میں اپنے آپ کو بچانا ہے، چاہے کوئی دیکھ رہا ہو تب بھی اور کوئی نہ دیکھ رہا ہو تب بھی، اپنے اندر اتنا تقویٰ تو پیدا کر ہی لو کہ ان چیزوں کے پاس بھی نہ بھٹکو جن کی حرمت پر علماء دین کا فتویٰ ہے۔

(اکابر کا تقویٰ ص:۱۱۸۔۱۱۹)

عارفین کے قلوب تقویٰ کا معدن ہیں:

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ اپنے ایک بیان میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ یٰٓـاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ ﴾ [اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔] تقویٰ اختیار کروگے تو ایمان کا درخت مضبوط ہوگا، قوی ہوگا، اس کے اوپر برگ وبار آئیں گے، اس کی شاخیں بہت دور تک پھیلیں گی، تمام اعمالِ صالحہ کی توفیق ہوگی، ایمان کے تمام شعبے زندہ ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

لکل شیء معدن ومعدن التقویٰ قلوب العارفین.

ہر شیء کے لئے ایک معدن ہے اور تقویٰ کا معدن کیا ہے؟ تقویٰ کا معدن عارفین کے قلوب ہیں، عارفین کے قلوب میں تقویٰ ہوتا ہے، وہاں سے تقویٰ ملتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو تقویٰ کا خزانہ عطا فرمایا ہے، جو شخص ان کی بات سنتا ہے، ان کی باتوں پر عمل کرتا ہے، ان کی اتباع کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو تقویٰ عطا فرماتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارکہ کا اثر:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین بیٹھتے تھے، ان کی جو کیفیت اس وقت ہوتی تھی اس کو وہ خود بیان فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا گویا جنت اور دوزخ ہماری نظروں کے سامنے ہے، یہ کیا بات تھی؟ بات یہی تھی کہ آدمی جس قسم کے شخص کے پاس بیٹھتا ہے ویسے اثرات اس کے اندر آتے ہیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یقین کتنا قوی تھا کہ کسی وقت یہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل ودماغ سے غائب نہیں ہوتی تھیں تو پاس بیٹھنے والوں پر بھی

اس کا اثر پڑتا تھا۔

صحبت کا اثر ہوتا ہے، اس کی ایک مثال:

ایک عورت کا بچہ مر گیا ہو، اس کا دل اور سینہ غم سے بھرا ہوا ہو، اگر وہ کسی کے پاس آکر بیٹھ جائے تو پاس بیٹھنے والوں کو یہ بات بتانے کی ضرورت نہ ہوگی کہ میرے سینہ میں غم ہے، اس کا چہرہ ہی اس کے اندر کے غم کی ترجمانی کر دے گا، اور پاس بیٹھنے والا بھی اس کے غم سے متاثر ہوتا ہے اور اس کے اندر بھی غم کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں حالانکہ نہ اس نے اپنا غم ظاہر کیا اور نہ ان سے غمگین ہونے کو کہا مگر اللہ پاک نے انسان کی طبیعت کے اندر ایک مادہ رکھا ہے کہ وہ دوسرے کی طبیعت سے مضمون لیتی ہے، اس سے متاثر ہوتی ہے، مثل مشہور ہے کہ خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔

طبیعت سے مضمون لینا چاہئے:

حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ

''ہم لوگ زبان سے لینے کے عادی ہوگئے ہیں، انسان کی زبان سے جو الفاظ نکلتے ہیں اس سے مضمون اخذ کرتے ہیں، الفاظ تو بہت ضعیف واسطہ ہیں، اس میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے، اصل مضمون تو طبیعت سے لینا چاہئے۔''

ایک کی طبیعت میں جو مضمون ہے اس کی طبیعت سے وہ مضمون لینا چاہئے، اسی واسطے ایک مرتبہ فرمایا کہ

''میں نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب قدس سرہ کی خدمت میں سہارنپور خط لکھا کہ حضرت میرا دل چاہتا ہے کہ میں دہلی سے آکر کچھ روز حضرت کی

خدمت میں رہوں، تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نور اللہ مرقدہ نے جواب میں لکھا کہ تم کو یہاں آنے کی ضرورت نہیں، تم کو مجھ سے کچھ حاصل کرنے کے لئے ''یہاں'' ''وہاں'' ''دورنزدیک'' سب برابر ہیں۔''

جب طبیعت میں رنگ اتنا غالب آجائے جسے کہتے ہیں، ''اپنے رنگ میں رنگ لینا''

صادقین کے ساتھ ہوجاؤ:

فلاں فلاں کے رنگ میں رنگا گیا، یہی رنگ میں رنگا جانا اعلیٰ درجہ کی چیز ہے، اگر عارفین کے قلوب کے ساتھ یہ تعلق قوی ہوجائے کہ آدمی ان کے رنگ میں رنگ جائے تو یقیناً اس کے دل میں تقویٰ آئے گا اور جب دل میں اللہ کا تقویٰ آئے گا تو کیا ایسے شخص سے پھر معاصی کا صدور ہوگا؟ اس سے تو اعمالِ صالحہ کا ہی صدور ہوگا، جس طرح پودے کو پانی دیا جاتا ہے اور اس سے اس پودے کو ترقی ہوتی ہے، وہ پودا بڑھتا ہے، اسی طرح اعمالِ صالحہ سے ایمان میں قوت اور ترقی ہوتی ہے اور یہ بھی ذہن میں رہے کہ جس طرح اعمال صالحہ سے ایمان میں قوت اور ترقی ہوتی ہے اسی طرح اعمالِ سیئہ وگناہوں سے اور فواحش سے ایمان میں کمزوری پیدا ہوتی ہے، ایمان میں ضعف پیدا ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ ایمان برائے نام رہ جاتا ہے۔ اور پھر اس کے اندر ایمان اور ایمان کی کوئی علامت باقی نہیں رہتی، اسی لئے فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! اپنے ایمان کو مضبوط رکھو اور مضبوط رکھنے کی صورت یہ ہے کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ اور

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (التوبہ: ۱۱۹)

[اور سچوں کے ساتھ رہو۔]

ایک قافلہ جارہا ہے، اور ایک آدمی اس قافلہ کو جانتا ہے کہ یہ قافلہ کے لوگ راستہ سے واقف ہیں ان کا امیر راستہ کے نشیب وفراز سے واقف ہے، راستہ میں جہاں کہیں ضرورتوں کی سہولتیں ہیں ان کو بھی یہ قافلہ والے جانتے ہیں ایسے قافلہ کے ساتھ اگر یہ آدمی ہوجائے تو منزل مقصود تک اس کے لئے پہنچنا آسان ہے۔

ایک قافلہ حج کے لئے جارہا ہے اور قافلہ میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کئی مرتبہ حج کرچکے ہیں ان کے ساتھ اگر کوئی شخص ہوجائے تو آسانی سے وہ حج کرسکے گا، ایک غیر مسلم ہے، آج ہی کلمہ پڑھا ہے اس کو آپ تنہائی میں بیٹھ کر وضو کرنا سکھائیں، نماز پڑھنا سکھائیں، مسائل سکھائیں، کتنی دشواری پیش آئے گی اور اگر آپ اس کو مسجد میں لے جائیں وہ مسجد میں سب کو وضو کرتے ہوئے دیکھے، نماز پڑھتا ہوا دیکھے تو ان کو دیکھ کر بہت جلد وضو کرنا، نماز پڑھنا سکھ جائے گا، اسی لئے فرماتے ہیں:

وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ. (التوبه: ۱۱۹)

صادقین کے ساتھی بن جاؤ تو ان شاء اللہ تم بھی صادق بن جاؤ گے، تمہارے اندر بھی تقویٰ آجائے گا۔

صادقین کون لوگ ہیں؟

صادقین کون لوگ ہیں؟ صادقین وہ لوگ ہیں جن کے قلوب میں اللہ نے صدق عطا فرمایا ہے۔ عقائد حقہ ان کو نصیب ہیں جن پر ایمان کا دارومدار ہے، جن پر نجات کا دارومدار ہے، اللہ تعالیٰ کو اس کے ذات وصفات کے لحاظ سے ایسا ہی مانتے ہیں

جیسا کہ اس کا حق ہے۔ ''کما ھو اھلہ'' اور ان کے اعمال میں بھی صدق ہے، ان کے اخلاق میں بھی صدق ہے، ان کی زندگی میں بھی صدق ہے، ان کی زبانوں پر بھی صدق ہے، ایسے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ تو ان کی معیت اور صحبت کی برکت سے اللہ تعالیٰ تم کو بھی تقویٰ کا اعلیٰ درجہ عطا فرمائے گا، جس سے ایمان قوی ہوگا اور ان کی صحبت کی برکت سے تم کو عقائد حقہ، اخلاق فاضلہ، اعمالِ صالحہ، اقوالِ صحیحہ حاصل ہوں گے۔ پھر تمہاری زبان پر بھی صدق ہوگا، اخلاق میں بھی صدق ہوگا، زندگی میں بھی صدق ہوگا، دل میں بھی صدق ہوگا، دل میں تقویٰ ہوگا، اللہ کی محبت ہوگی، اللہ کا خوف ہوگا۔ تو صادقین کی معیت اور ان کا اتباع بہت ضروری ہے۔

ظاہر، باطن دونوں کی اصلاح:

بزرگو اور دوستو! انسان کی سعادت مندی یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں تقویٰ پیدا کرے، بزرگو اور عارفین صادقین کی خدمت میں رہ کر اپنے قلب اور اعمال کی اصلاح کرے، قلب کی اصلاح بھی ضروری ہے اور ظاہر میں اتباع شریعت بھی ضروری ہے۔ دونوں چیزوں کی اصلاح کی فکر کرنا ہے، چنانچہ تقویٰ کی حقیقت واضح کرتے ہوئے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ارشاد فرمایا:

تقویٰ وہ ہے کہ جو حدیث میں ہے:

''الا ان التقویٰ ھٰھنا واشار الی صدرہ.''

[خوب کان کھول کر دھیان سے سنو کہ تقویٰ یہاں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرما کر اپنا ہاتھ مبارک دل پر رکھ کر اشارہ فرمایا کہ تقویٰ یہاں ہے۔]

تو معلوم ہوا کہ تقویٰ کا تعلق قلب سے ہے، ہاں ظاہری درستی بھی اس پر مرتب ہوتی ہے۔ تو اصل لغت میں اس کی حقیقت ہے ڈرنا اور شریعت میں ایک مضاف الیہ کی تخصیص ہے کہ خدا سے ڈرنا۔

پس تقویٰ تو افعالِ قلوب سے ہے تو ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ میں تو یہ فرمایا کہ قلب کو درست کرو جو کہ قلب کی اطاعت ہے، اس کے بعد فرمایا: ﴿وَاسْمَعُوْا﴾ یہ جوارح کا فعل اور اس کی اطاعت ہے، پس حاصل یہ ہوا کہ تم ظاہر اور باطن دونوں کو اطاعتِ خداوندی میں مشغول کرو۔"

یہ ہے اصلاح مگر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نے تو صرف ظاہر کی درستی پر اکتفا کر لیا ہے کہ داڑھی اور پاجامہ درست کر لیا اور دوسروں پر ہزار طعن کریں گے اگرچہ قلب کی حالت کیسی ہی خراب ہو؟ حدیث میں ہے کہ اخیر زمانہ میں ایک قوم ہوگی جس کی حالت یہ ہوگی کہ

"یلبسون جلود الضان والسنتھم احلی من السکر وقلوبھم امر من الذباب"

[ظاہر میں نرم بنیں گے، ان کی زبانیں بہت میٹھی ہوگی، چکنی چپڑی ہوگی مگر قلوب ان کے گرگ سے سخت ہوں گے۔]

اور اگر "یلبسون" کا ظاہری معنی لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ فقیرانہ لباس پہنیں گے، ایک بزرگ فرماتے ہیں ____:

از بروں چوں گورِ کافر پر حلل
واندرونِ قہر خدا عزوجل

کہ ظاہرتو بہت نیک اور باطن ایسا خبیث ،تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قربِ قیامت ایک طبقہ ایسا ہوگا جن کا ظاہر بہت نیک ہوگا لیکن باطن برا ہوگا، تو ہمیں ہمارے باطن کو بھی تقویٰ سے آراستہ کرنا ہے۔ اگر ہمارا ظاہر نیک ہے لیکن باطن گناہوں سے بھرا ہوا ہے، تو سمجھ لو کہ ہمارے اندر تقویٰ نہیں ہے، ہمیں ہمارے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی ضرورت ہے، جیسے ہم نے ہمارے ظاہر کو اچھا بنایا ہے ایسے ہی باطن کو بھی اچھا بنانا ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ظاہر میں کیا رکھا ہے باطن اچھا ہونا چاہئے، ہم نیک عمل کرتے ہیں، ہمارے دل میں گناہ کا خیال نہیں ہے، پھر اگر ہم ظاہر کو شریعت کے مطابق نہیں بنائیں گے تو بھی کوئی حرج نہیں، ایسے بھی کچھ لوگ ہمارے معاشرہ میں ہے، جو بظاہر حال کہتے ہیں ـــــ:

در عمل کوش وہرچہ خواہی پوش

نیک عمل کرو اور ظاہر کیسا بھی رکھو اس میں کوئی حرج نہیں، صاحبو! اس مقابل کے دعویٰ میں دو جزء ہیں: ایک تو یہ کہ ظاہر میں کیا رکھا ہے تو اس دعویٰ کی تو نصوص سے تغلیط ہوگئی یعنی اس دعویٰ کا غلط ہونا ثابت ہوگیا۔ دوسرا جز یہ کہ باطن ٹھیک ہونا چاہئے تو یہ بات تو درست ہے؛ مگر یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان لوگوں کا باطن درست ہے کیونکہ ظاہر، باطن کے تابع ہوتا ہے، اگر باطن درست ہوتا تو ظاہر جو کہ تابع ہے وہ کیسے درست نہ ہوتا؟ اگر آپ کسی حاکم کے پاس جاویں اور آپ سلام بھی نہ کریں اور جب باز پرس ہو تو آپ کہیں کہ جناب میرا قلب آپ کی محبت وعظمت سے پُر ہے تو وہ حاکم کہے گا کہ ہرگز ممکن

نہیں کہ قلب میں محبت وعظمت ہو اور پھر گردن نہ جھک جائے، تو اگر ظاہر خراب ہے تو یہ دلیل ہو سکتی ہے اس کی کہ باطن بھی درست نہیں۔

(وعظ التقویٰ بحوالہ حقیقت تصوف وتقویٰ ص:۳۱۔۳۲)

بزرگو اور دوستو! آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ تقویٰ کی کس قدر اہمیت ہے اور اپنی زندگی کو اور اپنے دل کو تقویٰ سے مزین کرنے کی کس قدر ضرورت ہے۔ یوں کہنا چاہئے کہ تقویٰ سارے اسلامی احکامات کی غایت ہے۔ اسلام کی ہر تعلیم کا مقصد اپنے ہر عمل کے قالب میں اسی تقویٰ کی روح کو پیدا کرنا ہے۔

تقویٰ پر اللہ کے وعدے:

اور اللہ پاک نے قرآن مجید میں تقویٰ پر بڑے بڑے وعدے بیان فرمائے ہیں، متقی حضرات ہی تمام اخروی نعمتوں کے مستحق ہیں، اگر ہمارے اندر تقویٰ ہوگا تو ہمیں کیا ملے گا؟ اور متقین کے لئے دنیا وآخرت میں کیا کیا وعدے کئے گئے ہیں؟ وہ قرآن کی آیتوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

ا......اللہ کی معیت:

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (البقرہ: ۱۹۴)

[اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔]

اللہ پاک کی معیت بہت بڑی نعمت ہے۔ جس کو اللہ عزوجل کی معیت حاصل ہو جائے اسے بہت عظیم الشان نعمت حاصل ہو گئی اور یہ معیت تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔

۲......تقویٰ سے کامیابی:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰاُولِى الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ. (المائدہ: ۱۰۰)

[سوائے عقل مندوں! اللہ سے ڈرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔]

اس آیت میں تقویٰ پر فلاح کا وعدہ ہے۔

۳......متقیوں پر رحمت خداوندی:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ.
(الانعام: ۱۵۵)

[اور یہ کتاب ہے اس کو ہم نے اتارا ہے برکت والی بنا کر تو اس کی پیروی کرو اور ڈرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔]

اس آیت میں متقین پر رحمت خداوندی کا وعدہ ہے۔

۴......قیامت کے دن متقی اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوں گے:

يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا. (المریم: ۸۵)

[جس دن ہم متقیوں کو رحمٰن (کے دار النعیم) کی طرف مہمان بنا کر جمع کریں گے۔]

تقویٰ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنا بڑا اعزاز ہے، اللہ ہم سب کو تقویٰ نصیب فرمائے؛ آمین۔

۵......رحمت، نور، مغفرت سب تقویٰ کی برکت:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.
(الحدید: ۲۸)

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ کہ وہ تمہیں اپنی رحمت سے دوہرا حصہ دے اور تمہارے لئے نور پیدا کر دے جس کی روشنی میں تم چلو اور تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔]

اگر ہمارے اندر تقویٰ ہوگا تو ہمارے ہر عمل کا بدلہ ہمیں دوہرا ملے گا، اور اللہ کی طرف سے ایک خاص ہدایت ملے گی جس سے حق و باطل خود ہم پر روشن ہو جائے گا، نیز اللہ کی طرف سے متقین کے لئے اس آیت میں بخشش کا بھی وعدہ ہے۔

۶......قرآن متقیوں کے لئے ہدایت ہے:

الٓمّٓ. ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ. (البقرہ: ۱،۲)

[یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ راہ بتلانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو۔]

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی تعلیم سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو تقویٰ والے ہیں۔

۷......آسمان وزمین کی برکتوں کا کھلنا:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)

[اگر بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیز کرتے تو ہم ان پر ضرور آسمان اور زمین کی برکتیں کھول دیتے۔]

۸......متقی لوگ ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں:

اُولٰئِکَ عَلٰی هُدًی مِّنْ رَّبِّهِمْ وَاُولٰئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ. (البقرہ: ۵)

[یہی لوگ جو متقی ہیں اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی متقی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔]

۹......متقیوں کے اعمال مقبول ہیں:

اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ. (المائدہ: ۲۷)

[اللہ تو بس متقیوں ہی سے (اعمال) قبول کرتا ہے۔]

۱۰......اللہ متقیوں کا دوست ہے:

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ. (الجاثیة: ۱۹)

[اور اللہ تعالیٰ تو متقیوں کا دوست ہے۔]

۱۱......خدا کے یہاں تقویٰ پر عزت:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ. (الحجرات: ۱۳)

[بے اللہ کے نزدیک تم میں سب سے عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی ہے۔]

اللہ اکبر! اندازہ لگایئے اللہ پاک کے یہاں تقویٰ کی کتنی قدر ہے اور متقیوں کے لئے خدا کے یہاں کتنا بڑا درجہ ہے۔ اکرم، افعل التفضیل کا صیغہ ہے جس سے مزید عزت وقابل اکرام ہونا معلوم ہوتا ہے۔

۱۲......متقیوں کا بہترین انجام:

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى. (النساء: ۷۷)

[اور آخرت کا انجام اس کے لئے بہتر ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے۔]

یعنی جو اللہ کا خوف اور اللہ کا تقویٰ اپنے اندر پیدا کرے آخرت ان کے لئے بہتر ہے، وہاں ان کا بڑا اعزاز ہوگا، ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. (الیوسف: ۱۰۹)

[اور بے شک آخرت کا گھر ان کے لئے جو ڈرتے ہیں بہتر ہے تو کیا تم نہیں سمجھتے؟]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ. (الاعراف: ۱۲۸)

[بے شیک نیک انجام متقیوں کا ہے۔]

نیز فرمایا:

وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ . (الانعام: ۳۲)

[اور آخرت کا گھر ان کے لئے بہتر ہے جو اللہ سے ڈرتے ہیں]

نیز فرمایا:

وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى. (طٰہٰ: ۱۳۲)

[نیک انجام تقویٰ والوں کا ہے۔]

نیز ارشاد فرمایا:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِى الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ . (القصص: ۸۳)

[اور آخرت کا گھر ہم ان کو دیں گے جو زمین میں نہ بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد اور نیک انجام متقیوں کا ہے۔]

نیز ارشاد فرمایا:

وَالْاٰخِرَةُ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ. (الزخرف: ۳۵)

[اور آخرت تیرے پروردگار کے یہاں متقیوں کے لئے ہے۔]

ان آیتوں میں تقویٰ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی بشارت دی گئی ہے، کہ آخرت میں متقیوں کو بہت بہتر اجر اور بدلہ ملے گا، جو لوگ آخرت کی نعمتوں کو سمجھتے ہیں وہ ان آیتوں میں دی ہوئی بشارت کو سمجھ سکتے ہیں۔

۱۳......متقیوں کے لئے گناہوں کا کفارہ اور مغفرت اور بڑا بھاری اجر ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ. (الانفال: ۲۹)

[اے ایمان والو! اگر اللہ سے ڈرتے رہوگے (تو) وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تم کو ایک فیصلہ کی چیز دے گا اور تم سے تمہارے گناہوں کو دور کردے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔]

یعنی تقویٰ کی برکت سے حق تعالیٰ تمہارے دلوں میں ایک نور ڈال دے گا جس سے ذوقاً و وجداناً حق و باطل اور نیک و بد میں فیصلہ اور تمیز کرسکو گے۔

۱۴......اعمال کی مقبولیت اور مغفرت کا وعدہ:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا . يُصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا.

(الاحزاب: ۷۰، ۷۱)

[اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور درست بات کہو، اللہ تعالیٰ (اس کے صلہ میں) تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا اور جو اللہ

تعالیٰ اوراس کے رسول کی اطاعت کرے گا سووہ بڑی کامیابی کو پہنچے گا۔]

۱۵......مغفرت اورعزت واجر کی بشارت:

اِنَّمَا تُنُذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكُرَ وَخَشِيَ الرَّحُمٰنَ بِالْغَيُبِ فَبَشِّرُهُ بِمَغُفِرَةٍ وَّاَجُرٍ كَرِيُمٍ. (يٰسٓ: ۱۱)

[بس آپ تو صرف ایسے شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت پر چلے اور خدا سے بے دیکھے ڈرے سو آپ اس کو مغفرت کی وعزت کے اجر کی بشارت سنا دیجئے۔]

۱۶......دل چاہی چیزیں تقویٰ کی برکت سے:

وَالَّذِیُ جَاءَ بِالصِّدُقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوُنَ. لَهُمُ مَّا يَشَاءُ وُنَ عِنُدَ رَبِّهِمُ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحُسِنِيُنَ . (الزمر: ۳۳.۳۲)

[اور جو لوگ سچی بات لے کر آئے اور (خود بھی) اس کو سچ جانا تو وہ لوگ پرہیزگار ہیں وہ جو کچھ چاہیں گے ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس سب کچھ ہے، یہ صلہ ہے نیک کاروں کا۔]

۱۷......گناہوں کا کفارہ:

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنُهُمُ اَسُوَاَ الَّذِیُ عَمِلُوُا وَيَجُزِيَهُمُ اَجُرَهُمُ بِاَحُسَنِ الَّذِیُ كَانُوُا يَعُمَلُوُنَ. (الزمر: ۳۵)

[تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ان کے برے عملوں کو دور کردے اور ان کے نیک کاموں کے عوض ثواب دے۔]

ایک اور موقعہ پر ارشاد فرمایا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يُكَفِّرْ عَنْهُ سَيِّاٰتِهٖ وَيُعْظِمْ لَهٗ اَجْرًا. (الطلاق: ۵)

[اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے گناہ اس سے دور کر دے گا اور اس کو بڑا اجر دے گا۔]

۱۸......ڈرنے والوں سے اللہ راضی ہے:

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ رَبَّهٗ . (البينة: ۸)

[خدا ان سے خوش رہے گا اور وہ اللہ سے خوش رہیں گے، یہ (جنت اور رضا) اس شخص کے لئے ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے۔]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ. (الملك: ۱۲)

[جو لوگ بن دیکھے اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے۔]

۱۹......ڈرنے والوں کے لئے بے گمان روزی:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ.
(الطلاق:۲،۳)

[اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے (مضرتوں سے) نجات کی شکل نکال دیتا ہے اور اس کو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اس کا گمان بھی نہیں ہوتا۔]

۲۰......ڈرنے والوں کا کام اللہ تعالیٰ آسان کر دے گا:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا. (الطلاق: ۴)

[اور جو شخص اللہ سے ڈرے گا اللہ تعالیٰ اس کے لئے ہر کام میں آسانی کر دے گا۔]

۲۱......ڈرنے والوں کے لئے طرح طرح کی نعمتیں:

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ م بِالْعِبَادِ.

(آل عمران:۱۵)

[آپ فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں کہ جو بدرجہا بہتر ہے تمہاری ان چیزوں سے (سوسنو) ایسے لوگوں کے لئے جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے مالک (حقیقی) کے پاس ایسے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (ان کے لئے) ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور (ان کے لئے) خوشنودی ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے بھالتے ہیں بندوں کو۔]

۲۲......متقیوں کی مہمانی:

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ. (آل عمران: ۱۹۸)

[لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈریں ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں وہ یہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں۔]

۲۳......جنت کے چشمے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ. اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ. (الحجر:۴۵،۴۶)

[بے شک متقی لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے (کہا جائے گا) ان میں امن سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔]

۲۴......متقیوں کو سلام:

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَاءُ وْنَ کَذٰلِکَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ. الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰئِکَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْکُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ.(النحل: ۳۱،۳۲)

[ہمیشہ رہنے کے باغ جن میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں جاری ہیں ان کے لئے ان باغوں میں وہ ہوگا جو وہ چاہیں گے، اللہ متقیوں کو ایسی ہی جزاء دیتا ہے جن کی روح فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک) پاک ہوتے ہیں وہ (فرشتے) کہتے جاتے ہیں السلام علیکم تم جنت میں چلے جانا اپنے اعمال کے سبب۔]

۲۵......جنت کے انعامات:

قُلْ اَذٰلِکَ خَیْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ . (الفرقان: ۱۵)

[آپ منکرین سے فرما دیجئے بھلا یہ (عذاب) بہتر ہے یا ہمیشہ کی بہشت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

هٰذَا ذِكْرٌ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ . جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ. مُتَّكِئِيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ. وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ . هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ . اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ.

(سورۂ ص: ۴۹ سے ۵۴)

[ایک نصیحت کا مضمون تو یہ ہو چکا اور پرہیزگاروں کے لئے (آخرت میں) اچھا ٹھکانہ ہے یعنی ہمیشہ کے باغات جن کے دروازے ان کے واسطے کھلے ہوں گے، وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے اور وہ وہاں (جنت کے خادموں سے) بہت سے میوے اور پینے کی چیزیں منگوائیں گے اور ان کے پاس نیچی نگاہ والیاں ہم عمر ہوں گی (اے مسلمانو!) یہ وہ (نعمت) ہے جس کا تم سے روزِ حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے، بے شک یہ ہماری عطا ہے جس کے لئے ختم ہونا نہیں ہے۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّنْ فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيْعَادَ. (الزمر: ۲۰)

[لیکن جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرے ان کے لئے بالاخانے ہیں، ان بالاخانوں کے اوپر بالاخانے بنائے ہوئے ہیں ان کے نیچے نہریں جاری ہیں، اللہ کا وعدہ کیا ہوا ہے، اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰى اِذَا جَآئُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ. وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ فَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ. (الزمر: ۷۳، ۷۴)

[اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہوکر جنت کی طرف روانہ کئے جاویں گے یہاں تک کہ جب وہ اس (جنت) کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے (پہلے سے) کھلے ہوئے ہوں گے (تاکہ ذرا بھی دیر نہ لگے) اور وہاں کے (محافظ) فرشتے ان سے کہیں گے السلام علیکم تم مزہ میں رہو سو اس (جنت) میں ہمیشہ رہنے کے لئے داخل ہوجاؤ اور وہ (داخل ہوکر) کہیں گے کہ اس اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم سے اپنا وعدہ سچا کیا اور ہم کو اس سرزمین کا مالک بنادیا کہ ہم جنت میں جہاں چاہیں مقام کریں، پس (نیک) عمل کرنے والوں کا اچھا بدلہ ہے۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِىْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ. فِىْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ . يَلْبَسُوْنَ مِنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ. كَذٰلِكَ وَزَوَّجْنٰهُم بِحُوْرٍ عِيْنٍ. يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِكُلِّ فَاكِهَةٍ اٰمِنِيْنَ . لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا الْمَوْتَ اِلَّا الْمَوْتَةَ الْاُوْلٰى وَوَقٰهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ. فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ.

(الدخان: ۵۱ سے ۵۷)

[بے شک خدا تعالیٰ سے ڈرنے والے امن (چین) کی جگہ میں ہوں گے،

باغوں میں اور نہروں میں ہوں گے، (اور) وہ لباس پہنیں گے باریک اور دبیز ریشم کا آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے (اور) یہ بات اسی طرح ہے اور ہم ان کا گوری گوری بڑی بڑی آنکھوں والیوں سے بیاہ کریں گے (اور) وہ وہاں اطمینان سے ہر قسم کے میوے منگاتے ہوں گے (اور) وہاں بجز اس موت کے جو دنیا میں آ چکی تھی اور موت کا ذائقہ بھی نہ چکھیں گے (یعنی مریں گے نہیں) اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ سے بچالے گا۔ یہ سب آپ کے رب کے فضل سے ہوگا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَاُزۡلِفَتِ الۡجَنَّةُ لِلۡمُتَّقِيۡنَ غَيۡرَ بَعِيۡدٍ. (قٓ: ۳۱)

[اور جنت متقیوں کے قریب کی جائے گی، دور نہیں ہوگی]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الۡمُتَّقِيۡنَ فِيۡ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ. فِيۡ مَقۡعَدِ صِدۡقٍ عِنۡدَ مَلِيۡكٍ مُّقۡتَدِرٍ. (اَلقمر:۵۴،۵۵)

[بے شک متقی باغوں اور نہروں میں ہوں گے، ایک عمدہ مقام میں قوت والے بادشاہ کے پاس ہوں گے۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِلۡمُتَّقِيۡنَ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ. (الملک: ۳۴)

[بے شک متقیوں کے لئے ان کے پروردگار کے ہاں نعمتوں والے باغ ہیں۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْـمُتَّـقِيْـنَ فِـىْ ظِـلٰلٍ وَّعُيُوْنٍ. وَّفَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ. كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْئًا مبِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ. اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ.
(المرسلات:۴۴)

[بے شک متقی لوگ سایوں اور چشموں میں ہیں اور میووں میں جس قسم سے چاہیں (اوران سے کہا جائے گا) کہ اپنے اعمال کے (نیک) صلہ میں خوب مزے سے کھاؤ پیو، ہم نیک لوگوں کوایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ مَفَازًا . حَدَائِقَ وَاَعْنَابًا. وَّكَوَاعِبَ اَتْرَابًا. وَّكَاْسًا دِهَاقًا. لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا . جَزَاءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَاءً حِسَابًا.
(النبا:۳۶)

[بے شک متقیوں کے لئے کامیابی ہے (یعنی کھانے اور سیر وتفریح کو) باغ (جن میں طرح طرح کے میوے اور) انگور ہیں اور (دل بہلانے کو) نوخواستہ ہم عمر عورتیں ہیں اور (پینے کو) لبالب بھرے ہوئے جام شراب اور وہاں نہ کوئی بے ہودہ بات سنیں گے اور نہ جھوٹ۔ یہ ان کو ان کی نیکیوں کا بدلہ ملے گا جو کہ کافی انعام ہوگا آپ کے رب کی طرف سے۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى . فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى. (النازعات: ۴۰، ۴۱)

[اور جو شخص اپنے پروردگار کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اور اس نے اپنے نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک اس کا ٹھکانہ جنت ہوگا۔]

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ. (الرحمٰن: ۴۶)

[اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے (ہر وقت) ڈرتا رہتا ہو اس کے لئے (جنت میں) دو باغ ہوں گے۔]

بزرگو اور دوستو! آپ نے یہ آیتیں سماعت فرمائیں، متقیوں کے لئے کیسی کیسی بشارتیں ہیں اور ان کے لئے ان کے مہربان رب نے جنت میں کیسی کیسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں، تو اللہ تعالیٰ کا تقویٰ، اللہ کا خوف اور خشیت بہت ہی اہم چیز ہے، کوشش کر کے مجاہدہ کر کے اللہ والوں کی صحبت میں رہ کر ان کا اتباع کر کے اپنے دل میں یہ بیش بہا دولت تقویٰ پیدا کرنا چاہئے، اللہ پاک ہم سب کو تقویٰ کی دولت عطا فرمائے، تقویٰ کے اوپر جنت کے وعدے ہیں، اسی طرح جہنم سے نجات کا بھی وعدہ ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے۔

۲۶......متقیوں کو جہنم سے نجات:

وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا. (المریم: ۷۲)

[پھر ہم ان کو جو ڈرے دوزخ سے بچالیں گے اور ظالموں کو اسی میں گھٹنوں کے بل پڑا رہنے دیں گے۔]

وَيُنَجِّى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ.
(الزمر:۶۱)

[اور جو لوگ (شرک و کفر سے) سے بچتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا ان کو (ذرا) تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ وہ غمگین

ہوں گے۔]

وَوَقٰـهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ. (الدخان: ۵۶)

[اور اللہ تعالیٰ ان کو دوزخ کے عذاب سے بچالے گا۔]

اِنَّ الْـمُتَّـقِيْـنَ فِـىْ جَنّٰتٍ وَّنَعِيْمٍ. فٰكِهِيْنَ بِمَا اٰتٰـهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقٰـهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ. (الطور: ۱۷، ۱۸)

[متقی لوگ بلاشبہ (بہشت کے) باغوں اور سامان عیش میں ہوں گے (اور) ان کو جو چیزیں ان کے پروردگار نے دی ہوں گی اس سے خوش دل ہوں گے اور ان کا پروردگار ان کو عذاب دوزخ سے محفوظ رکھے گا۔]

اَلْاَخِلَّآءُ يَوْمَئِذٍ بَـعْـضُهُـمْ لِبَـعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ. يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ. (الزخرف: ۶۷، ۶۸)

[تمام (دنیوی) دوست اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے بجز خدا سے ڈرنے والوں کے (اور مومنین کو خدا تعالیٰ کی طرف سے ندا ہوگی کہ) اے میرے بندو تم پر آج کوئی خوف نہیں اور نہ تم غمگین ہوں گے۔]

۲۷......انتفاء خوف وحزن دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی:

اَلَا اِنَّ اَوْلِيَـآءَ اللّٰـهِ لَا خَـوْفٌ عَـلَيْهِـمْ وَلَا هُـمْ يَحْزَنُوْنَ. اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ. (اليونس: ۶۲، ۶۳)

[یاد رکھو! اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوتے ہیں (اور وہ وہ ہیں جو) ایمان لائے اور پرہیز کرتے ہیں۔]

بزرگو! قرآن مجید کی چند آیات آپ کے سامنے پیش کی ہیں، ان سے آپ کو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ تقویٰ کی برکات کتنی ہیں اور تقویٰ کے کیا فضائل ہیں، تقویٰ پر ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے دشمنوں سے بھی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے۔

۲۸......دشمنوں سے حفاظت

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لاَ یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا . (آل عمران: ۱۲۰)

[اگر تم نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا تو ان (کفار و مشرکین) کی تدبیریں اور چالیں و مکاریاں تم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔]

یہ ۲۸ فوائد بیان کئے، چالیس سے زائد آیتوں میں اللہ نے متقین کے لئے بشارتیں بیان کی ہیں۔ اللہ پاک ہمیں تقویٰ کی دولت سے مالا مال فرمائے اور اپنے فضل سے ہم سب کی مغفرت اور حسن خاتمہ نصیب فرماوے اور اسی طرح ہمارے تمام مرحومین کی بھی مغفرت فرمائے؛ آمین۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

﴿ ۱۲ ﴾

تقویٰ کی حقیقت اوراس کے ثمرات

(قسط چہارم)

حضرات ! معاصی سے اجتناب تقویٰ کے لئے بہت اہم ہے۔ جب تک انسان گناہوں کو نہ چھوڑے وہ متقی بن ہی نہیں سکتا۔ کامل اور حقیقی متقی وہی ہے جو اللہ تعالی کے اوامر کو پورا کرے، نواہی سے اجتناب کرے کیونکہ گناہ ومعصیت تو زہر قاتل ہے۔ ہم بڑی بڑی نفل عبادت کر لیتے ہیں، صدقہ وخیرات، نفلی حج اور عمرہ کر لیتے ہیں مگر گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔ تو اوامر پر عمل کرنے کے ساتھ نواہی اور گناہوں سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

تقویٰ اور خوف الٰہی بہت بڑی نعمت ہے۔ جن کو عظمت الٰہی اور خوف الٰہی کا استحضار رہتا ہے ان کے لئے طاعت وعبادت بھی آسان ہے اور گناہوں سے بچنا بھی آسان ہے۔ خوف الٰہی بڑے سے بڑے گناہ سے خفاظت کے لئے زبردست آڑ ہے۔ اگر تقویٰ اور اللہ کا خوف نہ ہو تو انسان سب کچھ کر گذرتا ہے اور خوف الٰہی ہوتا ہے تو تنہائیوں میں بھی وہ گناہوں سے بچتا ہے۔

۱۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تقویٰ کی حقیقت اوراس کے ثمرات

(قسط چہارم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنّ سَیِّدَنَاوَ شَفِیْعَنَاوَحَبِیْبَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَاَھْلِ طَاعَتِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْراً کَثِیْراً...... اَمَّا بَعْدُ !

فَاَعُوْذُبِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ o بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.
(آل عمران:۱۰۲)

[اے ایمان والو! اللہ سے ایسا ڈرا کرو جیسا ڈرنے کا حق ہے، اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دو۔]

یٰاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ. (التوبہ: ۱۱۹)

[اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔]

صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذلک من الشاھدین و الشاکرین و الحمد للّٰہ رب العالمین۔

تقویٰ کے درجات:

بزرگو اور دوستو! تقویٰ کے متعلق گفتگو چل رہی تھی، تقویٰ کے چار درجات امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے آپ کی خدمت میں عرض کئے تھے۔ بعض حضرات نے ذرا عنوان بدل کر اس طرح بھی بیان فرمایا ہے کہ تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ تین کہو یا چار کہو، سب کا مآل ایک ہی ہے۔

ان حضرات نے فرمایا کہ تقویٰ کا پہلا درجہ کفر و شرک سے بچنا ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے ہر مسلمان کو متقی کہا جا سکتا ہے۔ اور اللہ رب العزت کے اس فرمان ﴿وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى﴾ (الفتح:٢٦) میں تقویٰ سے یہی درجہ مراد ہے۔

٢......تقویٰ کا دوسرا درجہ ہر اس چیز سے بچنا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک پسندیدہ نہ ہو۔ یہی درجہ دراصل مطلوب ہے، اور قرآن وحدیث میں تقویٰ کے جو فضائل اور برکات بیان کئے گئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔ چنانچہ حدیث میں ہے:

لا يبلغ العبد ان يكون من المتقين حتى يدع مالا بأس به حذرا لما به بأس. (مشكوة: ٢۴٢)

[یعنی انسان اس وقت تک متقی نہیں ہوسکتا جب تک کہ بے خطرہ والی چیزوں کو خطرہ والی چیزوں کے خاطر نہ چھوڑ دے۔]

نیز حدیث میں ہے:

الحلال بين و الحرام بين و بينهما مشبهات فمن اتقى الشبهات

استبرأ لدينه و عرضه و من وقع في الشبهات وقع في الحرام. الخ
(مشکوۃ:۲۴۱)

[یعنی جو چیزیں حلال ہیں وہ بالکل ظاہر ہیں اور جو چیزیں حرام ہیں وہ بھی ظاہر ہیں ان کے درمیان کچھ مشتبہ چیزیں ہیں۔ جو ایسی مشتبہ چیزوں سے بچے گا وہ اپنے دین اور آبرو کو بچالے گا اور جو مشتبہ چیزوں کو اختیار کرے گا وہ حرام میں پڑ جائیگا۔]

۳......تیسرا درجہ تقویٰ کا وہ ہے جو سب سے اعلیٰ ہے۔ یہ درجہ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام اور ان کے خاص نائبین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے، یعنی اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچالینا اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا۔ حقیقی تقویٰ یہی ہے کہ بالکلیہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جائے، چنانچہ آیت کریمہ

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ

[اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جیسا کہ تقویٰ کا حق ہے۔]

میں اسی تقویٰ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ انبیا علیہم السلام کا تقویٰ اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہوتا تھا اور تمام انبیاء علیہم السلام کے سردار امام الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقویٰ، اللہ اکبر! کیسا ہوگا؟ ہم اور آپ اس تقویٰ کی کیفیت اور کمیت کو سوچ بھی نہیں سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تقویٰ تو سب سے بڑھ کر ہے۔ خود آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا:

انی اتقاکم اللّٰہ

[میں تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں میں تمہارے اندر سب

سے زیادہ متقی ہوں۔]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امت کے افضل ترین شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقویٰ، خلفائے راشدین کا تقویٰ، عشرۂ مبشرہ کا تقویٰ، بدری صحابہ کا تقویٰ، ازواج مطہرات کا تقویٰ، بنات طاہرات کا تقویٰ اور پھر دیگر صحابہ وصحابیات رضی اللہ عنہم اجمعین کا تقویٰ اور ان کے بعد تابعین، تبع تابعین، صلحاء امت، اولیاء اللہ کا تقویٰ۔ کتابوں کے اندر ان بزرگوں کے تقویٰ کے عجیب عجیب واقعات اور تقویٰ کے عجیب حالات لکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے بارہا سنے اور پڑھے ہوں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے تقویٰ کے واقعات آپ کے سامنے گاہے گاہے بیان بھی کئے ہیں، یہ حضرات تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور فیض کی برکت سے صحابہ میں بھی اعلیٰ درجہ کا تقویٰ تھا۔

حسن بصریؒ اور خوف خدا:

اولیاء امت کے تقویٰ کے واقعات بھی عجیب عجیب ہیں۔ دل چاہتا ہے کہ آج ان بزرگوں اور اولیا اللہ کے تقویٰ کے کچھ واقعات آپ کی خدمت میں پیش کروں۔

تصوف کے امام حضرت حسن بصریؒ بہت اونچے درجہ کے تابعین میں سے ہیں۔ آپ نے ایک سو بیس صحابہ کی زیارت فرمائی ہے، آپ کے بے شمار فضائل ومناقب ہیں اس کے بیان کرنے کے لئے تو پورا ایک دفتر درکار ہے۔ آپ اعلیٰ درجہ کے متقیوں میں سے تھے۔

تصوف کی اصطلاح میں ایک کیفیت ہے جسے احسان کہتے ہیں، احسان کا معنی

یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کے حضور اور سامنے ہونے کا ہر وقت تصور رہے۔ اسے مشاہدہ اور استغراق بھی کہتے ہیں۔

حدیث جبرئیل میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرئیلؑ نے پوچھا:

اخبرینی عن الاحسان قال ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک. (مشکوۃ)

[اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بتلایئے احسان کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر ایسا ممکن نہ ہو، یعنی اتنا حضور قلب میسر نہ ہو سکے تو پھر یہ دھیان میں رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔]

حضرت حسن بصریؒ پر یہ کیفیت بہت غالب تھی۔ وہ اللہ کی جلالت شان سے ہر وقت خائف و ترساں رہتے تھے۔ ان کی روحانی کیفیت تو یہ تھی:

ذکرک فی فمی و خیالک فی عینی
و مثواک فی قلبی فاین تغیب

[تیرا ذکر مبارک میری زبان پر، تیرا خیال و تصور میری آنکھوں میں اور تیرا ٹھکانہ میرا قلب ہے۔ پس تو غائب کیسے ہو سکتا ہے؟]

گویا اس شعر کے حقیقی معنی میں مصداق تھے:

بسا ہے نظروں میں کچھ ایسا کہ
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے

یونس بن عبید سے کسی نے سوال کیا ’’آپ کسی ایسے شخص کو بھی جانتے ہیں جو حسن بصری کی طرح عمل کرتا ہو؟‘‘

کہنے لگے ’’عمل کرنا تو بہت دشوار ہے، میں نے تو ایسا شخص بھی نہیں دیکھا جو ان کے اقوال کی طرح اقوال کہتا ہو۔‘‘

اس کے بعد انہوں نے حضرت حسن بصریؒ کی توصیف کرتے ہوئے بیان کیا وہ جب آتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے کسی قریبی دوست کو دفن کر کے آ رہے ہیں۔ جب بیٹھتے تو اس قدر اداس ہوتے تھے کہ گویا ایک قیدی ہیں جس کے قتل کا حکم دیا جا چکا ہے اور جب ان کے سامنے دوزخ کا تذکرہ کیا جاتا تو ان پر ایسی دہشت طاری ہوتی تھی گویا دوزخ ان کے سوا کسی اور کے لئے پیدا ہی نہیں کی گئی۔

(شذرات الذہب: ۱/ ۱۳۸)

جب ان کا انتقال ہوا تو لوگوں نے ہاتف غیبی کی ندا سنی کہ آخرت کا فکر اور حزن و ملال دنیا سے رخصت ہو گیا۔ آپ بہت ہی بے قرار رہتے تھے۔ کسی نے پوچھا حضرت آپ کا حال کیسا ہے؟ فرمایا میرا حال ایسا ہے جیسے کچھ لوگ کشتی میں سوار ہوں اور کشتی دریا میں چل رہی ہو اور موجوں کے تھپیڑوں سے اور دریا کے تلاطم و تموج سے کشتی ٹوٹ جائے اور ایک شخص کسی تختہ پر رہ گیا ہو اور دریا بہت گہرا ہو تو اس کی کیا کیفیت ہوگی؟ وہ سمجھے گا کہ شاید اب ڈوبا، تب ڈوبا۔ جتنی بے قراری و بے چینی و اضطراب کی کیفیت اس کی ہوگی اس سے زیادہ بے قراری اور اضطراب مجھے ہے۔

آپ پر خوف کا غلبہ تھا کہ ایک موقع پر یہ تمنا ظاہر کی کہ کاش میں وہ شخص ہوتا جو جہنم سے سب سے آخر میں نکالا جائیگا، (جسکا واقعہ حدیثوں میں آتا ہے) اس کا یہ مطلب

نہیں کہ آپ کو جہنم کا شوق تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ جو سب سے اخیر میں جہنم سے نکالا جائے گا اس کے بارے میں یہ تو طے ہے کہ اس کا خاتمہ بھی ایمان پر ہوگا۔ اسی وجہ سے تو وہ بالآخر جنت میں جائے گا۔ آپ کو ایمان پر خاتمہ کی اس قدر فکر تھی۔

(فیض ابرار: ۵/۲۵۹)

سعید بن جبیرؒ اور خوف خدا:

سعید بن جبیرؒ تابعین میں ایک بہت بڑے زبردست عالم ہیں، آپ تفسیر کے بڑے ماہر تھے۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں میں سے تھے۔ تفسیر و حدیث دونوں میں اپنے زمانہ میں یکتا تھے۔ ان تمام علمی کمالات کے باوجود زہد و تقویٰ میں بھی امتیازی شان رکھتے تھے، خشیت ربانی حد سے بڑھا ہوا تھا۔ سوز و گدازِ قلب جو تمام نیکیوں اور بھلائیوں کا سرچشمہ ہے ان میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ قاسم بن ایوبؒ کہتے ہیں سعید بن جبیرؒ رات رات بھر روتے رہتے تھے یہاں تک کہ ان کی آنکھوں میں چندھیاہٹ پیدا ہوگئی تھی۔ ایک مرتبہ یہ آیت بار بار پڑھتے تھے اور روتے جاتے تھے:

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ (البقرة: ۲۸۱)

[اور ڈرو اس دن سے جس دن میں تم اللہ کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔]

آپ نے حق کے خاطر اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کردی۔ مشہور ظالم بادشاہ حجاج بن یوسف کے دربار میں بے دریغ حق بات سناتے رہے جس کی وجہ سے حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کر دیا۔ ”اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ، رحمة الله عليه رحمةً واسعةً.“

میمون بن مہران ؒ کی خشیت ربانی اور معاصی سے اجتناب:

آپ بڑے فضل وکمالات اور عجیب خوبیوں کے مالک تھے۔فن حدیث میں مسلم الثبوت تھے، اورفن حدیث کے امام تھے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، ابن زبیرؓ،سعید بن جبیرؓ، نافع مولی ابن عمرؓ، وغیرہ کبار صحابہ سے علم حاصل کیا۔اس کے علاوہ خداوند تعالیٰ سے بہت ڈرنے والے تھے۔خشیت ربانی کا بڑا غلبہ تھا۔ممنوعات سے بہت اجتناب کرتے تھے۔ان کے صاحبزادہ کا بیان ہے کہ میرے والد فرائض کے علاوہ زیادہ نماز وروزہ نہیں رکھتے تھے،مگر معصیت کے قریب جانے کو بہت براجانتے تھے۔

(تہذیب التہذیب:۱/۳۹۱)

محترم حضرات! معاصی سے اجتناب تقویٰ کے لئے بہت اہم ہے۔جب تک انسان گناہوں کو نہ چھوڑے وہ متقی بن ہی نہیں سکتا۔کامل اور حقیقی متقی وہی ہے جو اللہ تعالی کے اوامر کو پورا کرے،نواہی سے اجتناب کرے کیونکہ گناہ ومعصیت تو زہر قاتل ہے۔ہم بڑی بڑی نفل عبادت کر لیتے ہیں،صدقہ وخیرات نفلی حج اور عمرہ کر لیتے ہیں مگر گناہوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتے۔تو اوامر پر عمل کرنے کے ساتھ نواہی اور گناہوں سے بھی اجتناب ضروری ہے۔

علامہ ابن سیرین ؒ کا تقویٰ:

محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ’’فن تعبیر الرؤیا‘‘ کے امام تھے۔تابعین میں سے ہیں۔ان کی والدہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی باندی تھیں۔وہ بھی اس شان کی تھیں کہ ان کے نکاح کے وقت ۱۸ربدری صحابہ کرام موجود تھے۔آپ نے بڑے بڑے اجل صحابہ

سے اکتساب فیض کیا۔ حضرت انسؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت عمران بن حصینؓ سے فیض صحبت اور علم حاصل کیا۔ تفسیر و حدیث وفتاویٰ میں ایک ماہر امام کے علاوہ فن تعبیر الرؤیا میں مشہور امام تھے، لیکن اس کے باوجود زہد وورع وتقویٰ کا یہ عالم تھا کہ وہ خود فرماتے ہیں کہ خواب و بیداری میں میں ام عبداللہ یعنی اپنی بیوی کے سوا کسی عورت کے پاس نہیں آیا۔ خواب میں بھی کسی اجنبی عورت کو دیکھتا ہوں تو فوراً خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ عورت میرے لئے حلال نہیں ہے۔ اس خیال کے آنے سے فورا نگاہ پھیر لیتا ہوں۔

(تاریخ خطیب بغدادی:۵/۳۳۶)

روزی اور کمائی میں احتیاط کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ زیتون کے تیل کی مشک چالیس ہزار درہم میں خریدی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں چوہا مرا ہوا نکل آیا۔ حضرت ابن سیرینؒ نے اس خیال سے کہ ممکن ہے کہ کولہو میں چوہا مرا پڑا ہوا ہو، پوری مشک پھینکوادی۔ لیکن چونکہ خرید چکے تھے اس لئے تیل والے نے قیمت کا مطالبہ کیا، یہ ادا کرنے سے قاصر تھے۔ چنانچہ اس کے بدلہ انہیں قید کر دیا گیا، جیل کی قید و بند کی صعوبتیں پسند فرمائیں مگر کمال تقویٰ میں اس تیل کو نہ استعمال کیا، نہ فروخت کیا۔

(تہذیب الاسماء:۱/۸۴)

اس زہد واتقاء کا سبب یہ تھا کہ ان میں خوف خدا کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ ہشام بن حسان کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ ابن سیرین کی معیت میں ایک مکان میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ وہاں ہم نے ان کو دیکھا کہ دن کو ہنستے اور رات کو روتے تھے۔ ابن عون کہتے ہیں کہ ابن سیرین امت کے متعلق تو بہت پُر امید تھے، لیکن خود کی ذات کی نسبت بہت شدید اور سخت تھے۔

(تہذیب الاسماء وخطیب بغدادی)

ابو قلابہؒ کہتے ہیں کہ محمد بن سیرینؒ کی طرح کون نیزے کی دھار پر سوار ہونے کی طاقت رکھتا ہے؟ ان کے سامنے موت کا ذکر ہوتا تھا تو آخرت کے ڈر سے اس قدر متاثر ہوتے تھے کہ گویا ان کے ایک ایک عضو پر موت طاری ہوگئی ہو۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/۷۳)

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر گناہوں کی بد بو ظاہر ہوتی اور پھیلتی تو لوگ میرے گناہوں کی وجہ سے میرے قریب بھی نہ آتے۔'' سبحان اللہ کس قدر تواضع ہے، اور اپنی حالت پر کس قدر نظر ہے۔ جب کوئی شخص آپ سے خواب کے بارے میں سوال کرتا تو سوال کرنے والے سے فرماتے کہ بیداری میں خدا سے ڈرتے رہو گے تو جو کچھ خواب میں دیکھو گے تمہارے لئے مضر نہ ہوگا۔

(اقوال سلف: ۱/۱۶۱)

عبد الحمید بن عبد اللہؒ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ آپ نے تجارت کے لئے غلہ خریدا۔ اس میں آپ کو اسی ہزار درہم کا فائدہ ہوا، لیکن آپ کے دل میں شک پیدا ہو گیا کہ اس منافع میں سود کا شائبہ ہے تو آپ نے پوری رقم چھوڑ دی حالانکہ اس میں مطلق ربوا اور سود نہ تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۷/۱۹۹)

ابن عونؒ فرماتے ہیں، اگر کبھی آپ کے پاس کوئی کھوٹا درہم یا کھوٹا سکہ آجاتا تو اس سے قطعاً کوئی چیز نہیں خریدتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن آپ کے پاس پانچ سو کھوٹے درہم تھے، جو آگے نہ چلانے کی وجہ سے جمع ہو گئے تھے۔ اتنی بڑی رقم کا خسارہ برداشت کیا لیکن کھوٹا سکہ دے کر کسی کو دھوکہ نہیں دیا۔

(طبقات ابن سعد: ۷/۲۰۱)

علامہ ابن سیرینؒ نے فرمایا، اگر میں خواب میں بھی کسی عورت کو دیکھتا ہوں اور

مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ یہ غیر محرم ہے تو میں خواب میں بھی اس سے آنکھیں پھیر لیتا ہوں۔

(تاریخ طبری:۵/۳۳۶)

ابوعوانہ ؒ فرماتے ہیں، میں نے محمد بن سیرین ؒ کو کچھ لوگوں کے پاس سے گذرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ جن لوگوں کے پاس سے گذرتے ہیں وہ خود بخود اللہ کی تسبیح اور اللہ کا ذکر کرنے لگتے ہیں۔

(تاریخ طبری:۵/۳۳۷)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالی کے ولی کی پہچان یہ بتلائی ہے کہ ان کو دیکھ کر اللہ یاد آجائے۔ حدیث شریف کے الفاظ ہیں:

الذین اذا رؤوا ذکر اللّٰہ.

(مشکوۃ)

علامہ ابن سیرینؒ اس وصف سے متصف تھے، ان کو دیکھ کر اللہ یاد آجاتا تھا، دیکھنے والوں کی زبان سے خود بہ خود ذکر جاری ہوجاتا تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

علامہ ابن سیرینؒ کے ان محاسن کا بڑے بڑے صحابہ اور تابعین پر اتنا اثر تھا کہ وہ حضرات ان سے جنازہ کی نماز پڑھوانا باعث برکت سمجھتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ مشہور صحابی جنہوں نے دس سال تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت انجام دی تھی، جو علامہ ابن سیرینؒ کے استاذ بھی تھے، انہوں نے اپنے مرض الموت میں وصیت کی تھی کہ میری وفات کے بعد ابن سیرینؒ مجھے غسل دیں اور میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں۔

اتفاق سے حضرت انسؓ کی وفات کے زمانہ میں آپ قید میں تھے اس لئے حاکم شہر سے حصول اجازت کے بعد آپ تشریف لائے اور غسل، تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے بعد اپنے گھر والوں سے ملے بغیر سیدھے قید خانہ چلے گئے۔

(وفیات الدعوان:۳/۱۸۲)

حضرت ثابت بنانیؒ جو اپنے زمانہ کے بہت بڑے ولی تھے، ان کا بیان ہے کہ جن دنوں حضرت خواجہ حسن بصریؒ حجاج بن یوسف کے مظالم کی وجہ سے روپوش ہو گئے تھے، ان دنوں آپ کی صاحبزادی کا انتقال ہوگیا، میں نے جلدی سے جا کر آپ کو اطلاع دی، میرا خیال تھا کہ آپ مجھ ہی کو نماز جنازہ پڑھانے کا حکم دیں گے، لیکن آپ نے فرمایا کہ محمد بن سیرینؒ کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ اس کی نماز جنازہ پڑھائیں۔

(طبقاتِ ابن سعد ج:۷/۲۰۴)

خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور خوف الٰہی:

آپ کے زمانہ میں آپ کے عدل وانصاف کی برکت سے بکریاں اور بھیڑیے ساتھ ساتھ جنگل میں چرتے تھے، اس قدر مبارک آپ کی خلافت کا زمانہ تھا، دنیا آپ کے پاس ناک رگڑتی ہوئی آئی، مگر آپ نے اس کی طرف رخ نہ فرمایا، آپ کے پاس زمانۂ خلافت میں صرف ایک قمیص رہتی، جب وہ میلی ہو جاتی تو خود دھوتے اور جب تک خشک نہ ہو جاتی گھر میں رہتے تھے، آپ کی اہلیہ فاطمہ بنت عبدالملک نے اپنے سارے زیور اور مال ودولت کو بیت المال میں جمع کروادیا تھا اور عام مسلمانوں کی طرح ہوگئی تھیں، وہ فرماتی تھیں کہ جب سے آپ خلیفہ ہوئے مرنے کے وقت تک غسل جنابت نہیں فرمایا، اپنی باندیوں کو یہ اختیار دے دیا تھا کہ جو چاہے مجھ سے علیحدہ ہو جائے اور جو میرے ساتھ

رہنا چاہے تو اس کو میری طرف سے کسی خواہش کی امید نہیں رکھنی چاہیئے، اسی طرح اپنی اہلیہ فاطمہ کو بھی اختیار دے دیا تھا کہ خواہ یہاں رہیں یا اپنے میکے عبدالملک کے گھر چلی جائیں، یہ سن کر سب کی سب اس قدر بلند آواز سے روئیں کہ پڑوسیوں تک ان کی آوازیں سنیں۔ یہ تھا خلیفۂ وقت کا خوفِ خدا اور احساس ذمہ داری کہ جائز ومباح چیز کو بھی ترک فرما یا دیا تھا مگر اب یہ حال ہے کہ اس قسم کے مناسب کی خواہش محض تعیش وتزین اور ترفع حاصل کرنے ہی کے لئے کی جاتی ہے، تو پھر اپنی اور اپنے محکومین کی اصلاح وتربیت کی بھلا کیا خاک فکر ہوگی؟

ان کی اہلیہ حضرت فاطمہ رح فرماتی ہیں کہ میں نے عمر بن عبدالعزیزؒ سے زیادہ کسی کو اپنے اللہ سے ڈرنے والا نہیں پایا۔ جب میرے پاس گھر میں داخل ہوتے تو اپنے کو مصلی پر ڈال دیتے اور روتے رہتے یہاں تک کہ نیند سے مغلوب ہوجاتے تو گر پڑتے مگر پھر اٹھ کر عبادت میں مشغول ہوجاتے اور رات بھر ان کا یہی مشغلہ رہتا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوا کہ کثرت عبادت بدعت نہیں ہے، بلکہ صحابہ وتابعین میں اکثر کثیر الوظائف والعبادات رہے ہیں اور یہی حضرات ہمارے لئے بہترین نمونہ ہیں، اللہ تعالی ہم کو ان کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(اقوالِ سلف: ۱/ ۱۵۵،۱۵۶)

اس قدر زہد وتقویٰ کے باوجود فرماتے تھے، مجھے اپنے متعلق جو معلوم ہے اگر تم کو معلوم ہوجائے تو مجھے دیکھنا گوارا نہ کرو، سبحان اللہ! کس قدر تواضع وانکساری کا عالم ہے کہ اپنے اعمال صالحہ اور احوال رفیعہ کی طرف ذرا نگاہ نہ تھی، اسی لئے تو اللہ کے خاص بندوں کی ایک جماعت نے آپ کی خلافت کو ''خلافتِ راشدہ'' کے اسم سے موسوم

فرمایا ہے۔

(اقوالِ سلف: ۱۵۷؛ مولانا قمر الدین صاحب مدظلہ)

حضرت عطاءؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا معمول تھا کہ رات کے وقت فقہاء کو جمع کر کے موت اور قیامت کے بیانات سنتے اور اتنا روتے کہ گویا ان کے سامنے جنازہ رکھا ہوا ہے۔

(تاریخ الخلفاء مترجم: ۲/۱۱۲)

ہماری حالت تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے جنازہ ہوتا ہے تو بھی نہ ہمیں رونا آتا ہے، نہ ہی اس سے عبرت حاصل کرتے ہیں بلکہ ہمارے قلوب اتنے سخت ہو گئے ہیں کہ جنازہ دیکھ کر بھی اپنی موت و آخرت کی فکر نہیں ہوتی۔

امامِ اعظم ابوحنیفہؒ کا تقویٰ:

امام الائمہ، سراج الامہ، سید الفقہاء والمجتہدین، حافظ حدیث حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ اعلیٰ درجہ کے مجتہد، محدث، ثقہ، صدوق، زاہد، عارف، خاشع اور بہت ہی اونچے درجہ کے متورع تھے، آپ کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ ایک دنیا آپ کے تقویٰ کی معترف ہے، موافق ہوں یا مخالف، سب آپ کے تقویٰ وطہارت اور حزم واحتیاط کے دل سے قائل ہیں۔ بڑے بڑے محدثین اور اکابر نے آپ کے تقویٰ کو بیان فرمایا ہے۔ عبرت وموعظت کے لئے چند واقعات پیش کرتا ہوں۔

امامِ اعظمؒ کا مشتبہ چیز کھانے سے اجتناب کرنا:

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں، ایک مرتبہ لوٹ کی چند بکریاں بعض مفسد لوگوں کے ذریعہ کوفہ میں لائی گئیں، وہ بکریاں اہل کوفہ کی بکریوں سے ایسی مخلوط

ہوگئیں کہ امتیاز باقی نہ رہا اس سے یہ اندیشہ ہوگیا کہ کبھی کوئی قصاب وہی لوٹ والی بکری خرید کر اس کا گوشت فروخت کردے، اس طرح لوگوں کے لئے حرام گوشت کھانے کا خطرہ پیدا ہوگیا، حضرت امام ابوحنیفہؒ کو حرام گوشت کھانے سے بچنے کی فکر دامن گیر ہوئی کہ کہیں نادانستہ لوٹ کی بکری کا حرام گوشت ان کے گھر تک نہ پہنچ جائے، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ بکری کی عمر کتنی ہوتی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سات سال تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا۔

علامہ صالحی دمشقیؒ جو اس واقعہ کے ناقل ہیں، آگے فرماتے ہیں کہ میں نے مناقب کی کسی کتاب میں یہ بھی لکھا دیکھا ہے کہ انہی دنوں کچھ فوجیوں نے بکری کا گوشت کھا کر اس کے بچے ہوئے ٹکڑے کوفہ کے دریا میں پھینک دیئے، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ مچھلی کتنے عرصہ تک زندہ رہ سکتی ہے؟ لوگوں نے آپ کو اس کی عمر کی بابت بتلایا کہ اتنے اتنے سال، چنانچہ آپ اتنے عرصہ مچھلی کھانے سے رکے رہے اور اتنی مدت تک مچھلی بھی نہیں کھائی۔

(عقود الجمان:۲۴۴)

اس احتیاط کے ساتھ اب ہم ذرا ہمارے حال پر توجہ فرمائیں، ہماری کمائی پر ذرا غور وفکر کریں، حلال ہے یا حرام؟ آج کل اکثر وبیشتر ہماری روزی وکمائی مشتبہ ہوتی ہے مگر ہمیں اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے۔

عیب دار مال بے خیالی میں بک جانے کی وجہ سے ساری رقم صدقہ کردی:

علی بن حفصؒ فرماتے ہیں، حفص بن عبدالرحمٰن حضرت امام ابوحنیفہؒ کے کاروبار میں شریک یعنی حصہ دار تھے، حضرت امام صاحبؒ کے ذمہ مال کی فراہمی تھی، ایک مرتبہ

آپ نے حفص کے پاس سامان بھیجا اور انہیں یہ کہلوا دیا کہ دیکھو فلاں کپڑے میں یہ عیب ہے جب یہ سامان فروخت کرو تو خریدار کو وہ عیب بتا دینا۔ حفص نے وہ سامان فروخت کر دیا مگر عیب بتانا بھول گئے اور انہیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ سامان خرید کر لے جانے والا کون ہے؟ حضرت امام ابوحنیفہؒ کو جب اس صورت حال کا علم ہوا تو آپ نے اس سامان کی ساری رقم صدقہ کر دی جو کہ تیس ہزار بنتی تھی، اواسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنے شریک حفص سے کاروبار میں علیحدگی اختیار کر لی۔

(عقود الجمان: ۲۴۰)

امام صاحب کے تقویٰ کے سبب مجوسی نے اسلام قبول کرلیا:

امام فخر الدین رازی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا ایک مجوسی کے ذمہ کچھ قرض تھا، ایک روز اپنے قرض کے مطالبہ کے سلسلہ میں اس مجوسی کے گھر تشریف لے گئے، جب آپ اس کے گھر کے دروازے کے قریب پہنچے تو اتفاقاً آپ کی جوتی پر سے کچھ نجاست اڑ کر مجوسی کے گھر کی دیوار پر جالگی، آپ اس صورت حال سے حیران ہوئے اور دل میں کہنے لگے ''اگر میں اس نجاست کو اسی طرح رہنے دیتا ہوں تو یہ مجوسی کی دیوار کی بدنمائی کا سبب بنے گی اور اگر اسے دیوار سے کھرچتا ہوں تو نجاست کے ساتھ ساتھ دیوار سے کچھ مٹی بھی جھڑے گی اور اس سے اس کی دیوار کا کچھ نقصان ہوگا'' آپ نے اسی حیرانی اور پریشانی کے عالم میں دروازہ کھٹکھٹایا جس پر ایک لونڈی باہر آئی، آپ نے اس سے کہا کہ اپنے آقا سے جا کر کہو کہ ابوحنیفہ باہر کھڑے ہیں، وہ مجوسی باہر آیا اور اس نے یہ خیال کر کے کہ یہ قرض کا مطالبہ کرنے آئے ہوں گے، معذرت کرنا شروع کر دی۔ امام ابوحنیفہؒ نے اس سے فرمایا بھائی ابھی مال کی بات چھوڑ و یہاں تو اس سے بھی اہم قصہ پیش

آ گیا ہے اور اس کے بعد آپ نے دیوار پر نجاست لگ جانے کا قصہ ذکر کیا اور اس سے پوچھا کہ بتاؤ، دیوار کو پاک اور صاف کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ مجوسی امام ابوحنیفہؒ کے اس احتیاط اور تقویٰ اور للّٰہیت کو دیکھ کر بولا، دیوار تو بعد میں پاک کریں گے پہلے میں اپنے نفس کو پاک کرتا ہوں۔ چنانچہ وہ اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

(التفسیر الکبیر للامام الرازی ۱/ ۲۴۷)

نظر کی حفاظت:

خارجہ بن مصعب فرماتے ہیں کہ میں حج کو جانے لگا تو اپنی باندی امام ابوحنیفہؒ کے پاس چھوڑ گیا اور مکہ مکرمہ میں تقریباً چار ماہ رہا، واپس آیا تو میں نے امام ابوحنیفہؒ سے پوچھا کہ آپ نے اس باندی کی خدمت گذاری اور اخلاق کو کیسا پایا؟ آپ نے فرمایا جس نے قرآن پڑھا اور وہ لوگوں کے دین کی حفاظت میں لگ گیا، حلال وحرام بتانے لگا وہ اس بات کا محتاج ہے کہ اپنے آپ کو فتنہ سے بچائے۔ خدا کی قسم! میں نے تمہاری باندی کو جب سے تم چھوڑ کر گئے تھے اس وقت سے لے کر اب تک دیکھا تک نہیں، خارجہ بن مصعب کہتے ہیں کہ میں نے باندی سے امام صاحب اور ان کے گھریلو اشغال کے متعلق پوچھا تو وہ بولی کہ امام صاحب جیسا انسان نہ میں نے دیکھا ہے نہ سنا ہے۔ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ نے رات میں یا دن میں غسل جنابت کیا ہو۔ میں نے آپ کو کبھی بے روزہ نہیں دیکھا، آپ رات کے آخری حصہ میں کھانا کھاتے پھر تھوڑی دیر آرام فرماتے پھر فجر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔ جمعہ کے دن فجر کی نماز پڑھ کر جلد تشریف لاتے، جمعہ کا غسل فرماتے اور بہت سویرے جامع مسجد تشریف لے جاتے۔

(عقود الجمان)

حضرت فرید الدین عطارؒ لکھتے ہیں، امام محمد بن حسن شیبانیؒ بچپن میں نہایت حسین وجمیل تھے، امام صاحب سے علم حاصل کرتے تھے، دوران درس ایک مرتبہ امام صاحب کی نظر ان پر پڑگئی، تو آپ کو ایک ستون کے پیچھے بیٹھنے کے لئے کہا تاکہ دوران سبق ان پر نظر نہ پڑے، اور پھر کبھی ان کی طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا، ایک مرتبہ چراغ کی روشنی میں امام محمدؒ کی داڑھی کی پرچھائی نظر آئی، تب امام صاحب کو معلوم ہوا کہ آپ کے داڑھی نکل آئی ہے تو امام صاحب نے کہا اچھا اب آپ کو داڑھی نکل آئی ہے، پھر آپ نے سامنے بیٹھنے کی اجازت دے دی۔

(تذکرۃ الاولیاء فارسی)

بزرگو اور دوستو! یہ چند واقعات سلف صالحین کے تھے، اب کچھ واقعات اپنے اکابر علمائے دیوبند کے پیش کرتا ہوں ان واقعات سے اندازہ لگائیے اس دور میں بھی یہ حضرات تقویٰ کے کتنے بلند معیار پر تھے۔

مولانا احمد علی صاحبؒ کا تقوی:

حضرت اقدس شیخ المشائخ مولانا الحاج احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ، جو بخاری شریف وترمذی شریف کتب حدیث کے محشی اور مشہور عالم ومحدث ہیں، سہارنپور سے جب مظاہر علوم کی قدیم تعمیر کے لئے چندہ کے سلسلہ میں کلکتہ تشریف لے گئے کیونکہ وہاں مولانا کا اکثر قیام رہا ہے اور وہاں کے لوگوں سے وسیع تعلقات تھے تو مولانا مرحوم نے سفر سے واپسی پر اپنے سفر کے آمد ورفت کا مفصل حساب مدرسہ میں داخل کیا تو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ مہاجر مدنی فرماتے ہیں کہ میں نے خود رجسٹر پڑھا، ایک جگہ لکھا تھا کہ کلکتہ میں فلاں جگہ میں اپنے ایک دوست سے ملنے گیا تھا اگر چہ وہاں

چندہ خوب ہوالیکن میرے سفر کی نیت دوست سے ملنے کی تھی اس لئے وہاں کی آمدورفت کا اتنا کرایہ آمدورفت سے وضع کرلیا جائے۔

(اکابر کا تقویٰ:۳۴)

سبحان اللہ! غور فرمایئے ہمارے اکابر میں کس قدر احتیاط اور تقویٰ تھا، مدرسہ کا چندہ امانت ہوتا ہے، امانت داری اور مدرسہ کے مال کی حفاظت کا آپ کو کس قدر خیال تھا، اللہ پاک ہمیں بھی آپ کی اتباع نصیب فرمائے۔آمین۔

حضرت سہارنپوریؒ کا مدرسہ کی اشیاء کو استعمال نہ کرنا:

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں، میں نے خود تو یہ واقعہ نہیں دیکھا مگر دو واسطوں سے سنا ہے کہ حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی خدمت میں ایک صاحب عزیزوں میں سے جو بڑے رتبہ کے آدمیوں میں سے تھے ملاقات کے لئے تشریف لائے، حضرت سبق پڑھا رہے تھے، اختتام سبق تک تو حضرت نے توجہ بھی نہ فرمائی، ختم سبق کے بعد حضرت ان کے پاس تشریف لائے، انہوں نے اصرار کیا کہ حضرت اسی جگہ تشریف رکھیں، حضرت نے ارشاد فرمایا مدرسہ نے یہ قالین صرف سبق پڑھانے کے لئے دیا ہے، ذاتی استعمال کے لئے نہیں اس لئے اس قالین سے علیحدہ بیٹھ گئے۔

البتہ یہ واقعہ میرا ہمیشہ کا دیکھا ہوا ہے کہ مدرسہ قدیم یعنی (مظاہر علوم) میں حضرت کی ہمیشہ چارپائی رہتی تھی، اسی پر حضرت آرام بھی فرماتے تھے، اسی پر بیٹھتے تھے، مدرسہ کی اشیاء کو استعمال کرتے ہوئے میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

(آپ بیتی بحوالہ اکابر کا تقویٰ:۳۶،۳۷)

اللہ اکبر یہ حضرات کتنا احتیاط برتتے تھے۔

جلسہ کے موقعہ پر بھی اپنے گھر کا کھانا:

مظاہر علوم کا جب سالانہ جلسہ ہوتا تھا، حضرت شیخ الحدیثؒ فرماتے ہیں میں نے اکابر مدرسین میں سے کبھی کسی کو جلسہ کے کھانے یا چائے یا پان کو کھاتے نہیں دیکھا۔ جملہ مدرسین حضرات اپنا اپنا کھانا کھاتے تھے جب بھی وقت ملے۔ حضرت قدس سرہ مدرسہ کے خصوصی مہمانوں کے ساتھ کھاتے تھے لیکن حضرت کے مکان سے دس بارہ آدمیوں کے لئے کھانا آتا تھا جو متفرق مہمانوں کے سامنے رکھ دیا جاتا تھا، اسی میں سے حضرت نوش فرماتے تھے، مدرسہ کی کوئی چیز کھاتے نہیں دیکھا۔ مولانا عنایت الٰہی صاحب مہتمم مدرسہ دوشب وروز مدرسہ کے اندر رہتے اور ظہر کے وقت یا رات کے بارہ بجے دفتر کے کونے میں بیٹھ کر ٹھنڈا اور معمولی کھانا تنہا کھا لیتے تھے، مولانا ظہور الحق صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ اس زمانہ میں مطبخ طعام کے منتظم ہوتے تھے اور چوبیس گھنٹہ مطبخ کے اندر رہتے تھے لیکن سالن چاول وغیرہ کا نمک کسی طالب علم سے چکھواتے تھے، خود نہ چکھتے تھے، جب وقت ملتا اپنے گھر جا کر کھانا کھا آتے، اسی طرح سے دیگر اکابر مدرسین کو میں نے کوئی شی مدرسہ چکھتے نہیں دیکھا، ان سب احتیاط کے باوجود حضرت سہارنپوری قدس سرہ جب ۴۴ھ میں مستقل قیام کے ارادہ سے حجاز مقدس تشریف لے گئے تو اپنا ذاتی کتب خانہ یہ فرما کر مدرسہ کے اندر وقف کر گئے تھے کہ نہ معلوم مدرسہ کے کتنے حقوق ذمہ رہ گئے ہوں۔

(اکابر کا تقویٰ: ۳۷، ۳۸)

سالن گرم کرنے کا معاوضہ، حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ کا تقویٰ:

حضرت مولانا شیخ زکریا صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب کے زمانہ

میں مدرسہ کا مطبخ جاری نہیں ہوا تھا، نہ مدرسہ کے قریب کسی طباخ کا مکان تھا، گھر والوں کے نہ ہونے کے زمانہ میں جامع مسجد کے قریب ایک طباخ کی دوکان تھی جس کا نام اسماعیل تھا، اس کے یہاں سے کھانا آیا کرتا تھا، سردی کے زمانہ میں وہاں سے کھانا آتے آتے خصوصا شام کو ٹھنڈا ہو جاتا تھا تو سالن کے برتن کو مدرسہ کے حمام کے اندر نہیں بلکہ باہر رکھوا دیتے تھے، اس کی تپش سے وہ تھوڑی دیر میں گرم ہو جاتا تھا تو یہ فرما کر دو تین روپے ہر ماہ چندہ کے اندر داخل فرما دیا کرتے تھے کہ مدرسہ کی آگ سے انتفاع ہوا ہے، تنخواہ تو میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنے سات سالہ قیام مدرسہ میں کبھی لی ہی نہیں۔

(اکابر کا تقویٰ:۳۸)

بہلی میں بلا اجازت مالک کے ایک خط بھی لے جانے سے انکار:

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ کوئی سواری کرایہ پر کرتے تو مالک کو چیزیں دکھلا دیا کرتے تھے۔ اگر بعد میں کوئی خط بھی لاتا تو فرماتے کہ بھائی میں نے سارا اسباب مالک (یعنی گاڑی کے مالک) کو دکھلا دیا ہے اور یہ خط اس میں نہیں لہذا تم مالک سے اجازت لے لو۔

(اکابر کا تقویٰ:۴۳)

حضرت حاجی صاحبؒ کی تسبیح:

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے کسی خادم کے پاس حضرت حاجی صاحب کی ایک تسبیح تھی جس کو انہوں نے حضرت والا (مراد حکیم الامت مولانا تھانویؒ) کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا، حضرت نے دریافت فرمایا کیا یہ جائز طریقہ سے ملی ہے؟

عرض کیا کہ خود حاجی صاحب نے عنایت فرمائی تھی، مزید اطمینان کے لئے پھر دریافت فرمایا کہ مرض وفات میں یا اس سے پہلے؟ عرض کیا مرض وفات سے پہلے، تب حضرت نے اسے قبول فرمایا۔

(اکابر کا تقویٰ:۵۲)

حکیم الامتؒ کا تقویٰ:

فرمایا: میں ہر کام میں ہر بات میں احتیاط کا پہلو اختیار کرتا ہوں، مجھ کو اس پر وہمی کہا جاتا ہے، ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہیؒ سے میری شکایت کی گئی کہ یہ جلسہ میں آکر مدرسہ کی رقم سے کھانا نہیں کھاتا، حضرت مولانا نے مجھ سے سوال کیا، میں نے صاف عرض کردیا کہ مجھ کو اس کے جواز میں شبہ ہے۔ حضرتؒ نے کچھ نہیں فرمایا، ایک شخص نے میرا وعظ سن کر سو روپیہ چندہ بلقان میں دئے، اور وہ انجمن ہلال احمر میں داخل کئے گئے، اور احمق نے مجھ پر تقاضہ کیا کہ قسطنطنیہ سے اس کی مستقل رسید منگوا کردو، ورنہ میرا روپیہ واپس کردو۔ میں نے قطع شغب کے لئے اپنے پاس سے روپے دے دئے، ایک مولوی صاحب نے یہ سن کر مجھ کو فرمایا کہ اپنے پاس سے کیوں دئے؟ تمہاری معرفت سے جو چندہ بلقان جمع ہوا تھا اس میں سے سو روپے رکھ لئے ہوتے اور تاویل یہ کی کہ خاص اس کی دی ہوئی رقم تو واپس کردینا جائز ہی تھا اور وہ رقم اور دوسرے چندہ کی رقمیں سب ایک ہی حکم میں ہیں، کیا ٹھکانہ ہے اس بد احتیاطی کا۔ نفسانی غرض کا جب غلبہ ہوتا ہے ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں۔ میں تو اکثر کہا کرتا ہوں کہ اموال کے باب میں اکثر اہل علم کو بھی احتیاط نہیں الا ماشاء اللہ، اور عوام کو تو احتیاط کیا ہوتی۔

(الافاضات الیومیہ:۳/۹۸)

تقویٰ حضرت نانوتوی ؒ کا:

حضرت تھانویؒ نے فرمایا، مولانا محمد قاسم صاحبؒ جب مدرسہ دیوبند کے دوات قلم سے کوئی خط لکھتے تو روشنائی اور قلم کے استعمال کے عوض میں ایک پیسہ دے دیتے تھے۔

(الکلام الحسن؛ ملفوظ:۱۲۹)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحبؒ کا تقویٰ:

مولانا مظفر حسین صاحبؒ ایک دفعہ دہلی سے کرایہ کی ایک بہلی میں چلے، گاڑی بان سے دیہاتوں کی طرح باتیں کرتے رہے تاکہ وہ مانوس ہو، کیونکہ رفیق سفر کو مانوس کرنا بھی حق رفاقت ہے، پھر اس سے باتوں باتوں میں معلوم ہوگیا کہ یہ بہلی (گاڑی) ایک فاحشہ عورت کی ہے، مولانا کو بڑی وحشت ہوئی کیونکہ آپ بڑے متقی تھے، ان کا تقویٰ مشہور ہے، وہ ایسی گاڑی میں کیونکر سوار ہوسکتے تھے جو حرام کمائی سے تیار کی گئی ہو۔ مگر کمال یہ ہے کہ آپ نے اترنے میں جلدی نہیں کی اس خیال سے کہ گاڑی بان کی دل شکنی نہ ہو۔ تھوڑی دور جاکر پیشاب کے بہانے سے اترے پھر اس سے کہا کہ اب تو پیدل چلنے کو جی چاہتا ہے۔ گاڑی بان سمجھ گیا اور عرض کیا میں سمجھ گیا ہوں، اب بہتر یہ ہے کہ مجھ کو رخصت فرمائیے، فرمایا یہ نہیں ہوسکتا میرے کرایہ کے سبب ممکن ہے کہ کوئی کرایہ دار لوٹ گیا ہو تو خسارہ مجھ کو گوارہ نہیں۔ اسی طرح کاندھلہ تک بہلی لائے اور خود پیادہ تشریف لائے۔ یہاں پہنچ کر پورا کرایہ دے کر رخصت کیا۔ یہ کمال، یہ باتیں بزرگوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں۔

(حضرت تھانویؒ کا وعظ اوج قنوج بحوالہ حقیقت تصوف وتقویٰ:۴۰۱،۴۰۲)

مولانا مظفر حسینؒ ہی کا واقعہ ہے، حضرت تھانوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں، مولانا مظفر حسین صاحب معمولات کے بہت پابند تھے، تہجد سفر میں بھی قضا نہ کرتے تھے۔ اس وقت ریل نہ تھی لوگ بہلیوں میں سفر کیا کرتے تھے، مولانا اس میں بھی تہجد پڑھا کرتے تھے۔ مگر کبھی اس ضرورت کے لئے بہلی کو ٹھہرایا نہیں کیونکہ اس سے دوسرے رفقاء کا حرج ہوتا یا کم از کم گاڑی بان کا تو حرج ہوتا اور عارفین کسی کی کلفت کو کبھی گوارا نہیں کرتے، بس یہ کرتے کہ گاڑی سے آگے بڑھ جاتے اور دو رکعت پڑھ لیتے، جب گاڑی نزدیک آتی آگے بڑھ جاتے پھر دو رکعت پڑھ لیتے، اسی طرح تہجد ختم کرتے۔

(حوالہ بالا:۴۰۱)

خوف الٰہی گناہوں سے بچنے کا ذریعہ ہے:

بزرگو اور دوستو! سلفِ صالحین اور ہمارے اکابر علماء کے کچھ واقعات بطورِ نمونہ آپ حضرات کے سامنے پیش کئے، ان سے اندازہ لگایئے کہ اللہ کے نیک بندوں پر کس قدر خوفِ الٰہی کا غلبہ رہتا ہے، اور وہ حضرات کس قدر احتیاط فرماتے ہیں، سچ یہ ہے کہ ایسے ہی متقی اور نیک بندوں کے صدقہ اللہ پاک ہم پر رحم فرماتے ہیں اور ہم زندہ ہیں، اور یہ کارخانہ عالم برابر چل رہا ہے۔ ورنہ ہمارے گناہوں اور ہماری بے احتیاطی تو اس قدر ہے کہ بیان نہیں کی جاسکتی، اللہ پاک ہم سب کو معاف فرمائے، اور ہم پر رحم فرمائے، اور ہم سب کو بھی تقویٰ اور خوفِ الٰہی اور خشیتِ الٰہی والی پاکیزہ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بہرحال تقویٰ اور خوفِ الٰہی بہت بڑی نعمت ہے، جن کو عظمتِ الٰہی اور خوفِ

الٰہی کا استحضار رہتا ہے ان کے لئے طاعت وعبادت بھی آسان ہے، اور گناہوں سے بچنا بھی آسان ہے، خوفِ الٰہی بڑے سے بڑے گناہ سے حفاظت کے لئے زبردست آڑ ہے۔ اگر تقویٰ اور اللہ کا خوف نہ ہو تو انسان سب کچھ کر گزرتا ہے، اور خوفِ الٰہی ہوتا ہے تو تنہائیوں میں بھی وہ گناہوں سے بچتا ہے۔ تقویٰ کے برکات اور خوفِ الٰہی کے ثمرات کے متعلق الحمدللہ کچھ باتیں آپ کی خدمت میں پیش ہوئیں، حقیقت یہ ہے کہ خوفِ الٰہی اور تقویٰ اختیار کرنے پر اللہ پاک مشکلات میں بھی نجات کی راہ نکال دیتے ہیں اور اس بندہ کی مدد فرماتے ہیں۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا. (الطلاق: ۲،۳)

[جو آدمی تقویٰ اختیار کرے گا ہم تکالیف میں اس کے لئے نجات کا راستہ نکال دیں گے۔]

اس سے متعلق ایک عجیب وغریب عبرتناک واقعہ نظر سے گذرا، اس میں بڑی عبرت ہے، آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، اللہ پاک ہمیں بھی اس سے عبرت حاصل کرنے اور گناہوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عبرتناک واقعہ:

ایک کتاب ہے ''نزہۃ البساتین'' اس کا ترجمہ حضرت اقدس تھانویؒ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحبؒ نے کیا ہے، اس ترجمہ کا نام قصص الاولیاء ہے۔ اس میں یہ عجیب عبرتناک واقعہ لکھا ہوا ہے۔

فرماتے ہیں، بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ میں طواف کر رہا تھا

ناگاہ ایک عورت پر نظر پڑی جس کے کندھے پر ایک چھوٹا بچہ تھا اور وہ چلا چلا کر کہہ رہی تھی:

یا کریم عھدک القدیم

میں نے اس عورت سے کہا کہ تیرے اور اللہ کے درمیان کیا عہد ہے، جو تو اپنے ان الفاظ میں کہہ رہی ہے کہ اے کریم آپ کا عہد۔ وہ کہنے لگی ایک بار میں کشتی پر سوار ہوئی اور تاجروں کی ایک جماعت ہمارے ساتھ تھی، اتفاقاً بہت زور کا طوفان آیا اور کشتی غرق ہوگئی اور کشتی کے تمام لوگ بھی غرق ہوگئے، صرف میں اور میرا یہ بچہ ایک تختہ پر اور ایک حبشی مرد جو دوسرے تختہ پر تھا، ہم تین سلامت رہے، جب صبح ہوئی تو اس حبشی نے میری طرف دیکھا اور پانی ہٹاتے ہٹاتے میرے قریب آیا اور ہمارے تختہ پر سوار ہوگیا، اور ہمارے تختہ پر سوار ہوگیا اور مجھے بدکاری پر راضی کرنے لگا، میں نے کہا اے بندۂ خدا! کیا تجھے کچھ بھی خوف نہیں ہے ہم کیسی مصیبت میں گرفتار ہیں، جس سے بجز اللہ کی اطاعت کے خلاصی ممکن نہیں یہ وقت اللہ کی طرف توجہ کا ہے، استغفار اور توبہ کا ہے چہ جائیکہ اس حالت میں اللہ کی نافرمانی کریں، اس نے کہا باتیں چھوڑ دے میں تو ضرور اپنا مقصد پورا کروں گا، یہ بچہ میری گود میں سو رہا تھا میں نے اس کو چٹکی بھری وہ جاگ کر رونے لگا میں نے اس سے کہا اے بندۂ خدا! ذرا صبر کر، میں بچہ کو سلا دوں پھر جو مقدر میں ہوگا ہو جائے گا۔ اس حبشی نے ہاتھ لمبا کر کے بچہ کو مجھ سے چھین کر دریا میں ڈال دیا۔ میں نے آسمان کی جانب نگاہ کر کے کہا اے اللہ! تو اس آدمی اور اس کے قلبی اداروں کے درمیان حائل ہونے والا ہے اپنی طاقت اور قدرت سے میرے اور اس کے درمیان جدائی کر دے، تو سب چیزوں پر قادر ہے، قسم ہے اللہ کی میں ابھی ان کلمات کو پورا بھی نہ کر چکی

تھی کہ ایک جانور منہ کھولے ہوئے دریا سے نکلا، اور اس حبشی کا ایک نوالہ کر گیا، ایک ہی لقمہ میں پورا اس کو کھا گیا اور غوطہ لگا کر پانی کے اندر چلا گیا اور اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی قدرت اور اپنی قوت سے مجھے اس سے بچالیا۔ بے شک اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے۔

اس کے بعد میرا تختہ موجوں کی تھپیڑوں میں بہتا رہا، یہاں تک کہ مجھے ایک جزیرہ میں پہنچا دیا، میں اس جزیرہ میں اتری اور اپنے دل میں اللہ پاک کا شکر ادا کیا اور دل میں کہا کہ یہاں کی سبزی اور پانی پر اپنا گذارا کروں گی، جب تک کہ اللہ تعالی کوئی صورت پیدا کردے، وہی نجات دینے والا ہے۔ اس طرح چار روز مجھ پر گذرے، پانچویں دن دور سے ایک کشتی نظر آئی، میں نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر ان کی طرف کپڑے سے اشارہ کیا۔ ان میں سے تین آدمی ایک ناؤ پر بیٹھ کر میری طرف آئے ان کے ساتھ ناؤ پر سوار ہوکر کشتی میں داخل ہوئی تو کیا دیکھتی ہوں کہ وہ میرا بچہ جس کو حبشی نے دریا میں ڈال دیا تھا ایک شخص کے پاس ہے۔ یہ دیکھ کر مجھ سے رہا نہ گیا میں نے اپنے آپ کو اس بچہ پر گرادیا اور اسے چومنے اور پیار کرنے لگی اور میں نے کہا کہ یہ میرا بچہ ہے، میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ کشتی والے کہنے لگے تو مجنونہ ہے، تیری عقل ماری گئی، میں نے کہا نہ میں مجنونہ ہوں نہ میری عقل ماری گئی ہے بلکہ واقعہ یہ ہے اور اپنا سارا واقعہ از ابتداء تا انتہاء ان کو سنایا۔

یہ سن کر ان لوگوں نے سر جھکا لیا اور کہا اے لڑکی تو نے عجیب قصہ سنایا۔ ہم بھی تجھے ایک قصہ سناتے ہیں جس سے تجھے بھی تعجب ہوگا۔ ہم موافق ہوا میں چل رہے تھے کہ ایک بڑا دریائی جانور ہمارے آڑے آیا اور سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور یہ بچہ اس کی پشت پر تھا اور ایک منادی آواز دے رہا تھا کہ اگر اس بچہ کو نہ لے چلوگے تو تم ہلاک ہوجاؤ گے،

چنانچہ ہم میں سے ایک آدمی اس مچھلی کی پشت پر چڑھا اوراس بچہ کو لے آیا، جیسے ہی وہ آدمی کشتی پرآیا وہ جانور غوطہ مار کر پانی میں چلا گیا۔ ہمیں اس واقعہ سے بھی اور تیرے واقعہ سے بھی بہت تعجب ہوا اور ہم سب اللہ سے عہد کرتے ہیں کہ یااللہ! آج کے بعد تو ہمیں معصیت میں نہ دیکھے گا اور ہم ان شاء اللہ کسی گناہ کے قریب بھی نہ جائیں گے، چنانچہ ان سب نے توبہ کی۔ بے شک وہ پاک ہے، بندوں پر لطف کرنے والا ہے، اوران کی خبر رکھنے والا اور مصیبت زدوں کی مدد کرنے والا ہے۔

(قصص الاولیاء:۹۷تا۱۰۰)

بزرگواور دوستو! کس قدر عبرت ہے اس واقعہ میں۔ جس طرح یہ واقعہ ان کی توبہ کا سبب بنا، اللہ پاک ہم سب کے لئے بھی توبہ کا سبب بنادیوے کہ ہم سب بھی بارگاہِ الٰہی میں اپنے گناہوں پر اللہ پاک سے توبہ کریں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد کریں۔ اے رب کریم! اپنے کرم سے ہمارے تمام گناہوں کو معاف فرما اور ہم کو توبۂ نصوح کی توفیق عطا فرما، آمین۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا جب بندہ اللہ سے ڈرتا ہے اوراس کا تقوی اختیار کرتا ہے اور مصیبت اور پریشانی کے وقت اللہ کو پکارتا ہے تو اللہ تعالی اپنی قدرت کاملہ سے اس کے نجات کی صورت پیدا فرماتے ہیں۔

تقوی کی وصیت پر چند احادیث:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

یامعاذ! اوصیک بتقوی اللہ وصدق الحدیث ووفاء العهد واداء الامانة وترک الخیانة ورحم الیتیم وحفظ الجوار وکظم الغیظ

ولين الكلام وبذل السلام ولزوم الامام.

(الترغیب والترہیب:۴/۱۰۷)

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ سفر کا ارادہ فرمایا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا مجھے کوئی نصیحت فرمائیے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چند باتوں کی وصیت فرمائی، اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

[میں تم کو وصیت کرتا ہوں اللہ کے تقوی کی اور سچ بولنے کی اور وعدہ پورا کرنے کی اور امانت ادا کرنے کی اور خیانت ترک کرنے کی اور یتیم پر رحم کرنے کی اور پڑوسی کی عزت اور اس کے احترام کی اور غصہ پی جانے کی اور نرم کلام کرنے کی اور سلام کو پھیلانے کی اور امام یعنی حاکم کی اطاعت کی۔]

ہر وقت اور ہر جگہ اللہ سے ڈرتے رہو:

ایک اور حدیث میں ہے:

عن ابی ذر ومعاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنهما عن رسول الله صلی الله عليه وسلم اتق اللّٰہ حيثما كنت واتبع السيئة الحسنة تمحها وخالق الناس بخلق حسن. رواه الترمذی.

[یعنی حضرت ابوذر اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر وقت اور ہر جگہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یعنی اللہ سے ڈرتے رہو، گناہ ہو جائے تو فوراً اس کے بعد نیکی کا کام کر لو یعنی توبہ کر لو اور اس کے بعد کوئی نیک کام کر لو یہ نیکی اس گناہ کے اثر کو مٹا دے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آیا

کرو۔]

(الترغیب والترہیب:۴/۱۰۹)

جلوت اور خلوت میں ہر جگہ تقویٰ اختیار کرو:

وروی احمد باسناد جید عن ابی ذر ومعاذ بن جبل رضی اللّٰہ عنہما ان النبی صلی الله علیه وسلم قال ستة ایام ثم اعقل یا اباذر ما یقال لک بعد، فلما کان الیوم السابع قال اوصیک بتقوی اللّٰہ فی سر امرک وعلانیته واذا اسأت فأحسن ولا تسألن احدا شیئا وان سقط سوطک ولا تقبض امانة.

[حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر ؓ سے فرمایا تم چھ دن تک انتظار کرو اس کے بعد جو بات تم سے کہی جائے اسے اچھی طرح سمجھ لینا۔ چنانچہ ساتویں دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا میں تم کو اللہ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں تمہارے پوشیدہ کاموں میں بھی اور ظاہری اور علانیہ کاموں میں بھی، ہر حال میں تقوی اختیار کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو، جب کوئی برا کام ہوجائے فوراً توبہ کرلو اور پھر کوئی نیک کام کرلو اور کسی سے کچھ سوال نہ کرو اگرچہ تمہارا کوڑا اگر جائے تو وہ بھی تم خود ہی اٹھالو اور اپنے پاس امانت نہ رکھو اس خوف سے کہ تم اس کو پوری پوری حفاظت نہ کرسکو۔]

(الترغیب والترہیب:۴/۱۱۰)

تقویٰ ہی فضیلت کا معیار ہے:

عن جابر بن عبداللّٰہ رضی اللّٰہ عنہما قال: خطبنا رسول الله صلی الله علیه وسلم فی اوسط ایام التشریق خطب الوداع فقال: یاایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد الا لا فضل لعربی علی

عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لاحمر علی اسود ولا لاسود علی احمر الا بالتقوی ان اکرمکم عند الله اتقاکم. الا هل بلغت؟ قالوا: بلی یارسول الله. قال فلیبلغ الشاهد الغائب.

[حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایام تشریق کے درمیانی دن میں ہمارے سامنے الوداعی خطبہ فرمایا۔]

آٹھویں ذی الحجہ سے تیرہویں ذی الحجہ تک کے ایام ایام تشریق کہلاتے ہیں، ان ایام میں ہر فرض نماز کے بعد تکبیر تشریق بھی کہی جاتی ہے اور یہی پانچ دن حج کے دن بھی ہیں۔ انہی دنوں میں دسویں، گیارہویں، بارہویں ذی الحجہ میں پوری دنیا میں مسلمان قربانی بھی کرتے ہیں، یہ بڑے مبارک ایام ہیں۔ تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبۂ وداع میں ارشاد فرمایا:

[اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے، تمہارے والد ایک ہیں یعنی حضرت آدم علیہ السلام۔ خبردار! یہ بات سن لو کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت نہیں ہے، اسی طرح کسی احمر کو کسی اسود پر اور کسی اسود کو کسی احمر پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ سے، جس کے اندر تقویٰ ہوگا وہی فضیلت والا ہے، بے شک تم میں سے سے زیادہ مکرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص ہے جس میں سب سے زیادہ تقویٰ ہو، جو سب سے بڑا متقی ہو وہی مکرم ومحترم ہے، اللہ کے یہاں اس کا بہت بڑا مرتبہ ہے۔ خبردار! کیا میں نے تم کو تمام باتیں پہنچادی یا

نہیں؟ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے عرض کیا یارسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم بے شک آپ نے اپنے رب کا پورا پورا پیغام ہم کو پہنچا دیا، اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا چاہئے کہ حاضر شخص غائب شخص کو یہ باتیں پہنچادے تاکہ تمام تک یہ باتیں پہنچ جائیں۔]

(الترغیب والترہیب:۳/۶۱۲،۶۱۳)

اللہ کے اعتبار سے نسب:

ایک حدیث میں ہے:

عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اذا كان يوم القيام امر الله منادياً ينادى: الا انى جعلت نسبا وجعلتم نسبا فجعلت اكرمكم اتقاكم فابيتم الا ان تقولوا: فلان بن فلان خير من فلان بن فلان فاليوم ارفع نسبى واضع نسبكم اين المتقون؟

[حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالی ایک منادی کے ذریعہ اعلان کرائے گا، خبردار ہوجاؤ! میں نے ایک نسب مقرر کیا ہے، اورتم نے ایک نسب بنایا ہے، میں نے تو نسب کا معیار یہ بنایا ہے کہ تم میں سب سے زیادہ مکرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو، تم نے اس کا انکار کیا یعنی اعمال صالحہ جو حقیقت میں تفاخر کا سبب ہیں اور جس چیز کی تیاری کرنا چاہئے وہ تو تم نے مانا نہیں اور تمہاری زبانوں پر تفاخر بالاحساب اور تفاخر

بالانساب ہی جاری رہا اور تم تو بس یہی کہتے رہے فلاں بن فلاں تو فلاں بن فلاں سے بہتر ہے، ”فالیوم ارفع نسبی“ اب آج میں اپنے نسب والوں کو بلند درجات عطا کروں گا اور تم نے جو نسب مقرر کیا تھا اور تم جس چیز پر فخر کرتے تھے اس کو ایک طرف رکھ دوں گا، ”این المتقون؟“ اس کے بعد اللہ کی طرف سے اعلان ہوگا کہاں ہیں متقی لوگ؟]

تو بزرگو اور دوستو! دنیا میں ہم جس نسب پر فخر کرتے ہیں اور جس کی بنیاد پر خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھتے ہیں قیامت کے دن یہ تفاخر بالانساب کچھ کام نہ آئے گا، اصل کام آنے والی چیز تقویٰ اور اعمالِ صالحہ ہیں تو اسی کی تیاری کرنا چاہئے اور اپنے اندر تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کرنا چاہئے اللہ پاک ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین
(الترغیب والترہیب: ۳/۶۱۳)

نیز ایک حدیث میں ہے:

من بطأبه عمله لم يسرع به نسبه.
(الترغیب: ۳/۶۱۳)

[جس کا عمل اس کو پیچھے رکھے گا اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھائے گا۔]

نسب پر فخر کرنا:

بزرگو اور دوستو! ان احادیث مبارکہ میں بار بار غور کیجئے، آج بہت سے لوگ اس مرض میں مبتلا ہیں، بلند نسب، بلند خاندان یہی ان کے نزدیک بلندی کا معیار ہے، اور جو لوگ بلند نسب والے نہیں ہیں ان کو حقیر اور ذلیل سمجھتے ہیں۔

حسب اور نسب تو صرف ایک دوسرے کے تعارف کے لئے ہے، اور مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کی پہچان ہو سکے اور اپنے اپنے رشتہ داروں کو پہچان سکیں، تا کہ

ان کے ساتھ صلہ رحمی کریں، ان کی خبر گیری کریں۔ حسب ونسب کا مقصد ہرگز ہرگز باہم فخر کرنا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتے ہیں:

یٰـاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُم مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ. (الحجرات: ۱۳)

[اے لوگو ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم میں مختلف قومیں اور مختلف خاندان بنائے، تاکہ تم ایک دوسرے کی پہچان رکھ سکو، بیشک اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔]

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو ایک باپ یعنی حضرت آدمؑ اور ایک ماں یعنی حضرت حواؑ سے پیدا کیا، اور ایک ماں باپ کہہ کر اللہ نے سب کو بھائی بھائی بنا دیا ہے، اور اللہ نے انسانوں میں مختلف قوم اور قبیلے بھی بنائے اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کا تعارف اور شناخت آسان ہو جائے، اور دور اور قریب کے رشتوں کا علم ہو سکے، اور نسبی قرب و بعد کی مقدار پر ان کے حقوق شرعیہ ادا کئے جائیں، نیز تقسیم میراث میں بھی آسانی ہو جائے، اس لئے اللہ نے حسب نسب بنایا ہے، یہ حسب نسب اللہ نے فخر کے لئے نہیں بنایا ہے، اللہ کے یہاں سب سے زیادہ عزت والا شخص وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے۔ تو اللہ کے یہاں عزت کا، شرافت کا، فخر کا، فضیلت کا معیار تقویٰ ہے حسب نسب نہیں ہے، جس میں جتنا زیادہ تقویٰ ہے وہ اللہ کے یہاں اتنا معزز ہے، اتنا پیارا ہے، اور جس میں تقویٰ نہیں وہ اللہ کے یہاں اتنا ہی گرا ہوا ہے، چاہے وہ بلند حسب نسب والا ہو، اونچے خاندان کا ہو۔

چنانچہ ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عن ابی هرير عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم قال: ان الله عزوجل اذهب عنكم عبية الجاهلية وفخرها بالآباء، الناس بنو آدم وآدم من تراب. مومن تقی وفاجر شقی لينتهين اقوام يفتخرون برجال انما هم فحم من فحم جهنم او ليكونن اهون على الله من الجعلان التی تدفع النتن بانفها.

[رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے زمانۂ جاہلیت کی کبر ونخوت اور باپ دادا جو کفر پر مرگئے ان پر فخر کرنے کو ختم فرمادیا۔ تمام انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں، اور اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا، تو سب کی اصل مٹی ہے۔ اب دنیا میں تمام انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ ا......مؤمن تقی ۲......فاجر شقی۔ لہذا اب لوگوں پر لازم ہے کہ باپ دادا جو اپنے کفر کی وجہ سے جہنم کے کوئلوں میں سے ایک کوئلہ ہیں ان پر فخر کرنے سے باز آجائیں ورنہ وہ لوگ اللہ کے نزدیک نجاست کے کیڑے سے بھی زیادہ ذلیل ہوں گے۔

(الترغیب والترہیب:۳/۶۱۴)

تمام انسانوں کی دو قسمیں ہیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اونٹنی پر سوار ہوکر طواف فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ سب لوگ دیکھ سکیں، طواف سے فارغ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا:

الحمد للّٰہ الذی اذھب عنکم عبیة الجاھلیة وتکبرھا الناس رجلان برتقی کریم علی اللہ وفاجر شقی ھین علی اللّٰہ ثم تلا ﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ﴾ الآیة.

[شکر ہے اللہ کا جس نے فخر جاہلیت کو اور اس کے تکبر کو تم سے دور کر دیا، اب تمام انسانوں کی صرف دو قسمیں ہیں، ایک نیک اور متقی وہ اللہ کے نزدیک شریف اور محترم ہیں، دوسرا فاجر شقی وہ اللہ کے نزدیک شقی ہیں۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ﴾ یہ آیت تلاوت فرمائی۔

(ترمذی وبغوی بحوالہ معارف القرآن: ۸/ ۱۲۵)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دنیا میں لوگوں کے نزدیک عزت نام ہے مال اور دولت کے زیادہ ہونے کا، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک عزت نام ہے تقویٰ کے زیادہ ہونے کا۔

(معارف القرآن: ۸/ ۱۲۵)

تو محترم بزرگو! عزت حقیقت میں نہ حسب ونسب میں ہے، نہ مال ودولت میں، عزت درحقیقت ایمان اور تقویٰ میں ہے، حسب ونسب، مال ودولت بے شک اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے، اس کے ملنے پر انسان کو اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے نہ کہ اس کے ذریعہ فخر کرے، اور دوسروں کو ذلیل وحقیر سمجھے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دین وشریعت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرماوے اور ہمیں ایمان وتقویٰ سے مزین فرماوے۔ آمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

☆☆☆☆☆☆☆☆

تمت